''مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی دینی و علمی خدمات''

☆☆☆☆☆☆

مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی

ریسرچ اسکالر

امداد اللہ

شعبہ قرآن وسنہ، جامعہ کراچی

ریسرچ سپروائزر

ڈاکٹر عبید احمد خان

انچارج شعبہ اسلامک لرننگ

کلیہ معارف اسلامیہ

جامعہ کراچی

Dr. Ubaid Ahmed Khan
Department of Islamic Learning
University of Karachi-75270, Pakistan.
Tel: 92-21-9243131-7, Ext: 2390, 2478 Dir. 4825119

Res : C-163, Block '6', F.B. Are
Karachi-Pakistan.
Tel: 92-21-6362217
Fax: 92-21-4921308
E-mail: drubaidkhan@hotmail.

Date : March, 2013

تصدیق نامہ

تصدیق کی جاتی ہے کہ امداد اللہ ولد ملک امان اللہ نے "مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی علمی و دینی خدمات" کے عنوان پر اپنا تحقیقی مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی مکمل کرلیا ہے، کام کی نوعیت اور مواد صحیح معنوں میں تحقیقی اسلوب کے رنگ میں ہے لہٰذا امیدوار کو مقالہ جمع کرانے کی اجازت دی جاتی ہے۔

نگران تحقیق

ڈاکٹر عبید احمد خان
انچارج شعبہ اسلامک لرننگ
یونیورسٹی آف کراچی

BOARD OF ADVANCED STUDIES & RESEARCH
UNIVERSITY OF KARACHI

CERTIFICATE

I have gone through the thesis titled "مولانا محمد منظور نعمانی رح کی علمی و دینی خدمات"

submitted by Dr./ Mr./ Mrs./ Miss Imdad ullah for the award of

~~M.Phil.~~/Ph.D. degree and certify that to the best of my knowledge it contains no plagiarized material.

DR. UBAID AHMED KHAN
Incharge
Deptt. of Islamic Learning
University of Karachi.

Signature & Seal of Supervisor

Name: Imdad ullah

Department: Quran-o-Sunnah

Date: 21-02-2013

فہرست مضامین

باب ششم: ہم عصر علماء کرام کی آراء کی روشنی میں مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی علمی و دینی خدمات کا جائزہ۔

انتساب

میں اپنی اس کاوش کو اپنے مشفق ومہربان ان تمام اساتذہ کرام کے نام کرتا ہوں جن کی تعلیم وتربیت، محبت وشفقت اور دعاؤں کی برکت سے میں آج اس مقام تک پہنچا کہ پی۔ایچ۔ڈی کے لئے مقالہ تیار کرسکوں۔ چاہے وہ مجھے حروف تہجی اور پہلی جماعت پڑھانے والے اساتذہ کرام ہوں یا ایم۔اے اور پی ایچ۔ڈی کرانے والے، چاہے وہ درس نظامی کے اساتذہ یا عصری علوم کے اساتذہ خصوصاً شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ العالی مہتمم وبانی جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی۔ جن کے ادارہ میں آٹھ سال تک تعلیم وتربیت حاصل کی۔ جن کی ترغیب پر میں نے اپنے لئے شعبہ تعلیم وتعلم سے تاحیات جڑے رہنے کا فیصلہ کیا۔ میرے اساتذہ کرام میں سے جو دنیا سے رحلت فرما گئے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ عالم آخرت میں لحہ بہ لحہ سکون وراحت نصیب فرمائے اور ان کی مغفرت کلی فرما کر درجات عالیہ نصیب فرمائے اور جو بقید حیات ہیں ان کے سائے کو تادیر ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے۔

آمین ثم آمین

اظہار تشکر

کروڑھا کروڑ حمد وثناء اس خالق کائنات کی، جس نے مجھے اس بات کی توفیق وہمت عطا کی کہ میں یہ مقالہ پایۂ تکمیل تک پہنچا سکوں۔ میں اپنے اس مقالے کی تکمیل پر صد واجب الاحترام، مشفق ومہربان استاد گرامی محترم ڈاکٹر عبید احمد خان صاحب کا دل کی اتھاہ گہرائیوں کے ساتھ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جن کی علمی راہنمائی، شفقت وسرپرستی، لحظہ بہ لحظہ حوصلہ افزائی کے بغیر تحقیقی مواد کی جمع وتدوین ناممکن تھی۔ سات سال میں کبھی بھی خفگی اور ناراضگی کا اظہار نہیں کیا بلکہ جب بھی ملے مسکراتے ہوئے ملے۔

بعد ازاں میں اپنے والدین کو ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہوں جنہوں نے بچپن سے تا حال ہمیشہ میری تربیت کی۔ حصول تعلیم میں میرے مدد ومعاون رہے خصوصاً اپنی شبانہ روز کی دعاؤں میں نہ صرف یاد رکھا بلکہ میری علمی ترقی کے لئے بارگاہ الٰہی میں دست دعا پھیلائے رکھے۔ میں اپنی زوجہ ام انس کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس ریسرچ کے کام میں میرے ساتھ ہر طرح سے تعاون کیا۔ ایک تو مقالہ کی پروف ریڈنگ کرنے میں، دوسرا میرے بیٹے محمد انس کے تعلیمی امور سے مجھے آزاد کر دیا۔ حتیٰ کہ بچہ کے تعلیمی ادارہ تک چھوڑنے، اُسے ہوم ورک کروانے کے پابندی اور وقت طلب اُمور سے میں بالکل بے فکر ہو کر ریسرچ کا کام کرتا رہا۔ ڈاکٹر محمد جمیل بندھانی صاحب کا بھی دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے خطہ کی تیاری سے لے کر مقالہ کی تکمیل تک نہ صرف اپنے بہترین مشوروں سے نوازتے رہے بلکہ تمام تر مراحل میں بے لوث اور خوش دلی وخندہ پیشانی سے میری رہنمائی کرتے رہے اور میں تہہ دل سے ڈاکٹر محمد عامر طاسین صاحب ''ڈائیریکٹر مجلس علمی'' لائبریری کا بھی انتہائی شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے میرے تحقیقی کام کے سلسلے میں اپنی لائبریری میں موجود کتب سے استفادہ کرانے کے ساتھ ساتھ راہنمائی بھی کی اور بعض اہم کتب بھی فراہم کیں۔ میں نے اکثر یہ دیکھا ہے کہ ڈاکٹر عامر طاسین صاحب کے پاس ایم اے، ایم فل اور پی ایچ، ڈی کے بے شمار طلباء اپنے مقالہ جات کی تیاری کے لیے آتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر عامر طاسین صاحب کی یہ خوبی بھی کمال کی ہے وہ تمام آنے والے طلباء کے ساتھ بلاامتیاز بے لوث اور بے غرض معاون بن کر علمی تعاون کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں جن جن محبین ومخلصین حضرات نے میرے ساتھ اس مقالہ کی تیاری وتکمیل میں جس قدر تعاون کیا میں ان سب کا شکر گزار اور ممنون ہوں۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ ایزدی میں دعا گو ہوں کہ وہ ان تمام حضرات کو دنیا وآخرت میں اپنی شان کریمی کے مطابق اپنے فضل وکرم اور انعام واکرام سے نوازے۔ (آمین)

امداد اللہ

﴿ابتدائیہ﴾

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی علمی ودینی خدمات

دین اسلام خالق کائنات کی طرف سے رشد و ہدایت کا آخری پروگرام ہے جو قیامت تک آنے والے انسانوں کی رہنمائی وترقی کا باعث ہے۔اسلام کی یہ تعلیمات پیغمبر اسلام ﷺ کے ذریعے پہنچیں۔آپ ﷺ خاتم النبین ہیں آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا،لہذا آپ ﷺ کے بعد اسلامی تعلیمات کو رہتی دنیا تک پہنچانے کا فریضہ صحابہ کرامؓ،تابعینؒ،تبع تابعینؒ اور علمائے حق نے مختلف ادوار میں ادا کیا۔قرآن حکیم کی تعلیمات اس کے الفاظ ومعانی کی تشریح،احکام کے اسرار وحکم کی حفاظت کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کی حفاظت بھی امت مسلمہ کے علمائے کرام نے کی،ہر دور میں علماء،صلحاء،محدثین،فقہاء اور مجددین برابر آتے رہے،سب نے اپنا اپنا کام سرانجام دیا اور دین صحیح خطوط پر قائم رہا۔

اسلام کی دعوت اسلاف کی محنتوں سے دنیا کے کونے کونے تک پہنچی،اسی طرح ہندوستان میں بھی علمائے کرام کی کوششوں اور قربانیوں سے اسلام کی روشنی اس کے طول وعرض میں پھیلتی چلی گئی۔اور ہر دور میں جب بھی اسلامی تعلیمات کے پھیلاؤ میں رکاوٹیں پیدا ہوئیں یا اسلام دشمن قوتوں کی ریشہ دوانیاں بڑھ گئیں تو علمائے حق میدان عمل میں آگئے اور انہوں نے اپنی زندگیاں اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر دیں۔علمائے کرام کی یہ خدمات اور قربانیاں تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں،چاہے انگریز کے خلاف جدوجہد آزادی ہو یا اسلام دشمن قوتوں کے فکری حملے ہوں،ان علمائے حق نے ڈٹ کران کا مقابلہ کیا اور اپنی دعوت وتبلیغ،اپنی تحریر وتقریر سے اسلام کی حقیقی تعلیمات کو کبھی مٹنے نہیں دیا۔

ہندوستان میں مغلیہ دور کے ختم ہونے کے بعد مسلمانان ہند کی طرف اگر اس پہلو سے توجہ نہ کی جاتی اور ان کے ایمان اور اعمال صالحہ کے بقاء کا انتظام نہ کیا جاتا تو بہت بڑا علمی اور دینی خسارہ ہو جاتا۔انگریزوں نے ملک پر قبضہ کرنے کے بعد عامۃ المسلمین کو نصرانی بنانے کی طرف توجہ کی اور بہت بڑی سازش کے ساتھ پادریوں کو ہندوستان میں بلایا،اور نصرانیت پھیلانے کی کوششیں شروع کر دیں،ان کے مقابلے میں حضرات علمائے اسلام کی مناظرانہ جہود

ومساعی سامنے آئیں، علمائے کرام کی مساعی جلیلہ سے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونک دی گئی۔ اسی کا تسلسل شاہ ولی اللہ کی تحریک، دارالعلوم دیوبند کا قیام، علی گڑھ کالج کا وجود، یہ سب علماء کی یکجا اور منظم جدوجہد تھی جس نے اسلامی نظریہ وفکر کی حفاظت کی۔

علمائے کرام کے اسی تسلسل میں ایک نام مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا بھی آتا ہے۔ جنہوں نے جذبہ للّٰہیت، اخلاص، دینی حمیت کے تحت دینی خدمت کا فریضہ سرانجام دیا۔ زیر نظر مقالہ جس کا عنوان ہے:

''مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی علمی ودینی خدمات'' کو اس مقصد کے لئے منتخب کیا گیا کہ علماء حق کی وہ کاوشیں جو انہوں نے دینی فکر کی آبیاری کے لئے انجام دیں، انہیں معاشرے تک پہنچایا جائے اور انہیں محفوظ کیا جائے تا کہ اس سے معاشرے میں دینی شعور عام ہو سکے۔ یہ مقالہ کل چھ ابواب پر مشتمل ہے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

باب اول: مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے حالات زندگی

فصل اول: ولادت، نام ونسب، آبائی تعلق، خاندانی پس منظر وماحول

فصل دوم: تعلیم کا آغاز، ابتدائی تعلیم، اعلیٰ دینی تعلیم

فصل سوم: مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے معروف اساتذہ کرام کا تذکرہ

فصل چہارم: مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی ذاتی گھریلو زندگی

فصل پنجم: مولانا محمد منظور نعمانیؒ اپنی عادتوں اور باتوں کے آئینہ میں

فصل ششم: مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی چند خصوصیات وصفات کا تذکرہ

باب دوم: مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی تدریسی خدمات

فصل اول: مختلف دینی مدارس میں تدریسی خدمات

فصل دوم: درس وتدریس کا انداز اور اس کے اثرات

باب سوم: مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی تبلیغی واصلاحی خدمات

فصل اول: مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی دعوت واصلاح کا طریقہ اور اس کے اثرات

فصل دوم: نامور ومشاہیر حضرات کے نام خطوط

فصل سوم: جماعت اسلامی میں شرکت اور علیحدگی کے اسباب

فصل چہارم: مولانا محمد منظور نعمانیؒ بحیثیت مبلغ اسلام

فصل پنجم: مولانا محمد منظور نعمانیؒ بحیثیت مناظر اسلام

باب چہارم: مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی تصنیفی خدمات

فصل اول: ا۔تفسیر ۵۔فقہ

۲۔حدیث ۶۔ایمانیات

۳۔سیرت ۷۔اصلاحیات

۴۔سوانح

فصل دوم: مختلف رسائل و جرائد میں بکھری تحریریں

ا۔ماہنامہ البلاغ ۲۔ماہنامہ بینات

۳۔ماہنامہ الفرقان لکھنو

۴۔ماہنامہ الفاروق

۵۔دیگر رسائل و جرائد

فصل سوم: مولانا محمد منظور نعمانیؒ اپنی تصنیفات کے آئینے میں (جائزہ)

فصل چہارم: تصانیف کی فہرست

فصل پنجم: تذکرہ مولانا محمد منظور نعمانیؒ مختلف کتب و رسائل میں

باب پنجم: مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی خدمات صحافت

فصل اول: ماہنامہ الفرقان کا اجراء

فصل دوم: ماہنامہ الفرقان کا مقصد و مسلک اور خیر مقدم

فصل سوم: فکر نعمانی کی جھلکیاں آئینہ الفرقان میں

فصل چہارم: مکتوبات بانی الفرقان کا انتخاب

فصل پنجم: ماہنامہ الفرقان کا دور زرّیں اور اس کا دور اوّلین

باب ششم: ہم عصر علماء کی آراء کی روشنی میں مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی علمی و دینی خدمات کا تجزیہ

مقالہ کے آخر میں کل چھ ابواب کا خلاصہ "اختتامیہ" کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے اور پھر ان کتب و رسائل اور دیگر لٹریچر کی فہرست "کتابیات" کے نام سے پیش کی گئی، جس سے دوران تحقیق استفادہ کیا گیا۔

اُمیدوار برائے...... پی ایچ، ڈی

امداداللہ

باب اول: مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے حالات زندگی

تمہید

خالق کائنات نے ارض وسماء کی تخلیق فرمائی۔حضرت انسان کو اپنی قدرت خاص سے تخلیق فرمایا اور انسان کی اس دنیا اور پھر آخرت کی زندگی میں کامیابی وکامرانی کے لئے اللہ تعالیٰ نے رشد وہدایت کا ایک سلسلہ جاری فرما کر انسانوں کو تہذیب وتمدن اور ارتقاء کے آفاقی اور فطری اصولوں سے آشنا کیا۔ہدایت کا یہ سلسلہ انبیاء ورسل کے ذریعہ جاری وساری رہا۔قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

" وان من امة الا خلافيها نزير "(1)

اور کوئی امت ایسی نہیں ہے جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔

دوسرے مقام پر قرآن حکیم کا فرمان ہے۔

" ولقد ارسلنا رسلاً من قبلنا منهم من قصصنا عليک ومنهم من لم نقصص عليک "(2)

اور ہم نے تم سے پہلے بہت رسول بھیجے۔ان میں سے کچھ کے حالات ہم نے تم کو سنائے ہیں اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جن کے حالات ہم نے تم کو نہیں سنائے۔

اقوام کی رشد وہدایت کے لئے انبیاء کی بعثت کے بارے میں پھر ارشاد ہوتا ہے۔

" انما انت منذر ولكل قوم هاد "(3)

تم صرف خبردار کردینے والے ہو اور ہر قوم کے لئے ایک راہ بتادینے والا ہے۔

انبیاء کرام علیہ السلام کی محنت اور تعلیم وتربیت کے نتیجے میں انسانی دنیا نے درجہ بدرجہ ارتقاء کی منازل طے کیں،انسانی معاشرے قومی دور سے بین الاقوامی دور میں داخل ہو گئے۔وقت کے تقاضے بدل گئے۔عقل نے ترقی کر لی تو نبوت نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنا کردار ادا کیا اور اسلام کی صورت میں آفاقی اور فطری نظام کے ذریعے انسانی معاشرے کی رہنمائی فرمائی۔اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے خاتم،رسول اکرم ﷺ کو موث فرمایا۔اور آپ ﷺ کل انسانی دنیا کے لئے رشد وہدایت کا سرچشمہ بن گئے۔اپنی بعثت کی ہمہ گیریت کے حوالے سے حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں۔

"وكان نبی يبعث الیٰ قوم خاصة وبعثت الیٰ الناس عامة " (4)

مجھ سے پہلے ہر نبی اپنی ایک مخصوص قوم کی طرف رث ہوتا تھا۔لیکن میں تمام عالم

انسانیت کی طرف رث کیا گیا ہوں۔

نبی کریم ﷺ نے دین اسلام کی آفاقی تعلیمات سے معاشرے کو روشناس فرمایا اور عصر حاضر کے عقلی انقلابات کا ادراک کرنے کے لئے فطری اصولوں سے متعارف فرمایا۔

''دین اسلام کسی ایک ملک، قوم یا زمانے کے لئے مخصوص نہیں۔اسلام تمام انسانیت کا دین ہے اور قرآن کریم انسانیت کے اسی دین کا ترجمان ہے۔قرآن کی تعلیم اتنی ہی عالمگیر اور ہمہ گیر ہے جتنی کہ خود انسانیت ہے۔مشیت ایزدی کا ظہور انسانیت کے تقاضوں کی صورت میں ہی ہوتا ہے۔قرآن چونکہ انسانیت کے انہی تقاضوں کا آئینہ دار ہے اس لئے وہ خدا کا قانون ہے۔''(5)

رسول اکرم ﷺ کے بعد انبیاء کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔لہذا آپ ﷺ کے مشن کو اور آپ ﷺ کی تعلیمات اور اسلام کی آفاقی تعلیمات کو انسانی معاشرے میں عام کرنے کے لئے ذمہ داری دین حق کے ان علمائے کرام کو تفویض کر دی گئی ہے جو دینی علوم کے ماہر اور اعلیٰ اخلاق و کردار کے مالک ہیں۔

''دین اسلام میں جس قدر تازگی اور عصر حاضر کے سچے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت ہے وہ کسی اور مذہب میں موجود نہیں جس کی وجہ سے تمام مذاہب کو اپنی عبادت گاہوں کی چار دیواری میں محصور ہونا پڑا جبکہ اس سے باہر ان کو رسومات کی بوسیدہ چادر اوڑھے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔دین اسلام کی اس تابانی کا اظہار ان سچے بندوں کے ذریعے ہوتا رہا ہے جو علماء ربانی کہلاتے ہیں۔ان صوفی علماء حق نے اپنے دور کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اس کے تقاضوں کی تشخیص کی اور پھر کہیں علاج بالضد کو آزمایا اور کہیں علاج بالمثل کو تجربے میں لائے، کبھی متوازن غذاؤں کو استعمال میں لائے کبھی پرہیز کو ہی تجویز کیا''(6)

انبیاء کرام اور خاتم النبیین ﷺ کے علمی وارث علمائے کرام ہیں جو دین اسلام کی تعلیمات اور رشد و ہدایت کے اس پیغام کو انسانوں تک پہنچانے کا فریضہ انجام دینے کے ساتھ ساتھ معاشرے کے منکرات کے خلاف جدوجہد بھی کرتے ہیں۔علمائے کرام امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔یہی علمائے حق علم دین کے وارث اور امین ہیں۔قرآن حکیم نے ہر قوم کے اندر ایسے افراد کو ضروری قرار دیا جو علوم دینیہ کے ماہر ہوں اور وہ دوسروں کو یہ علوم سکھائیں۔ارشاد خداوندی ہے۔

''فلو لا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون.''(7)

کہ ہر قوم کے چند افراد کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ علم دین سیکھیں اور اپنی بقیہ تمام قوم کو دین سے واقف کرائیں۔

لہذا دینی دعوت کی اسی خوبی کو قرآن حکیم بیان کرتے ہوئے اس امت کو سب سے بہترین امت قرار دیتا ہے۔ارشاد خداوندی ہے۔

"کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتومنون بالله" (8)

تم بہترین امت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لئے ظاہر کی گئی ہو۔تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

نبی اکرم ﷺ اور گذشتہ تمام انبیاء کرام نے دینی دعوت کے اس مشن کو زندہ رکھا۔ان کے بعد علماء عظام نے اس کا حق ادا کیا۔تاریخ کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ورثاء،علم دین کے حامل علمائے حق نے انبیاء علیہم السلام کے اس مشن کو بڑے احسن انداز سے جانی اور مالی قربانیاں دے کر پروان چڑھایا۔اور اس علم وفکر کی نہ صرف حفاظت کی بلکہ اسے انسانی معاشروں میں عام کرنے کے لئے ان تھک محنت کی۔اور اس راہ میں بڑی بڑی مشکلات اور مصائب برداشت کئے۔علمائے حق کی قربانیوں کی تاریخ انبیاء کرام کے مشن کی یاد دلاتی ہے جنہوں نے خالق کائنات کے رشد وہدایت کے پروگرام کو انسانی معاشروں کے سامنے پیش کیا اور اس کی پاداش میں انہیں طرح طرح کے مصائب سے گزرنا پڑا۔علماء حق نے ہر زمانہ اور ہر دور میں دینی علوم کو حاصل کیا اور اس کے حصول کو جاری وساری رکھنے اور اس کی حفاظت کے لئے معاون علوم کی تدوین کی اور تصانیف لکھیں۔علوم دینیہ کی درسگاہیں قائم کیں اور قرآن وحدیث اور ان کے معاون علوم دینیہ کی درس وتدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ہندوستان کی تاریخ گواہ ہے کہ علماء حق نے دین حق کے قیام کے لئے زندگی کے مختلف شعبوں میں گراں قدر خدمات انجام دیں ہیں۔علم کا میدان ہو یا دعوت وتبلیغ کا سلسلہ،دینی سیاست کا معاملہ ہو یا آزادی وحریت کی جدوجہد،علماء حق نے قربانیوں اور عزیمت کی ایسی ان مٹ تاریخ رقم کی ہے جو اس امر کی گواہ ہے کہ علماء حق نے ہندوستان کو سپین کی طرح زوال پذیر نہیں ہونے دیا بلکہ اسلامی اقدار،تعلیمات اور کلچر کو نہ صرف زندہ رکھا بلکہ اس پر باقاعدہ ایک اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھنے کے لئے بھی جدوجہد کی اور اس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کے اصل وارث ہونے کا حق ادا کیا۔علماء کرام کی یہی جماعتیں تسلسل کے ساتھ دین حق کی خدمت کے اس سلسلے کو جاری وساری رکھے ہوئے ہیں۔

"دین اسلام میں جس قدر تازگی اور عصر حاضر کے سچے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت ہے وہ کسی اور مذہب میں موجود نہیں جس کی وجہ سے تمام مذاہب کو اپنی

عبادت گاہوں کی چار دیواری میں محصور ہونا پڑا جبکہ اس سے باہر ان کو رسومات کی بوسیدہ چادر اوڑھے بغیر کوئی چارہ نہیں آتا۔ دین اسلام کی اس تابانی کا اظہار ان سچے بندوں کے ذریعے ہوتا رہا ہے جو علماء ربانی کہلاتے ہیں۔ ان صوفی علماء حق نے اپنے دور کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اس کے تقاضوں کی تشخیص کی اور پھر کہیں علاج بالضد کو آزمایا اور کہیں علاج بالمثل کو تجربے میں لائے، کبھی متوازن غذاؤں کو استعمال میں لائے کبھی پرہیز کو ہی تجویز کیا'' (9)

ہندوستان کی تاریخ بھی ایسے ہی علماء کرام کی قربانیوں سے مزین ہے۔ ان میں ایک نام مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا بھی ہے۔ آئندہ صفحات میں ان کی زندگی کے حالات کا تحقیقی جائزہ ملاحظہ فرمائیں:

فصل اول ولادت، نام ونسب، آبائی تعلق، خاندانی پس منظر و ماحول۔

﴿ولادت﴾...... مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے صاحبزادے مولانا عتیق الرحمن سنبھلی لکھتے ہیں۔

'' آپ کے آبائی وطن سنبھل کے میونسپل بورڈ والے سرکاری اندراجات کو اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو آپ نے 18 جنوری 1906 (مطابق ۲۲ ذی قعدہ ۱۳۲۳ھ) کو اس خاکدان عالم میں قدم رکھا، لیکن خود آپ کی اپنی ایک تحریر کی رو سے آپ کی پیدائش کا مہینہ شوال ۱۳۲۳ھ ہے۔ (جس کی مطابقت جنوری ۱۹۰۶ء کے بجائے دسمبر ۱۹۰۵ء سے ہوتی ہے) آپ کی تحریر الفرقان بابت ماہ ذی قعدہ و ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ میں شائع ہونے والے ایک مضمون ''میری زندگی کے تجربات اور خاص خاص واقعات'' کی تمہید میں پائی گئی ہے۔ اس میں فرمایا'' اس نامہ سیاہ'' محمد منظور (عفا عنہ رب الغفور) کی عمر بھی اس گذرے ہوئے شوال میں چالیس سال پوری ہو گئی'' اس بیان کی رو سے یہ سمجھنا چاہئے کہ میونسپل بورڈ کے کاغذات میں اندراج کچھ دیر سے ہوا۔ یہ اندراج اگر صحیح وقت پر ہوتا تو جنوری ۱۹۰۶ء کے بجائے دسمبر ۱۹۰۵ء کی کوئی تاریخ آپ کی تاریخ پیدائش کے خانے میں درج ہوتی۔'' (10)

﴿خاندانی ماحول﴾...... عتیق الرحمن سنبھلی رقمطراز ہیں

''سنبھل کے بارے میں تو تاریخی طور پر ثابت ہے کہ ہندوستان میں ترکان احرار کی ابتدائی آمد ہوئی تو ان کی ایک بڑی تعداد نے سنبھل اور اس کے قرب و جوار کو وطن بنا لیا۔ آپ کا گھرانہ، بلکہ سنبھل کا وہ پورا محلّہ (دیپا سرائے) جس میں یہ گھرانہ آباد ہے

انہی ترکان احرار کی یادگار رہے۔آپ کے والد ماجد۔۔۔۔۔۔۔دین اور دنیا ہر لحاظ سے نہایت خوش قسمت لوگوں میں سے تھے،صلاح وتقویٰ اور تعلق باللہ کی دولت سے مالا مال ہونے کی بنا پر''صوفی'' نام کا جزء بن گیا تھا۔یعنی صوفی احمد حسین یا صوفی جی کہلاتے تھے اور اللہ نے دنیاوی رفاہیت کے ساتھ عزت ووجاہت بھی، باوجود بالکل سادہ صوفیانہ ودرویشانہ رہن سہن کے، اتنی عطا فرمائی تھی کہ کوئی بڑے سے بڑا آدمی جو ان کے محلے میں قدم رکھتا لازم تھا کہ ان کے دروازے پر تھوڑی دیر ضرور بیٹھے۔اولاد کے معاملے میں بھی اللہ نے انہیں بہت خوش قسمت کیا تھا۔مجموعی طور پر ان کے چھ بیٹے اور تین بیٹیاں ہوئیں اور اللہ کے کرم سے سب کے سب دین کے معاملے میں اپنے والد کے نقش قدم ہی پر رہے۔

والد ماجد ان میں چوتھے نمبر پر تھے۔آپ کے اوپر دو بھائی شیخ غلام امام صاحب اور مولوی محمد حسن صاحب اور ایک بہن تھی۔ان کی والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد دادا صاحب (صوفی احمد حسین صاحب) نے عقد ثانی فرمایا تو ان دوسری اہلیہ کے بطن سے سب سے پہلے آپ (والد ماجد) کو وجود ملا،آپ کے بعد تین بھائی اور دو بہنیں علی الترتیب یوں تھے۔حاجی محمود حسین صاحب،حلیمہ بی بی،مولوی حکیم محمد احسن صاحب،ساجدہ خاتون اور محمد عارف صاحب،راقم الحروف کو الحمدللہ سب کو (سوائے محمد عارف صاحب) کم وبیش اچھی طرح دیکھنے کی سعادت ملی،سب میں اپنے والد کی نیکیوں اور طور طریق کا عکس تھا۔غالباً سبھی تہجد گذار تھے اور بیٹوں میں سے تین تو باقاعدہ فارغ التحصیل عالم دین بھی،جن میں ایک حضرت والد ماجد (بانی الفرقان) ہیں۔''(11)

فصل دوم: تعلیم کا آغاز،ابتدائی تعلیم،اعلیٰ دینی تعلیم

﴿تعلیم کا آغاز﴾......مولانا محمد منظور نعمانیؒ اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں

''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے جس احسان عظیم کا ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس نے مجھے ایک ایسے گھرانے میں پیدا فرما دیا،جس میں دنیوی معیشت کے لحاظ سے خوشحالی کے ساتھ اس کی توفیق سے دینداری اور خدا ترسی بھی تھی۔میرے والد ماجد (صوفی احمد حسین صاحب مرحوم) ایک متوسط درجے کے دولت مند تھے۔زمینداری

بھی اچھی خاصی تھی اور تجارتی کاروبار بھی خاصہ وسیع تھا اور اس میں اچھے کامیاب تھے۔اسی کے ساتھ ان پر آخرت کی فکر غالب تھی۔اور وہ کاروبار میں پوری طرح مشغولی کے ساتھ "الذاکرین اللہ کثیرا۔(اللہ کو بہت زیادہ یاد کرنے والے بندوں) میں سے تھے۔اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ میری دنیوی تعلیم کے خاص امکانات بلکہ بعض غیر معمولی قسم کی ترغیبات کے باوجود انہوں نے مجھے دینی تعلیم دلانے اور دین کا خادم بنانے کا فیصلہ فرمایا۔"(12)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ ابتدائی تعلیم کے آغاز کے بارے میں روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں

"میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے دنیوی دولت وثروت اور وجاہت بھی دی تھی۔اسی کے ساتھ وہ اپنے خاص رنگ میں گہرے دین دار بلکہ بڑے ذاکر وشاغل تھے اور ایک زمانہ میں انہوں نے بہت سخت صوفیانہ ریاضتیں بھی کی تھیں،اس لئے وہ "صوفی جی" کے نام سے معروف تھے۔بہت سے لوگ ان کا اصل نام نہیں جانتے تھے۔وہ عالم نہیں تھے اور علماء حق سے ان کا تعلق بھی نہیں رہا تھا،بلکہ کچھ ایسے غلط صوفیوں کی صحبت سے متاثر ہوئے تھے جو غالباً تھے تو مخلص اور نیک نیت لیکن ان کے بعض عقیدے بڑے گمراہانہ تھے۔میرے والد صاحب کا بھی اس دور میں یہی حال تھا مگر جیسا کہ میں نے عرض کیا وہ اپنی عملی زندگی میں بڑے پکے دیندار،شریعت کے نہایت پابند تھے،دنیا کا کام بھی خوب کرتے تھے اور اس میں بہت کامیاب تھے لیکن دین اور آخرت کی فکر دنیا کی فکر پر غالب تھی اسی لئے وہ اپنی اولاد کو صرف دینی تعلیم دلانا چاہتے تھے اور پوری وسعت اور استطاعت کے باوجود اپنے کسی بچہ کو خالص دنیاوی تعلیم یعنی انگریزی تعلیم دلانے کے بالکل روادار نہیں تھے۔اسی واسطے انہوں نے مجھے بھی ناظرہ قرآن شریف اور تھوڑی سی اردو تعلیم کے بعد فارسی اور پھر عربی پر لگا دیا۔"(13)

اپنے بچپن کے حالات پہ روشنی ڈالتے ہوئے بیان کرتے ہیں

"کچھ اس وجہ سے کہ میری عمر بہت کم تھی اور ابھی میں صرف ونحو سمجھنے اور پڑھنے کے لائق نہیں ہوا تھا اور خاص کر میزان ومنشعب اور پنج گنج اور نحو میر جیسی کتابوں کے ذریعہ تو صرف ونحو سمجھنے اور پڑھنے کے قابل بالکل ہی نہیں تھا اور زیادہ تر اس وجہ سے کہ میرے اندر اس تعلیم کا کوئی شوق اور داعیہ نہیں تھا،میں نہایت بے دلی سے پڑھتا رہا

بلکہ واقعہ یہ ہے کہ بس پٹائی کے ڈر سے جو کچھ پڑھایا جاتا تھا، وقتی طور پر یاد کر کے سنا دیا کرتا، سمجھتا کچھ نہیں تھا۔ مجھے یاد ہے کہ کئی سال تک میرا یہی حال رہا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر سال میری میزان نئے سرے سے شروع ہوتی تھی۔ ہمارے سنبھل میں اس وقت تین عربی مدرسے تھے۔ ہوتا یہ تھا کہ ایک سال تک میں ایک مدرسے میں پڑھتا رہتا، سال ختم ہونے تک میزان منشعب ختم ہو کر کبھی کبھی پنج گنج اور نحو میر بھی شروع ہو جاتی، لیکن والد ماجد اور گھر والے محسوس کرتے کہ میری پڑھائی ٹھیک نہیں ہو رہی ہے تو دوسرے سال مجھے دوسرے مدرسے میں بھیج دیا جاتا۔ وہاں کے استاد جب میرا یہ حال دیکھتے کہ مجھے کچھ نہیں آتا ہے تو وہ پھر سے وہی میزان شروع کرا دیتے اور پھر میں سال بھر میں میزان و منشعب ختم کر کے پنج گنج اور نحو میر تک یا کچھ اور آگے تک پہنچ جاتا۔ لیکن مجھے آتا نہیں تھا، اس لئے اگلے سال پھر میں تیسرے مدرسے میں بھیج دیا جاتا وہاں کے استاد بھی میری خیر خواہی میں یہی طے کرتے کہ مجھے پھر میزان سے پڑھایا جائے اور پھر میری میزان شروع ہو جاتی۔ مجھے یاد ہے کہ یہ چکر برسوں تک اسی طرح چلتا رہا اور ہر سال میری تعلیم "بداں اسعدک اللہ فی الدارین" سے شروع ہوتی رہی۔" (14)

مزید بیان کرتے ہیں۔

"اسی زمانہ میں جبکہ میرے غالباً دو تین سال برباد ہو چکے تھے اور میری عمر قریباً ۱۲ سال کی ہو چکی تھی، ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ہمارے ضلع مراد آباد کے اس وقت کے انگریز کلکٹر نے جو کسی خوش گمانی کی بنا پر میرے والد ماجد کا بہت قدر شناس تھا، ایک ملاقات میں والد صاحب سے ان کی اولاد کے بارے میں پوچھا۔ والد ماجد نے بتایا کہ خدا کے دیئے ہوئے میرے پانچ لڑکے ہیں۔ اس نے تعلیم کے بارے میں دریافت کیا تو اسے یہ معلوم کر کے حیرت ہوئی کہ ان میں سے کسی ایک نے بھی انگریزی تعلیم حاصل نہیں کی ہے اور نہ کوئی اب انگریزی پڑھ رہا ہے۔ اس وقت میری عمر اور تعلیم کی منزل ایسی تھی کہ میرے ہی بارے میں اس طرح کا فیصلہ کیا جا سکتا تھا۔ کلکٹر نے اصرار سے کہا کہ کل ہی اس بچہ کو مقامی ہائی اسکول میں بھیج دیا جائے اور ساتھ ہی کہا کہ میں ہیڈ ماسٹر سے کہہ دوں گا کہ وہ پانچ سال میں انٹرنس کرا دے اور والد صاحب سے کہا کہ پھر میں اس کو نائب تحصیلداری دے دوں گا۔ اس زمانہ میں نائب تحصیلداری بڑی چیز تھی، پہلی ترقی کر کے آدمی تحصیلدار ہو جاتا تھا اور اس کے بعد ڈپٹی کلکٹر ہو جاتا تھا۔ بس یہی

ہندوستانیوں کی معراج تھی۔اس سے آگے کلکٹر اور کمشنر تو صرف انگریز ہوتے تھے۔تو کلکٹر نے والد صاحب کو بہت اصرار کے ساتھ مشورہ دیا۔۔۔۔والد صاحب نے گھر آ کر یہ قصہ سنایا اور ساتھ ہی یہ ظاہر کر دیا کہ انہوں نے اس بات کو ماننے کا فیصلہ نہیں کیا لیکن ان کے بعض ملنے والوں کی اور گھر کے بھی بعض لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے اور مجھے اسکول میں ضرور داخل کر دیا جائے چنانچہ بعض لوگوں نے والد صاحب کو اس کے لئے راضی کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ کسی طرح راضی نہیں ہوئے۔ان کا آخری جواب یہ تھا کہ ''مجھے اللہ تعالیٰ سے پوری امید ہے کہ زندگی میں اپنی اولاد سے مجھے کچھ لینے کی ضرورت نہ ہوگی ان شاء اللہ ہمیشہ ان کو کھلاتا اور دیتا رہوں گا، ہاں مرنے کے بعد قبر میں مجھے ضرورت ہوگی۔اس لئے میں تو ان کو وہی تعلیم دلانے کی کوشش کروں گا جس سے مجھے قبر میں اور اس کے بعد کچھ ملتا رہے۔الغرض انہوں نے کسی کی ایک نہ سنی۔'' (15)

آگے لکھتے ہیں کہ۔

''مجھے یاد ہے کہ اس وقت والد صاحب کے فیصلے کا مجھے بڑا رنج اور صدمہ ہوا تھا جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ میں سوچتا تھا کہ اگر مجھے اسکول میں داخل کر دیا گیا تو تھوڑے دنوں کے بعد میں نائب تحصیلدار اور پھر تحصیلدار اور اس کے بعد ڈپٹی کلکٹر بن جاؤں گا اور دوسری اس سے بھی بڑی وجہ یہ تھی کہ مجھے کرکٹ کھیلنے کا بے حد شوق تھا، حالانکہ قریباً روزانہ پٹائی ہوتی تھی لیکن کھیل نہیں چھوٹتا تھا۔مجھے امید تھی کہ اسکول میں داخلہ ملنے کے بعد مجھے اس کی بھی آزادی مل جائے گی لیکن والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے قطعی فیصلہ سنا دیا کہ وہ مجھے انگریزی پڑھنے کے لئے اسکول میں داخل نہیں کریں گے۔'' (16)

مزید رقمطراز ہیں

''اس واقعے کے بعد غالباً کئی سال تک میرا یہی چکر چلتا رہا کہ پڑھنے کے ارادہ کے بغیر پڑھتا رہا۔مدرسہ جاتا آتا رہا اور ہر سال مدرسہ کی تبدیلی ہوتی رہی اور نئے سرے سے میری میزان شروع ہوتی رہی۔۔۔۔اس وقت میری عمر پندرہ سال کی ہو چکی تھی۔ والد صاحب کو معلوم ہوا کہ فلاں مدرسہ میں ایک نئے پنجابی استاد آئے ہیں اور وہ بہت توجہ سے پڑھاتے ہیں چنانچہ والد صاحب نے مجھے ان کے پاس بھیجنے کا فیصلہ فرما

دیا۔ایک حکیم صاحب کا تعارفی خط لے کر ان کے پاس بھیج دیا گیا۔ یہ مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی تھے...... میرے خاص محسن استادوں میں ہیں۔انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں کب سے پڑھ رہا ہوں؟ میں نے بتایا کہ اتنے دنوں سے پڑھ رہا ہوں۔اب میں کچھ سمجھ دار ہو چکا تھا۔انہوں نے مجھ سے باتیں کیں تو اندازہ کیا کہ میں غبی یا کند ذہن نہیں ہوں۔اس سے انہوں نے سمجھ لیا کہ میرا اتنا وقت صرف اس لئے برباد ہوا اور ہو رہا ہے کہ میں نے خود پڑھنے کا ارادہ نہیں کیا ہے بلکہ جبراً پڑھ رہا ہوں ۔انہوں نے مجھ سے پوچھا تو میں نے بتایا کہ واقعہ بالکل یہی ہے۔اللہ تعالیٰ ان کو بہتر سے بہتر جزاء عطا فرمائے اور ان کے درجے بلند فرمائے،انہوں نے بڑی شفقت اور بے تکلفی سے فرمایا کہ بھئی !اب تم خود ہی اپنے بارے میں فیصلہ کرو۔اگر اب بھی تمہارا ارادہ پڑھنے کا نہ ہو تو ہمیں صاف بتا دو ہم خود تمہارے والد صاحب سے مل کر انہیں سمجھائیں گے کہ وہ تمہارا وقت برباد نہ کریں، کسی اور لائن میں لگائیں اور اگر تمہارا ارادہ پڑھنے کا ہو تو پھر ہم تمہیں پڑھائیں گے اور ان شاء اللہ تم بہت جلدی پڑھو گے۔ اس وقت اللہ نے میرے دل میں ڈالا اور میں نے ان سے کہا کہ اچھا، ان شاء اللہ اب میں پڑھوں گا۔انہوں نے مجھے اس طرح پڑھانا شروع کیا کہ میزان کے چند صفحات مقرر کر کے فرمایا! کہ ان کو غور سے دیکھ لو اور ان کا مضمون یاد کر لو، جو بات سمجھ میں نہ آئے مجھ سے پوچھ لو۔دوسرے اسباق سے فارغ ہو کر میں تمہاری جانچ کر لوں گا۔اس طرح انہوں نے ۸-۱۰ دن میں میری میزان منشعب ختم کرا دی اور میں نے اب سمجھا کہ میزان منشعب میں کیا ہے، پھر اسی مہینے دو مہینے میں پنج گنج اور نحو میر ختم کرا دی۔ میں درمیان سال میں ان کے پاس گیا تھا اور شعبان تک انہوں نے علم الصیغہ اور ہدایۃ النحو تک پہنچا دیا۔اب میں جی لگا کر اور اپنے ارادے سے پڑھنے لگا لیکن اس کے بعد چار سال میں میں نے تمام متوسطات پوری کر لیں۔اس وقت ہمارے مدرسوں میں منطق و فلسفہ کا بہت زور تھا اس لئے میں نے سب سے زیادہ کتابیں منطق و فلسفہ کی پڑھیں اور اب اس کے اظہار میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اللہ کے فضل و کرم سے میں اپنے ساتھیوں میں ممتاز رہتا تھا۔‘‘ (17)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ اپنی ابتدائی تعلیمی سرگرمیوں کے حوالے سے اپنے مضمون ’’میری زندگی کے تجربات‘‘ میں بھی لکھتے ہیں۔

''قرآن شریف ناظرہ اور معمولی سی اردو پڑھانے کے بعد ہی فارسی شروع کرائی گئی اور فارسی کی بہت معمولی شدبد کے بعد بہت چھوٹی عمر ہی میں (یعنی عمر کے غالباً آٹھویں یا نویں سال میں) عربی کے سلسلہ کی پہلی کتاب ''میزان الصرف'' شروع کرا دی گئی۔ میرا اندازہ ہے کہ اگر چہ میں اس عمر میں عربی کی ابتدائی تعلیم کا بوجھ اٹھانے کے قابل ہو گیا تھا لیکن یہ واقعہ ہے کہ ''میزان الصرف'' اور ''صرف میر'' و ''نحو میر'' وغیرہ کے ذریعے ہمارے پرانے طرز کے مدرسوں میں عربی صرف ونحو کی ابتدائی تعلیم کا جو مشکل طریقہ عموماً رائج ہے، میری سمجھ ابھی اس سے استفادہ کرنے کے قابل نہیں ہوئی تھی۔ اس کا نتیجہ ہے کہ ایسی حالت میں ہر پڑھا ہوا سبق درحقیقت میرے لئے بے پڑھا ہی رہتا تھا اور جب میری تعلیمی خامی دیکھ کر یا کسی دوسری وجہ سے میرے گھر والے مجھے ایک مکتب یا ایک مدرسے سے دوسرے کسی مکتب یا مدرسہ میں بھیجتے تھے تو وہاں کے استاد مجھے پھر پیچھے ہٹا دیتے تھے اور مجھے وہی پڑھی ہوئی کتاب پھر پڑھانی شروع کی جاتی تھی اور غضب یہ کہ پھر اسی طریقہ سے پڑھائی جاتی تھی جس سے میں اس عمر میں استفادہ کے قابل نہیں تھا۔ مجھے اب یاد بھی نہیں رہا کہ ان دنوں میں کتنی دفعہ میں نے کون کون سی کتاب کہاں کہاں پڑھی۔ ہاں اتنا یاد ہے کہ ''میزان'' سے لے کر ''علم الصیغہ'' اور ''ہدایت النحو'' تک قریباً ہر کتاب ہی میں نے دو تین بار ضرور مختلف مکتبوں اور مدرسوں میں پڑھی ہے اور مجھے یاد نہیں کہ ان پڑھانے والے بزرگوں میں سے کسی نے مجھے اس طریقہ سے پڑھانے کی کوشش کی ہو جو طریقہ میری اس وقت کی عمر اور فہم کے مناسب ہو سکتا تھا اور جس کا میں متحمل ہو سکتا تھا۔

ایک تو وہ عمر ہی کھیل کود اور پڑھنے لکھنے کے کام سے جان چرانے کی تھی پھر تعلیم کے اس غلط طریقہ نے پڑھنے کی طرف سے دل اور بھی اچاٹ کر رکھا تھا اور مجھے خوب یاد ہے کہ گھر پہ اور مدرسہ میں پٹنے کے خوف کے سوا کوئی اور محرک اور داعیہ مدرسہ جانے اور سبق پڑھنے کے لئے گویا تھا ہی نہیں۔ افسوس ہے کہ اس غیر شعوری تعلیم میں اس طرح میرے پانچ، چھ برس ضائع ہوئے۔

اس کے بعد میں ایک نئے استاد کی خدمت میں پہنچایا گیا۔ انہوں نے میری حالت جانچنے کے بعد مجھ سے فرمایا کہ اگر خود تمہارا ارادہ پڑھنے کا ہو تو ہم تم کو از سر نو پڑھائیں گے لیکن تمہارا وقت زیادہ خراب نہیں ہو گا چنانچہ انہوں نے پڑھانا شروع کیا اور چونکہ

ان کا طریقہ تعلیم صحیح تھا نیز عمر کے ساتھ میری سمجھ کا درجہ بھی بڑھ گیا اس لئے اب جو کچھ وہ پڑھاتے اور بتاتے وہ بحمد للہ اچھی طرح ذہن کی گرفت میں آجاتا تھا جس کی وجہ سے سبق کی بہت زیادہ مقدار بھی طبیعت پر بار نہیں ہوتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو کام پچھلے پانچ برس میں نہیں ہوا تھا وہ بحمد للہ یہاں پانچ چھ مہینے سے بھی کچھ کم ہی میں ہو گیا اور اب خود اپنی طبیعت بھی پڑھنے کے لئے کھل گئی۔۔۔ایک سال سے کچھ ہی زیادہ مدت میں صرف میں فصول اکبری اور نحو میں کافیہ اور منطق میں مرقات تک کی کتابیں میں نے پڑھ لیں۔ اس کے بعد سنبھل کے مشہور درسی عالم حضرت مولانا کریم بخش صاحب (۱۳۶۱ھ) کی نگرانی اور خدمت میں دے کر میں مئو (ضلع اعظم گڑھ) بھیج دیا گیا۔ جہاں کے ایک مدرسہ میں مولانا موصوف صدر مدرس تھے۔ میں پورے تین سال اس مدرسہ کا طالب علم رہا اور ان تین سالوں میں درسی متوسطات قریب قریب پوری ہو گئیں۔ جہاں تک یاد ہے غالباً میں نے میر زاہد رسالہ مع حواشی غلام یحیٰ، شرح ہدایۃ، الحکمۃ للمیبذی، حسامی، شرح عقائد نسفی، دیوان متنبی تک کی درسی کتابیں ان تین سالوں میں اسی مدرسہ میں پڑھیں۔ حسن اتفاق سے یہاں مجھے دو تین ساتھی ایسے مل گئے جو بڑی محنت سے پڑھتے تھے۔ انہیں دیکھ کر مجھے بھی محنت کا شوق ہوا اور اس جذبۂ مسابقت کا نتیجہ یہ ہوا کہ بسا اوقات رات کے دو تین بجے تک میں اپنی زیر درس کتابوں کے مذاکرہ یا مطالعہ میں مشغول رہتا تھا۔

اس کے بعد استاذی حضرت مولانا کریم بخش صاحب مرحوم وطن عزیز سنبھل ہی کے ایک مدرسے میں صدر مدرس ہو کر وہیں رہ گئے۔ میں بھی اس سال وہیں رہا اور اس تمام سال میں صرف معقول کی بقیہ درسی (اور بعض غیر درسی بھی) کتابیں پڑھیں یعنی حمد للہ، قاضی مبارک،، بحرالعلوم، شرح سلم، میر زاہد، ملا جلال، اس کا حاشیہ، بحر العلوم، صدرہ، شمس بازغہ، خیالی، میر زاہد امور عامہ، توضیح تلویح، اس کے علاوہ دینیات میں اس سال جلالین کے صرف ابتدائی چند پارے بھی پڑھے، چونکہ حضرت استاذ مرحوم کی مجھ پر خاص عنایات تھیں اور ان معقولی کتابوں کے درس میں انہیں خاص امتیاز حاصل تھا اور میں بھی اس زمانہ میں واقعی ''طالب علم'' بنا ہوا تھا یعنی مطالعہ وغیرہ میں بہت محنت صرف کرتا تھا اس لئے ان ''معقولات'' میں مجھے امتیاز حاصل تھا۔ یہاں تک کہ شمس بازغہ اور میر زاہد امور عامہ کے تو غالباً دو ہی چار سبق پڑھ کر حضرت استاذ کو زحمت دینے

کی ضرورت بھی نہیں سمجھی اور خود ہی ان دونوں کتابوں کو اس طرح دیکھ ڈالا کہ چند مہینوں کے بعد جب دارالعلوم دیو بند جانا ہوا تو داخلہ کے امتحان میں بھی ان دونوں کتابوں کو غالباً میں نے لکھایا تھا۔''(18)

آپ کے صاحبزادے محمد حسان نعمانی حفظ قرآن کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''انہوں نے با قاعدہ قرآن کریم حفظ نہیں کیا تھا لیکن پچاس پچپن سال کی عمر کے بعد جب بھائی صاحب مدظلہ نے الفرقان کی ادارتی ذمہ داری پوری طرح سنبھال لی تو انہوں نے قرآن کریم حفظ کرنے کا ارادہ کیا اور اپنی تمام مصروفیات کے باوجود بائیس پارے حفظ کر لئے پھر انہیں احساس ہوا کہ جو کچھ یاد کیا ہے اس کو یاد رکھنا مشکل ہو رہا ہے تو اسی کو یاد رکھنے کی کوشش کرتے رہے۔ تلاوت کے اوقات کے علاوہ اکثر نفل نمازوں اور خاص طور پر اوابین میں اسکو برابر دہراتے رہے۔''(19)

دارالعلوم دیو بند میں داخلہ۔

''مولانا نعمانی ۲۳ شوال ۱۳۴۳ھ کو دارالعلوم دیو بند میں حاضر ہوئے (جب کہ ان کی عمر ۱۹ سال تھی) ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مدرسہ الشرعیہ سنبھل سے معقولات کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے دیو بند پہنچے تھے۔ امتحان داخلہ دینے کے لئے جن کتابوں کے نام درج ہیں، ان میں قاضی مبارک، امور عامہ، صدرا، توضیح وغیرہ شامل ہیں۔ ممتحن نے ان کتابوں میں کامیابی کے نمبرات دے کر انہیں مشکوٰۃ شریف کی جماعت میں داخل کیا۔ پورے سال وہ انہماک کے ساتھ تعلیم حاصل کرتے رہے اور امتحان سالانہ میں انہوں نے مندرجہ ذیل نمبرات حاصل کئے: (یہاں یہ واضح رہے کہ دارالعلوم میں نمبروں کی زیادہ سے زیادہ مقررہ حد ۵۰ ہے لیکن پرچہ اگر بہت اچھا حل ہو گیا ہو تو یہ روایت ہے کہ ممتحن کچھ نمبر بڑھا دیتا ہے)

۱۔مشکوٰۃ شریف	۵۱
۲۔ھدایہ اخیرین	۵۱
۳۔جلالین شریف	۵۰
۴۔دیوان حماسہ	۵۰
۵۔سبعہ معلقہ	۴۶
۶۔شرح نخبۃ الفکر	۴۴

۷۔سراجی	۴۳

۱۳۴۴ھ کے سالانہ امتحان میں نمایاں کامیابی کے بعد وہ ۱۳۴۵ھ میں دورۂ حدیث میں داخل ہوئے۔یہ سال حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ کی صدارت کا آخری سال تھا۔مولانا نعمانیؒ نے پورے سال تمام باکمال اساتذہ سے استفادہ کیا اوراس سال انہوں نے دورۂ حدیث میں امتیازی نمبرات حاصل کئے۔پوری جماعت میں اول قرار دیئے گئے۔دورۂ حدیث کے نمبرات کی تفصیل یہ ہے:

۱۔مسلم شریف	۵۳
۲۔بخاری شریف	۵۱
۳۔ابوداوٗد شریف	۵۱
۴۔ترمذی شریف	۵۱
۵۔موطا امام مالک	۵۱
۶۔نسائی شریف	۵۰
۷۔طحاوی شریف	۵۰
۸۔موطا امام محمد	۵۰
۹۔شمائل ترمذی شریف	۴۹
۱۰۔بیضاوی شریف	۴۸
۱۱۔ابن ماجہ شریف	۴۵ ”(20)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں۔

”۱۳۴۳ھ میں علوم دین،فقہ اور حدیث وتفسیر کی آخری اور تکمیلی تعلیم کے لئے مجھے دارالعلوم دیوبند جانا نصیب ہوگیا،جو ہندوستان ہی نہیں پورے عالم اسلام میں اس وقت ان علوم کی تدریس وتعلیم کا عظیم ترین مرکز تھااور جہاں ان علوم کے وہ ماہر اساتذہ جمع تھے جو اپنے فن میں امتیاز وکمال رکھتے تھے اور ساتھ ہی صلاح وتقویٰ میں اسلاف کا نمونہ تھے اور یہ اللہ کا میرے اوپر بہت ہی خصوصی انعام واحسان تھا ورنہ میرے والد

ماجد جس تصوف کی لائن سے تعلق رکھنے کی وجہ سے صوفی کہلاتے تھے اور جن صوفیوں کی صحبت سے وہ متاثر ہوئے تھے وہ اگر چہ بظاہر مخلص مگر غلط عقیدوں کے لوگ تھے۔اس لئے علمائے دیو بند سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا بلکہ بعد تھا مگر نہ معلوم کیسے اللہ نے میرے والد ماجد کے دل میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ حدیث شریف دیو بند والے ہی اچھی پڑھاتے ہیں اور ان کے گیارویں شریف، بارویں شریف اور عرسوں کی محفلوں والے یاران طریقت کو جب اس بات کا پتہ چلا کہ صوفی جی کا لڑکا دیو بند پڑھنے جارہا ہے اور انہوں نے کچھ کہا سنا کہ یہ کیا غضب ہو رہا ہے تو والد ماجد نے فرمادیا، کہ مجھے اطمینان ہے کہ وہ رہے گا میرے ہی راستہ پر۔الغرض انہوں نے اپنی رائے نہیں بدلی اور شوال ۱۳۴۳ھ میں دار العلوم دیو بند میں داخل ہو گیا۔'' (21)

مزید لکھتے ہیں۔

''دار العلوم میں میری طالب علمی کا دور دو سال ۱۳۴۳ھ تا ۱۳۴۵ھ رہا۔ یہ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کی صدارت تدریس کا آخری دور تھا۔اللہ تعالٰی نے اپنے خاص کرم سے اساتذہ کی قدر اور استفادہ کی توفیق بھی بخشی۔حضرت استاذ کشمیری قدس سرہ نے ایک دن درس میں بڑی خوشی کے ساتھ فرمایا تھا کہ ۱۷ سال کے بعد دورۂ حدیث کی جماعت میں اتنے اچھے طلبہ اس سال جمع ہوئے ہیں۔

تعلیمی سال کے خاتمے پر جب معمول کے مطابق سالانہ امتحان ہوا تو اس عاجز نے بخاری شریف اور ترمذی شریف سے متعلق سوالات کے جوابات اس طرح لکھے کہ ہر سوال کے جواب میں ایک رسالہ لکھا اور اس کا نام بھی رکھ دیا، نتیجہ میں بھی امتیاز رہا۔

دورۂ حدیث کا یہ پورا سال اس طرح گذرا تھا کہ دن رات کے اکثر اوقات میں حدیث شریف کی کتابوں ہی سے اشتغال رہتا تھا۔

علم حدیث سے جو مناسبت اس زمانہ میں حاصل ہوئی تھی وہ اللہ تعالٰی کی بہت ہی بڑی نعمت تھی پھر اس وقت سے اب تک حدیث پاک سے اشتغال اور اس کی خدمت کا شغل کسی نہ کسی شکل میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے برابر نصیب ہے۔معارف الحدیث کی تالیف بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔'' (22)

مولانا مرغوب الرحمٰن رحمہ اللہ مہتمم دار العلوم دیو بند لکھتے ہیں۔

''حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ ہماری معلومات کی حد تک سعادت سے ہمکنار انہیں

توفیق یافتہ انسانوں میں تھے جنہوں نے ہمیشہ حق وصداقت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا اور ان کی زندگی اسی محور کے ارد گرد گھومتی رہی۔ دارالعلوم دیو بند سے ان کے ابتدائی اور طالب علمانہ تعلق میں بھی توفیق ایزدی کی یہی روح کارفرما نظر آتی ہے کہ ان کے والد مرحوم جناب صوفی احمد حسین صاحب ذوق ومشرب کے اعتبار سے اہل دیو بند سے قریب نہیں تھے لیکن اس کو توفیق خداوندی ہی کہا جائے گا کہ انہوں نے اس اختلاف کے باوجود اپنے فرزند کو حدیث پاک کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے دیو بند بھیجنے کا فیصلہ کیا اور اس طرح مولانا نعمانیؒ کو خداوند قدوس نے طالب علمی ہی کے زمانہ سے اولئک الذین ھدٰھم اللہ کے انعام کا مستحق بنادیا، پھر یہ کہ اس تعلق نے ان کے والد مرحوم کے ذوق ومشرب کو بھی بڑی حد تک تبدیل کردیا۔'' (23)

فصل سوم: مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے معروف اساتذہ کرام کا تذکرہ۔

دارالعلوم دیو بند کے اساتذہ اور ماحول۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں۔

''یہ عاجز شوال ۴۳ھ میں ایک طالب علم کی حیثیت سے دارالعلوم دیو بند میں داخل ہوا تھا۔ اس سال مشکوٰۃ اور ہدایہ اخیرین وغیرہ وہ کتابیں پڑھیں جن کا دورۂ حدیث سے پہلے پڑھنا ضروری تھا اور ابھی تک میں نے نہیں پڑھی تھیں۔

مشکوٰۃ شریف حضرت مولانا سراج احمد صاحب رشیدی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تھی۔ اس کا سبق دو گھنٹے مسلسل ہوتا تھا۔ مولانا ممدوح کو اپنے مرشد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ سے عشق تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ سبق میں کسی نہ کسی سلسلہ سے ان کا ذکر آجاتا، کبھی کبھی اس تذکرہ میں مولانا کی آنکھیں آبدیدہ اور آواز گلو گیر ہو جاتی اور ایک خاص درد بھرے انداز میں مولانا یہ مصرعہ پڑھتے۔

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دوکان اپنی بڑھا گئے۔

اسی زمانہ سے حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی عظمت ومحبت کا بیج دل میں پڑا۔

حضرت مولانا سراج احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آگیا تو ان کا ایک اور واقعہ بھی ذکر کرنے کا دل چاہتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دیو بند میں جب کسی کا انتقال ہوتا ہے تو جنازہ نماز کے لئے دارالعلوم میں لے آتے ہیں اور درسگاہوں میں اطلاع کردی جاتی ہے کہ نماز کے لئے جنازہ آیا ہوا ہے۔ اسی گھنٹے کے اختتام پر نماز جنازہ ہوگی۔ ایک

دن مشکوٰۃ شریف کا سبق ہو رہا تھا وہ پہلا ہی گھنٹہ تھا کہ جنازہ کی اطلاع آئی، پہلا گھنٹہ پورا ہو جانے پر حضرت مولانا نے ہم لوگوں سے فرمایا، چلو! جنازہ کی نماز پڑھ لیں، باقی سبق بعد میں ہوگا۔ اس جماعت میں قریباً ۳۵ طلباء ہوں گے، ان میں سے صرف چار یا پانچ وضو کرنے کے لئے تیزی سے مسجد کی طرف چلے، باقی سب مولانا کے پیچھے پیچھے نو درہ کے صحن میں آ گئے جہاں نماز جنازہ ہونے والی تھی۔۔۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت مولانا اور ہم سب پھر درس گاہ میں آ گئے۔ مولانا نے سبق شروع ہونے سے پہلے ہی بڑے درد اور تاثر کے ساتھ فرمایا! آج مجھے دیکھ کر بہت دکھ ہوا کہ آپ میں سے کچھ لوگ وضو کرنے کے لئے مسجد کی طرف دوڑے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ لوگ حدیث شریف کے سبق میں بغیر وضو بھی بیٹھ جاتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں کا طریقہ یہ نہیں تھا۔ حدیث کی برکتیں جب ہی حاصل ہوں گی جب اس کو ادب سے پڑھا جائے گا۔ حضرت مولانا کی اس بات کا سب ہی طلبہ پر بہت اثر ہوا اور میرا اندازہ ہے کہ پھر سب ہی وضو کا اہتمام کرنے لگے۔'' (24)

مولانا انور شاہ کشمیریؒ سے تلمذ:۔

مولانا انور شاہ کشمیریؒ سے شاگردی کے تعلق کی تفصیل بتاتے ہوئے مولانا منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں

''دوسرے سال یہ عاجز دورۂ حدیث میں شریک ہوا۔ یوں تو اس وقت دارالعلوم کے سبھی بڑے اساتذہ باکمال، اپنے اپنے فن کے امام اور صلاح وتقویٰ اور تعلق باللہ میں بھی صاحب مقام تھے لیکن ان میں اس وقت کے صدر المدرسین شیخ الحدیث استاذنا العلام حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کا خاص الخاص مقام تھا۔ جنہوں نے نہیں دیکھا وہ غالباً یہ تصور بھی نہ کر سکیں گے کہ چودہویں صدی ہجری اور بیسویں صدی عیسوی میں اس شان کا بھی کوئی متبحر عالم ہو سکتا ہے۔ ان کی علمی جلالت کا کچھ اندازہ ان کے معاصر اور قرین حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی اس شہادت سے کیا جا سکتا ہے جو انہوں نے اپنی جلیل القدر تصنیف فتح الملہم شرح صحیح مسلم میں ایک جگہ ان الفاظ میں ادا کی ہے:

الشیخ التقی النقی الذی لم تر العیون مثله و لم یر هو مثل نفسه و لو کان فی سالف الزمان لکان له شان فی طبقة اهل العلم عظیم.

وہ صاحب تقویٰ اور پاک سیرت شیخ جس کی کوئی دوسری مثال لوگوں کی آنکھوں نے

نہیں دیکھی اور خود اس نے بھی اپنی کوئی مثال نہیں دیکھی اور اگر وہ پچھلے دور میں ہوئے ہوتے تو طبقہ اہل علم میں ان کی بڑی عظیم شان ہوتی۔

اور حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کا یہ ملفوظ مشہور و معروف ہے اور غالباً حضرت کے ملفوظات کے کسی مجموعہ میں طبع ہو چکا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے بارے میں فرمایا:

''ان کا وجود اسلام کی حقانیت کی ایک روشن دلیل ہے''

جن اصحاب نظر نے حضرت ممدوح کو کچھ مدت تک قریب سے دیکھا ان سب کا احساس یہی ہوگا کہ وہ علوم دین کے بحر ذخار اور ورع وتقویٰ کے لحاظ سے ان خاصان خدا میں سے تھے جن کی منجانب اللہ منکرات و معصیات سے حفاظت فرمائی جاتی ہے۔۔۔صورت بھی اللہ تعالیٰ نے ایسی حسین وجمیل اور معصومانہ بنائی تھی کہ دیکھنے والے بے ساختہ کہہ اٹھیں ''ان ھذا الا ملک کریم'' (25)

مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ سے مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے اجازت حدیث حاصل کی، ان کے بارے میں مولانا خود تحریر کرتے ہیں۔

''حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ منصب اور عہدہ کے لحاظ سے دارالعلوم دیوبند کے مفتی اکبر (گویا بعد کی اصطلاح میں صدر مفتی) تھے۔ تفسیر یا حدیث کا کوئی سبق بھی پڑھا دیتے تھے۔ اسی کے ساتھ وہ نقش بندی مجددی طریقہ کے صاحب ارشاد شیخ بھی تھے۔ حضرت شاہ عبدالغنی مجددی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین دیوبندی علیہ الرحمہ کی رہنمائی اور تربیت میں راہ سلوک طے کی تھی اور ان ہی کے مجاز تھے۔۔ وہ دارالعلوم کے اس وقت کے اکابر واساتذہ میں سب سے بڑے بلکہ سب کے بڑے تھے اور سب ہی ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب میں جو کمال بہت ہی نمایاں تھا جس کو ہم جیسے صرف ظاہری آنکھیں رکھنے والے بھی دیکھتے ہیں وہ ان کی انتہائی بے نفسی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اللہ کے اس بندہ کے اندر وہ چیز ہے ہی نہیں جس کا نام نفس ہے۔۔۔۔ یہ بات عام طور سے مشہور تھی کہ گھروں کے جو کام نوکروں اور نوکرانیوں کے کرنے کے ہوتے ہیں، حضرت مفتی صاحب عندالضرورت وہ سب کام (جیسے گھر میں جھاڑو دینا، برتنوں کا دھونا، مانجھنا وغیرہ) یہ سب بے تکلف بلکہ بشاشت اور خوشی کے ساتھ کر لیتے ہیں۔ آس پڑوس کے غریب گھرانوں کا پیسے دو پیسے کا سودا بھی خرید کے بازار سے لا

دیتے ہیں۔ دوسروں کے پھٹے جوتے لے جا کر ان کی مرمت کرالاتے ہیں۔ راقم سطور شہادت دے سکتا ہے کہ بے نفسی کا کوئی ایسا دوسرا نمونہ اس عاجز نے نہیں دیکھا۔

دارالعلوم کے اس وقت کے اکابر و اساتذہ میں ایک امتیازی فضیلت حضرت مفتی صاحب کی یہ بھی تھی کہ ان کی سند سب سے عالی تھی۔ ان کو صحاح ستہ وغیرہ کتب حدیث کی اجازت حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل تھی اور وہ حدیث میں براہ راست حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ اگرچہ مشہور یہ بھی ہے کہ حضرت گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور ان سے بھی اجازت تھی لیکن راقم سطور نے اس بارے میں حضرت مفتی صاحب سے دریافت کیا تو حضرت نے بتلایا کہ حضرت مولانا گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے خود بیان فرمایا تھا کہ حدیث کی کتابیں میں نے حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے پڑھی ہیں اور ان ہی سے مجھے اجازت ہے۔ ہاں بچپن میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں اور ان کی مجالس میں حاضر ہوتا تھا۔ اس وقت میری عمر بہت کم تھی، چھوٹے بچوں کی طرح میں حضرت شاہ صاحبؒ کے گھر میں بھی آتا جاتا تھا۔

حضرت مفتی صاحب کے علوسند کے اس امتیاز کی وجہ سے دورۂ حدیث کے بہت سے طلبہ ان سے حدیث کی خصوصی سند اور اجازت بھی لیتے تھے۔ اس عاجز کو بھی یہ سعادت حاصل ہوئی۔ رجب ۱۳۴۵ھ میں جب دورۂ حدیث کی اکثر کتابیں ختم ہو چکی تھیں، یہ ناچیز اور بعض اور رفقاء درس حضرت کی مسجد ہی میں حاضر ہوئے اور اجازت وسند کی درخواست کی۔ حضرت نے شیوخ حدیث کے طریقہ پر صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، موطا امام مالک، موطا امام محمد، اور امام طحاوی کی شرح معانی الآثار کے اوائل ہم لوگوں سے سنے اور ان سب کتابوں کی اور ان کے ساتھ حصن حصین کی بھی اجازت مرحمت فرمائی۔ اسی صحبت میں حدیث مسلسل بالاولیہ بھی سنائی اور اس کی بھی اجازت دی، اگرچہ اس کی اولیت کا تسلسل دوسری صدی ہجری میں ختم ہو چکا ہے۔'' (26)

مولانا سید حسنؒ دیوبندی

مولانا محمد منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں۔

''دارالعلوم دیوبند کے میرے خاص متعارف اساتذہ میں ایک صاحب مولانا سید حسن صاحب دیوبندی مرحوم تھے۔ بڑے صالح عالم دین تھے۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے بیعت اور اصلاح وتربیت کا تعلق تھا۔ جلدی جلدی تھانہ بھون حاضر ہونے کا ان کا معمول تھا۔''(27)

مزید بیان کرتے ہیں۔

''میری تمام تر تعلیم ان مدارس میں ہوئی تھی جن کے اساتذہ دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ تھے اور آخر میں دو سال دارالعلوم ہی میں وہاں کے ان اکابر واساتذہ کے قدموں میں رہا تھا جو شریعت وطریقت کے جامع تھے۔ اس لئے ان کے اتباع وپیروی میں دین کے دوسرے شعبوں کی طرح تصوف وسلوک کے بارے میں بھی میرا خیال وفکر وہی تھا جو میں نے ان اکابر واساتذہ کا دیکھا اور سمجھا تھا۔''(28)

مولانا انورشاہ صاحبؒ سے بیعت

اپنی بیعت تصوف پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا نعمانیؒ رقمطراز ہیں۔

''اس زمانے میں دارالعلوم کے جو طلباء اپنی اصلاح کے لئے کسی صاحب ارشاد شیخ سے تعلق قائم کرنا چاہتے تھے وہ یا تو دیوبند ہی میں حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مجددی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق قائم کر لیتے تھے یا پھر حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تھانہ بھون جایا کرتے تھے۔ بعض طلباء سہارنپور جا کر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے بھی بیعت ہوتے تھے لیکن دارالعلوم دیوبند میں میرا جو آخری سال دورۂ حدیث کا تھا، اس سال کے شروع ہی میں حضرت سہارنپوری قدس سرہ مدینہ طیبہ ہجرت فرما گئے تھے اور کچھ ہی عرصہ کے بعد وہیں وصال ہو گیا۔

میں طالب علمی کے زمانہ میں خاص کر دارالعلوم کی طالب علمی کے دو سالوں میں صرف طالب علم تھا اور اوّل وآخر دلچسپی بس درس ومطالعہ سے تھی۔ جب سال کا اختتام قریب آیا جس کے بعد دارالعلوم میں قیام کا خاتمہ تھا تو میں نے بیعت کے مسئلہ پر سوچا۔ میں نے محسوس کیا کہ مجھے اپنے زندہ اکابر میں سب سے زیادہ عقیدت ومحبت حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ سے ہے اس لئے مجھے حضرت ہی سے بیعت کی درخواست کرنی چاہئے۔ چنانچہ میں نے اپنے حق میں یہی طے کیا۔

جس دن سالانہ امتحان کا آخری پرچہ ہوا، جس سے اگلے دن مجھے دیوبند سے وطن روانہ ہو جانا تھا، میں رات کو بعد عشاء حضرت کی خدمت میں دولت کدہ پر حاضر ہوا۔ حضرت اس وقت تنہا تھے، میں نے درخواست پیش کی، حضرت نے مجھے دوسرے اکابر کی طرف رجوع کرنے کے لئے فرمایا لیکن جب میں نے اس کے بعد بھی اپنی ہی بات عرض کی اور ایک درجہ میں نیاز مندانہ اصرار کیا تو قبول فرمالیا۔ توبہ کی تلقین اور تسبیحات اور شغل پاس انفاس کی تعلیم فرمائی مگر افسوس کے ساتھ اعتراف ہے کہ اس تعلق سے جتنا فائدہ اٹھانا چاہئے تھا اپنی نااہلی اور خام کاری کی وجہ سے نہیں اٹھا سکا اور چند ہی سال میں حضرت کا وصال ہو گیا۔''(29)

مولانا حسین علی مجددیؒ سے غیر رسمی تربیت

مولانا محمد منظور نعمانیؒ ایک مناظرہ کے دوران اپنی ایک ملاقات اور قرآن حکیم کے درس کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اس عاجز نے بعض اکابر سے سنا تھا کہ حضرت مولانا حسین علی صاحب کو فہم قرآن کا ایک بالکل نرالا طریقہ ہے۔.........مناظرہ سے فارغ ہونے کے بعد میں مولانا کی خدمت میں حاضر تھا۔ موقع مناسب دیکھ کر عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ حضرت قرآن مجید کی کوئی سورت مجھے پڑھا دیں۔ مولانا نے فوراً قرآن پاک منگوا لیا اور اسی ایک نشست میں ایک عجیب انداز سے سورۂ مومن سے سورۂ احقاف تک ان ساتوں سورتوں کا اجمالی درس دیا جو حٰمٓ سے شروع ہوئی ہیں۔ یہ پورے دو پارے ہوتے ہیں۔.........حضرت مولانا صاف اردو بولنے پہ قادر نہیں تھے۔ وہ بس تفسیری اشارے فرماتے جاتے اور پوری سورت کا حاصل اور اصل پیغام مختصر لفظوں میں بیان فرماتے تھے۔.........مولانا اپنے تفسیری اشارے کے ساتھ تفسیر کی کسی کتاب کا نام بھی لیتے تھے۔ فرماتے! مدارک، جلالین، بیضاوی، خازن، جو کچھ میں نے کہا وہ تفسیر کی اس کتاب میں ہے۔ اس سلسلہ کی آخری سورت احقاف کے مضامین پر کسی قدر تفصیل سے گفتگو فرمائی۔ اس طرح اس عاجز کو حضرت مولانا سے تلمذ کی بھی سعادت حاصل ہوئی۔''(30)

حضرت مولانا حسین احمد مدنی سے صحبتیں

مولانا محمد منظور نعمانیؒ اپنی آپ بیتی میں بیان کرتے ہیں۔

''پڑھنے کے لئے دارالعلوم چلا گیا۔ وہاں دو سال قیام رہا۔ حضرت مولانا مدنی کا مستقل قیام اس زمانہ میں غالباً سلہٹ رہتا تھا لیکن دیو بند بار بار تشریف لانا ہوتا تھا، چنانچہ میرے دوسالہ قیام کے زمانہ میں کئی بار تشریف آوری ہوئی اور قریباً ہر دفعہ طلبہ اور مدرسین کے اصرار سے آپ نے تقریر بھی فرمائی۔ اس زمانہ کی آپ کی تقریریں معلومات سے معمور ہوتی تھیں۔ خاص طور سے ہم طلباء ان سے بہت فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے بعض تقریریں قلمبند بھی کی تھیں۔ جس سال دارالعلوم دیو بند میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوا اسی سال ختم پر کچھ ایسے واقعات دارالعلوم میں پیش آئے کہ حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ کشمیری صاحب نے دارالعلوم چھوڑنے کا فیصلہ فرما لیا۔ اس وقت دارالعلوم کی صدارت تدریس کے لئے کوئی شخصیت حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی سے زیادہ موزوں نہیں ہوسکتی تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہوا کہ مولانا نے اس ذمہ داری کو قبول فرما لیا، چونکہ دارالعلوم میں میری طالب علمی کا دور حضرت مولانا کی تشریف آوری سے پہلے ختم ہو چکا تھا، اس لئے مجھے باضابطہ تلمذ کا شرف تو حاصل نہیں ہوا لیکن گذشتہ ۳۰۔۳۲ سال کی مدت میں دیو بند میں بھی اور باہر سفروں میں بھی خدمت میں حاضری اور رفاقت کی سعادت سینکڑوں بار حاصل ہوئی۔''(31)

مولانا محمد عبدالشکور فاروقی ایڈیٹر ہفتوار ''النجم''، لکھنؤ سے استفادہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مولانا نعمانی لکھتے ہیں۔

''مولانا نے دارالمبلغین قائم فرمایا اور اس کام کرنے کے لئے اس عاجز کو بھی بلایا، اس موقع پر بھی چند مہینے ایک نیاز مند رفیق کی حیثیت سے حضرت مولانا کے ساتھ رہنے اور کام کرنے کا اتفاق ہوا۔.......... اس کے بعد بھی بار بار سفر و حضر میں مولانا کے قریب بلکہ ساتھ رہنے کا اس قدر اتفاق ہوا کہ دور طالب علمی کے بعد اپنے مخصوص اساتذہ کے ساتھ بھی اتنا رہنے کا اتفاق غالباً نہ ہوا ہوگا۔''(32)

فصل چہارم مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی ذاتی گھریلو زندگی

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی ذاتی زندگی کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے آپ کے صاحبزادے محمد حسان نعمانی

رقمطراز ہیں۔

''میرے سن شعور کا آغاز مرکز والے مکان میں ہوا۔ ان دنوں مرکز کی رونق ہی دوسری تھی ۔حضرت مولانا علی میاں دامت برکاتہم کا قیام ان دنوں زیادہ تر مرکز کے بیرونی کمرے ہی میں رہتا تھا۔ اگرچہ ان کا گھر (جس میں ان کے برادر محترم حضرت ڈاکٹر عبدالعلی حسنیؒ اور خاندان کے دوسرے افراد رہتے تھے) مرکز سے چند قدم کے فاصلہ پر تھا لیکن وہ جب بھی لکھنؤ میں ہوتے ان کا قیام مرکز ہی میں ہوتا تھا۔ ابی کا جو وقت الفرقان اور تصنیف و تالیف کے کاموں میں صرف ہوتا وہ تو گھر میں ان کے کام کے کمرہ میں صرف ہوتا تھا اس کے علاوہ ان کا زیادہ تر وقت حضرت مولانا علی میاں مدظلہ کی معیت میں گذرتا تھا۔ وہ مولانا کے ساتھ ہی ناشتہ کرتے اور کھانا کھاتے ۔تمام نمازیں بھی ساتھ ہی پڑھتے تھے۔ جہاں تک یاد ہے ان دنوں مرکز سے متعلق اور وہاں آنے والے زیادہ تر لوگ دونوں بزرگوں کو چھوٹے مولانا اور بڑے مولانا کے نام ہی سے پکارتے تھے لیکن میں نے دونوں کو ایک دوسرے کی ایسی تکریم کرتے دیکھا ہے کہ جس سے کسی کی مجال نہیں تھی کہ ذرا سی آواز نکال سکے۔ ابی رحمہ اللہ کبھی سفر میں ہوں تو ممکن ہے کہ ہم نے اپنے بچپنے کی وجہ سے مولانا کے آرام کا خیال نہ کیا ہو ورنہ ہماری ذرا سی آواز نکلی اور سزا ملی۔ میں کھیل کا زیادہ شوقین تھا اس لئے سزا میرے حصے میں زیادہ آتی۔ اس وقت مرکز والی مسجد موجودہ مسجد کے مقابلے میں بہت ہی چھوٹی تھی لیکن ان دو بزرگوں کی برکت سے وہ عوام وخواص کی مرجع تھی۔ عصر حاضر کے اکابرین اور اہل اللہ میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جو وہاں نہ آیا ہو۔ خاص طور پر ماہ صیام اور اس کے آخری عشرہ میں تو اس کی روحانی فضا اپنے شباب پر ہوتی تھی، یقیناً خوش قسمت ہیں وہ جن کو وہ ماحول دیکھنا نصیب ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرکز کو بے لوث اور پر خلوص خدمت گذاروں کی ایک ٹیم بھی مہیا کی تھی۔ جن میں زیادہ تر تہجد گذار تھے اور ساتھ ہی ان بزرگوں پر پروانوں کی طرح نثار بھی۔ .... بھائی عبدالسلام صاحب اور مولوی محمد سلیم کے نام سرفہرست ہیں۔

مرکز والے مکان میں ابی رحمۃ اللہ علیہ کا پندرہ سال سے زیادہ قیام رہا۔ وہاں عام طور پر ان کی صحت اچھی رہی ۔اس کے بعد نظیر آباد والے مکان میں منتقل ہو گئے۔ پھر ۱۹۷۴ء میں دیوبند میں رکشا الٹ جانے کے نتیجے میں ایکسیڈنٹ کا شکار ہو کر عمر کے

آخری پچیس سال زیادہ تر معذوری کی حالت میں گذارے۔''(33)

جسمانی صحت کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے آپ کے صاحبزادے محمد حسان نعمانی لکھتے ہیں۔

''صحت کے دنوں میں ابی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی سخت جدوجہد، جفاکشی اور مشقتوں سے پرتھی، میرے شعور کے آغاز کے وقت ان کی عمر ۵۴۔۵۵ سال سے کم نہ ہوگی لیکن اس کے بعد ۱۶۔۱۷ سال تک وہ جوانوں سے زیادہ جوان تھے۔تکان کے تو لفظ ہی سے وہ ناآشنا تھے۔بڑے بڑے سپورٹس مین بھی جسمانی طور پر اتنے فٹ نہ ہوتے ہوں گے جتنے کہ وہ تھے۔''(34)

مزید لکھتے ہیں کہ۔

''آواز اس قدر زوردار تھی کہ خود بتاتے تھے کہ جب لاؤڈ اسپیکر عام نہیں ہوئے تھے، دس دس ہزار کے مجمع تک ان کی آواز آسانی سے پہنچ جاتی تھی۔پھر معذوریاں آئیں تو وہ جسمانی حد تک محدود رہیں۔دل ودماغ آخر تک جوان رہے۔یاداشت بلا کی تھی۔برسوں پہلے کی باتیں انہیں الفاظ میں سنا دیا کرتے تھے جن الفاظ میں خود کہی یا سنی تھیں۔''(35)

مولانا نعمانی کے صاحبزادے محمد حسان نعمانی ان کی گھریلو مصروفیات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''انہوں نے اپنے تمام اعمال وافعال کو عبادت بنا دیا تھا۔ان کے یہاں نہ تو اوراد و وظائف کی کثرت ملتی ہے نہ نوافل کی۔..........ان کے معمولات میں کوئی ایسا عمل نظر نہیں آتا جو عام آدمی کے لئے مشکل یا دشوار ہو۔انہوں نے اپنے عمل سے دین کے ''یسر'' ہونے کو ثابت کر دکھایا۔جب تک صحت رہی گھر کا سودا سلف لانے میں کبھی نہ ہچکچائے۔اپنی ڈاک خود نمٹاتے اور زکوٰۃ وذاتی رقوم کے ایک ایک پیسے کا حساب خود رکھتے۔وقت کی قدر ان کے یہاں جیسی تھی وہ بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ایک منٹ بھی ضائع کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔بلا وجہ لوگوں سے ملاقات انہیں پسند نہ تھی۔کسی دینی فائدے کے لئے لوگ بیٹھیں تو بہت مبارک ورنہ کسی کا بیٹھنا انہیں اچھا نہ لگتا۔اسی وجہ سے ان کے پاس حواریوں کا جمگھٹ بھی نہ لگ سکا۔''(36)

مولانا نعمانیؒ کی طبیعت میں اعتدال پسندی کس حد تک تھی، اس پہ اظہار خیال کرتے ہوئے مزید بیان کرتے ہیں۔

''طبیعت میں احتیاط اور احساس ذمہ داری ہر معاملہ میں تھا۔خطوط لکھاتے تو الفاظ

انتہائی نپے تلے ہوتے۔اگر کاتب سننے میں غلطی کے باعث یا اپنی فہم کے مطابق جانے انجانے میں الفاظ کی ترتیب میں ردوبدل کردیتا تو جب دستخط کرنے کے لئے خط پر نظر ڈالتے تو وہاں آکر فوراً رک جاتے اور اس کی اصلاح کراتے، اگرچہ ہمارے خیال میں اس لفظ کی تقدیم یا تاخیر سے جملہ کے مفہوم میں کوئی فرق نہیں پڑ رہا ہوتا لیکن ایسا لگتا کہ ان کے نزدیک عظیم فرق ہوگیا ہو۔''(37)

محمد حسان نعمانی ؒ ایک واقعے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ان کی زندگی کے پہلوؤں کو اس انداز سے اجاگر کرتے ہیں، لکھتے ہیں۔

''ان کے کسی نہ کسی فعل سے ان کے کمال احتیاط کا ہمیں روز مشاہدہ ہوتا۔ بلا مبالغہ سینکڑوں واقعات اس بابت ذہن میں ہیں لیکن ایک واقعہ ذکر کرنا چاہتا ہوں جو ان کے طرز عمل کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔

ایک مرتبہ کوئی اوستھی صاحب (اس وقت ان کا پورا نام یاد نہیں) ایم، ایل، سی کا الیکشن لڑ رہے تھے۔انہوں نے چاہا کہ مسلم گریجویٹ ووٹرس کی حمایت حاصل کرنے کے لئے ایک اپیل شائع کی جائے۔اس سلسلے میں انہوں نے ہمارے گھر کے ایک بچہ سے رابطہ قائم کیا، جو ان کے بیٹے کے دوست تھے۔اس بچے کی ہمت ابی سے اس اپیل پر دستخط لینے کی نہ ہوسکی تو اس نے خاموشی سے اس پر ابی کے دستخط کر دیئے۔ جب یہ اپیل مقامی روزنامے ''قومی آواز'' میں شائع ہوئی اور اس پر ابی رحمہ اللہ کی نظر پڑی تو انہوں نے فوراً اس سلسلے میں ایک تردیدی بیان اشاعت کے لئے قومی آواز کو بھیج دیا۔اس کا علم کسی طرح اوستھی صاحب کو ہوگیا تو انہوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ ابی رحمہ اللہ علیہ اپنے تردیدی بیان کی اشاعت پر زور نہ دیں کیونکہ اس سے ان کا الیکشن کالعدم ہوسکتا تھا۔ان کے لڑکے نے تو رو رو کر محلّہ سر پر اٹھالیا نیز ہمارے اس عزیز نے اپنی سی کوشش کرلی لیکن ان کے یہاں یہ بات جو عام طور پر لوگوں کے یہاں کوئی اہمیت نہیں رکھتی، اتنی زیادہ اہمیت رکھتی تھی کہ وہ کسی طرح اپنے تردیدی بیان کی اشاعت روکنے پہ راضی نہ ہوئے اور اپنے گھر کے بچے کی پردہ پوشی کا خیال بھی انہیں اس پر راضی نہ کرسکا۔انہوں نے نہ صرف قومی آواز کے ایڈیٹر کو فون کر کے اسی تردیدی بیان کی اشاعت کی تاکید کی بلکہ بعض دوسرے اخبارات کو بھی اپنا بیان اسی وقت میرے ذریعہ بھیجا۔ان کا فرمانا تھا ''یہ معاملہ شہادت کا ہے اور قیامت میں اس کے بارے میں

جواب دہی کرنی ہوگی۔ میں ایک ایسے شخص کے بارے میں گواہی کیسے دے سکتا ہوں جسے میں جانتا نہیں ہوں۔'' (38)

محمد حسان نعمانی مولانا نعمانیؒ کی سچائی پسندی اور بے باکی پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''جرات کے وصف سے بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو پوری طرح آراستہ کیا تھا۔ کیسے بھی حالات ہوں ان کو کبھی خوف زدہ یا پریشان نہیں دیکھا۔ ۴۷ء کے سخت مسلم مخالف حالات اور فرقہ وارانہ فضا میں انہوں نے جرات کے نمونے پیش کئے۔ اپنی کتاب ''انسانیت زندہ ہے'' میں انہوں نے چار اہم واقعات نقل کئے ہیں وہ پڑھنے کے لائق ہیں۔ فتنوں کے رد کے سلسلے میں مخالفین نے بارہا انہیں جان سے مارنے کی دھمکیاں دیں لیکن وہ ان سے خوف زدہ نہیں ہوئے۔ مناظروں کے دور میں اس طرح کی دھمکیوں کے جواب میں انہوں نے لکھا۔

''او صداقت کے دشمن! محمد منظور نعمانیؒ فانی ہے اس کو فنا کیا جا سکتا ہے مگر خدا کا مقدس دین غیر فانی ہے اس کی خدمت بھی غیر فانی ہے اس کو کوئی نہیں مٹا سکتا۔ تاریخ عالم شاہد ہے کہ جس نے اس کو مٹانے کا ارادہ کیا تو خود صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔ اگر بالفرض مجھے اس سلسلے میں موت آئی تو موت ہی میرے کام کے بقا و دوام کی ضامن ہو گی۔'' (39)

عبادت و ریاضت کے بارے میں ان کی ذاتی زندگی پر اظہار خیال کرتے ہوئے محمد حسان نعمانی لکھتے ہیں۔

''ابی علیہ الرحمۃ فرض نمازیں ہمیشہ باجماعت ہی پڑھتے تھے اور جماعت کو نماز کی پابندی کا بہترین نسخہ بتاتے تھے۔ فرماتے تھے کہ جو جماعت کی پابندی کرنا چاہتا ہے وہ تکبیر تحریمہ میں پہنچنے کی عادت ڈالے۔ ممکن ہے کبھی تکبیر تحریمہ چھوٹ جائے لیکن ان شاء اللہ جماعت اسے ضرور ملے گی اور جو نماز کی پابندی کرنا چاہتا ہے وہ جماعت کی پابندی کا خیال کرے اس طرح ہو سکتا ہے کہ کسی وقت اس کی جماعت چھوٹ جائے لیکن ان شاء اللہ اس کی نماز نہیں چھوٹے گی۔ .... اس سلسلے میں ان کا ذاتی عمل یہ دیکھا ہے کہ جب معذوری کی وجہ سے مسجد جانے کے قابل نہ رہے تو بھی اپنی امکانی کوشش سے ہر نماز جماعت سے ہی ادا کی۔ جماعت کی خاطر نماز کو مؤخر یا مقدم بھی فرما دیتے اور کبھی جمع بین الصلاتین بھی کرتے۔ گھر میں کوئی بڑا نہ ہوتا تو گھر کے کسی بچے ہی کو شریک کر لیتے لیکن باجماعت ہی ادا کرتے۔ جب امامت فرماتے تھے تو مقتدیوں کا

بے حد خیال کرتے تھے اور اکثر مختصر ہی نماز پڑھاتے تھے۔ نماز میں استحضار کا بے حد خیال رہتا تھا۔ جہری نماز میں اکثر و بیشتر دیکھا گیا کہ جب بھی آیات موعظت و موھبت آ جاتیں، آواز بھرا جاتی اور گریہ طاری ہو جاتا۔ خاص طور پر نیت کے وقت استحضار کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ تکبیر کہہ کر نیت باندھ لی اور پھر نیت توڑ کر مقتدیوں سے دوبارہ نیت باندھنے کو کہا۔ بعد میں کسی کے معلوم کرنے پر بتایا کہ نیت کے وقت استحضار نہیں تھا۔ فرماتے تھے کہ نیت کے لئے عقد اللسان شرط نہیں استحضار شرط ہے کہ اس کے بغیر نیت کا اعتبار نہیں۔'' (40)

مزید لکھتے ہیں۔

''ان کی اکثر نفل نمازیں بہت طویل ہوتیں تھیں۔ کسی بھی آیت یا دعائیہ کلمہ کو بار بار پڑھتے۔ ایسا لگتا تھا کہ جب تک دل کی کوئی خاص کیفیت نہ ہو جائے وہ اس سے آگے بڑھنا ہی نہیں چاہتے ہوں۔ .... بعض دفعہ قعدہ میں اللھم انی ظلمت نفسی (صرف ان الفاظ کو) درجنوں بار دھراتے سنا۔ .... خاص طور پر تہجد کی نماز میں جو کیفیت ہوتی تھی وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس میں گریہ کا زبردست غلبہ ہوتا تھا۔ سجدوں میں ماثورہ دعاؤں کی کثرت اور ان کی ادائیگی کا خاص انداز، ایک بندہ کا اپنے رب سے بلک بلک کر سوال کرنا یہ ایک عجیب و غریب روح پرور منظر ہوتا تھا۔ .... چونکہ یہ نماز بالکل تنہائی میں ہوتی تھی اس لئے اس وقت ''اخفاء'' کے سارے پردے اٹھ جاتے تھے اور صحیح معنوں میں ان کی اصل شخصیت سامنے آتی تھی۔ .... تہجد کی نماز کے بعد جہری ذکر کا معمول تھا۔ اندازاً ایک ڈیڑھ گھنٹہ کا وقت اس میں ضرور لگتا ہو گا۔ ہم لوگوں کو صاف معلوم ہوتا تھا کہ اس ذکر سے وہ کسی خاص قسم کی لذت سے ہمکنار ہو رہے ہیں۔ اس وقت کے ان کے سرور کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی۔ .... اپنے بچپن میں انہیں کثرت سے روزے رکھتے ہوئے دیکھا۔ خاص طور پہ ''معارف الحدیث'' کی تالیف کے دنوں میں یا الفرقان کے لئے کسی اہم مضمون کی تصنیف کے دوران تو روزے کا معمول ہی تھا۔ ماہ مبارک میں وہ سحری بالکل آخر وقت میں کھاتے بلکہ اکثر فجر کی اذان شروع ہوتی تو ان کی سحری شروع ہوتی۔ فرماتے تھے کہ لوگ احتیاط میں فجر کی اذان وقت سے قبل دے دیتے ہیں۔ سحری کے اوقات میں مساجد سے لاؤڈ سپیکروں سے روزہ داروں کو جگانے کے سلسلے میں جو شور کا سلسلہ ہوتا اس سے

بہت تکلیف محسوس کرتے۔ان کی نماز تہجد میں اس سے بہت خلل پڑتا۔اس شور شرابہ کو وہ بہت غلط سمجھتے تھے۔اس سلسلے میں الفرقان میں بھی انہوں نے کئی بار لکھا اور ایک دو دفعہ تو اس بابت اپیل چھپوا کر تقسیم کروائی۔افطار میں عجلت فرماتے۔ بسا اوقات مطلع دیکھ کر روزہ افطار فرمالیتے۔''(41)

زکوۃ کی ادائیگی کے بارے میں بیان کرتے ہوئے محمد حسان نعمانی لکھتے ہیں۔

''زکوۃ کا وہ پورا حساب رکھتے تھے۔اپنی پیشگی زکوۃ ادا کرتے تھے اور ماہ مبارک آنے پر ایک ایک پیسے کا حساب لگا کر حساب بیباق کر دیتے۔ بہت سے عقیدت مند حضرات ان کے ذریعے اپنی زکوۃ کی ادائیگی کراتے تھے، وہ اس کا مکمل حساب الگ رکھتے۔ جب تک خود اس حال میں رہے خود لکھتے رہے۔ بعد میں یہ خدمت میرے حصے میں آئی۔''(42)

مولانا منظور نعمانیؒ ذاتی زندگی میں دعا سے خاص لگاؤ رکھتے تھے۔آپ کے صاحبزادے محمد حسان نعمانی لکھتے ہیں۔

''دعا سے انہیں خاص لگاؤ تھا۔اسی وجہ سے ''معارف الحدیث'' کی جلدوں میں جلد پنجم (جو کتاب الاذکار والدعوات پر مشتمل ہے) سے انہیں زیادہ تعلق نظر آتا ہے۔عام طور سے معارف کی اس جلد اور اپنی کتاب ''نماز کی حقیقت'' پڑھنے کے لئے بار بار توجہ دلاتے۔ ہر مشکل مسئلے اور پریشانی کا حل ان کے یہاں دعا اور نماز تھی۔ بیماریوں یا کسی بھی قسم کی تکالیف کے لئے ہمیشہ کوئی دعا پڑھنے کے لئے بتاتے۔آپریشن کے لئے Operation Theater جاتے وقت یا اللہ یا رحمان یا رحیم پڑھنے کی ہدایت فرماتے۔شدید درد گردہ اور بعض دوسرے سخت امراض میں انہوں نے اکثر لا الہ الا انت سبحنک انی کنت من الظالمین پڑھنے کی تاکید فرمائی۔کسی مریض کی حالت مایوس کن ہوتی تو متعلقین کو تلقین فرماتے کہ یا اللہ یا سلام کثرت سے پڑ ھیں۔خود ان کی طبیعت کئی مرتبہ زیادہ خراب ہوئی تو ہم لوگوں نے اس بابت ان کی تعلیم کو اپنایا اور وہ مایوس کن حالت سے باہر آ گئے۔''(43)

معاشرت و معاملات میں ان کے طرز عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ کے صاحبزادے محمد حسان نعمانی لکھتے ہیں۔

''معاشرت و معاملات میں ہدایات ربانی اور خواہشات نفسانی نیز احکام شریعت اور

دینوی مصلحت ومنفعت کے مابین کشمکش عبادات وغیرہ سے زیادہ ہوتی ہے۔اس لئے اللہ کی بندگی وفرمانبرداری اور شریعت رسول کی تابعداری کا جیسا امتحان اس میں ہوتا ہے کسی دوسرے میدان میں نہیں ہوتا۔.......... مجھے ابی رحمۃ اللہ علیہ کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ میں یہ گواہی دے سکتا ہوں کہ وہ معاشرت ومعاملات کے باب میں اللہ کے احکام اور شریعت رسول کی کامل تابعداری کرتے تھے، بلکہ اس کے تحت آنے والے زندگی کے ہر پہلو کو انہوں نے احکام شریعت کے مطابق ڈھال لیا تھا۔''(44)

مزید لکھتے ہیں۔

''اہل قرابت، ہمسایہ کمزور وحاجت مندوں کا انہیں بے حد خیال تھا۔نہ جانے ان کی کس کس طرح مدد فرماتے تھے۔مدد کا بھی ان کا عجیب طریقہ تھا۔وہ انتہائی خاموشی سے تو ہوتی ہی لیکن اس کی بھی کوشش کی جاتی کہ جس کی مدد کی جارہی ہے وہ اس کا عادی نہ ہوجائے۔''(45)

اولاد کی تربیت کے حوالے سے ان کے رویئے پہ بات کرتے ہوئے محمد حسان نعمانی لکھتے ہیں۔

''عادت ایسی پڑ گئی تھی کہ بعض اوقات اپنے برابر والوں یا عمر میں کچھ بڑوں کو بھی جھڑک بیٹھتے اور پھر خود مسکرا کر معذرت کر لیتے۔..........لیکن اولاد کے بارے میں وہ کافی سخت تھے، غالباً ان کی تربیت کے لئے سختی کو ضروری سمجھتے تھے۔ چاہتے تھے کہ اولاد زندگی کے ہر شعبے میں آداب اور شریعت کی پوری پابندی کرے اور وہ ظاہری طور پر بھی شریعت کے پورے پابند نظر آئیں اس لئے ان کے شرعی لباس کا بھی خیال رکھتے تھے اور اس میں کافی سختی بھی کیا کرتے تھے۔ہم لوگوں کو ہمیشہ پاجامہ پہناتے، پاجامہ ٹخنے سے نیچے کبھی نہیں ہوتا تھا۔ جب ہم ذرا بڑے ہوئے تو ہمیں بھی اپنے ساتھیوں کی طرح قمیص پہننے کو شوق ہوا۔عید کا موقعہ تھا ہمارے کپڑے ہمیشہ ابی سلواتے تھے اس بار ہم نے خود سلوا لئے۔عید سے ایک دن قبل کپڑے سل کر آئے تو ابی کی نظر ان پر پڑ گئی بس جلال ہی تو آ گیا۔کالر دار قمیص دیکھ کر قینچی منگائی اور اس کے کالرز کاٹ دیئے پھر ہماری سزا یہ ٹھہری کہ ہم کو وہی قمیص عید کے دن پہننی پڑی۔''(46)

مزید لکھتے ہیں۔

''ابی کو بچوں کا دوستوں میں بیٹھنا، کھیل کود میں وقت صرف کرنا بہت ناپسند تھا۔خاص

طور پر ترک نماز تو بالکل ہی برداشت نہیں کرتے تھے۔ بچوں کی غلطیوں پر وہ غصہ ہوتے اور غصہ میں ان کی اچھی مرمت بھی کر دیتے تھے البتہ غصے کے بعد ان کا عمل واقعی بیان کرنے کے قابل ہے۔ جب بھی زیادہ غصہ آتا تو اس کے فوراً بعد ہمارے رہائشی مکان سے متصل مسجد چلے جاتے اور وضو فرماتے۔ اکثر وضو کے بعد نفل پڑھتے اور دعا و استغفار کرتے۔'' (47)

معاشرتی زندگی میں اسراف اور فضول رسم و رواج کے مولانا محمد منظور نعمانیؒ سخت خلاف تھے۔ ان کی اس طبیعت کے بارے میں بیان کرتے ہوئے آپ کے صاحبزادے محمد حسان نعمانی لکھتے ہیں۔

''ابی علیہ الرحمۃ کو رسومات سے اور اسراف سے بہت نفرت تھی۔ انہوں نے اپنے بیٹے بیٹیوں کی شادیاں بہت سادہ انداز میں کیں۔ بڑے بھائی صاحبان کی شادیاں تو ہمارے سامنے نہیں ہوئیں لیکن بچپن میں ہم ان شادیوں کی سادگی کے بارے میں والدہ مرحومہ سے بہت کچھ سنا کرتے تھےالبتہ بہنوں کی شادیاں ہمارے سامنے ہوئیں۔ ہماری بڑی ہمشیرہ کا عقد ابی نے اپنے بھتیجے برادرم مولانا زکریا سے اور چھوٹی ہمشیرہ کا اپنے بھانجے برادرم نظیف الرحمٰن سنبھلی سے کیا۔ یہ شادیاں اسی طرح سادہ اور بے رسوم تھیں۔ ....ہم دو بھائیوں یعنی میرا اور مولوی سجاد میاں کا ولیمہ مشترک ہوا۔ ابی علیہ الرحمۃ بہت ہی کم لوگوں کو شرکت کی دعوت کی اجازت دے رہے تھے جبکہ ہم دونوں اور خاص طور پر برادر عزیز مولوی سجاد میاں کا حلقہ خاصا وسیع تھا۔ شاید ہم لوگوں کے خیال سے انہوں نے سختی نہیں کی جس کو ہم نے ان کی رضامندی سمجھا لیکن حقیقت اس وقت کھلی جب انہوں نے ولیمہ میں شرکت نہ کی اور کمرے میں مقفل ہو گئے۔'' (48)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا ایک خط ملاحظہ فرمائیں جو انہوں نے اپنے بیٹے حسان میاں کے نام تحریر کیا۔ جس میں ان کی خانگی زندگی کی جھلک نمایاں ہے۔

حسان میاں کے نام خط

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

عزیزمن حسان میاں! سلمکم اللہ تعالیٰ وعافاکم

سلام ورحمت!

جیسا کہ میں نے خط کے آخر میں لکھا ہے اس کو محفوظ رکھو اور بار بار تنہائیوں میں پڑھو۔

میں مہینوں غور وفکر کے بعد اپنا فرض سمجھ کر اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اور تم سے اچھی امید رکھتے ہوئے یہ سطریں لکھ رہا ہوں۔...... اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے کہ تم ابھی صاحب اولاد نہیں ہو۔...... رب کریم اپنے فضل وکرم سے تم کو صالح اولاد عطا فرمائے۔ جو دنیا وآخرت کے لحاظ سے تمہارے لئے خیر اور رحمت کا وسیلہ بنے۔

میرا اندازہ ہے کہ جو شخص صاحب اولاد نہیں ہوتا وہ اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتا کہ ماں باپ کو اولاد سے کیسا تعلق ہوتا ہے۔...... اپنی اولاد کے بارے میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان کو اللہ وہ بھی عطا فرمائے جو مجھ کو عطا نہیں ہوا۔ ان کی راحت سے دلی راحت و سکون اور ان کی تکلیف سے دلی تکلیف اور بے چینی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ تم کو محفوظ رکھے، جب کبھی تم درد گردہ کی تکلیف میں مبتلا ہو جاتے ہو تمہیں یا کسی کو اندازہ نہیں ہوسکتا کہ میرا حال کیا ہوتا ہے۔ صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ کر دعائیں کرتا ہوں اور جو کچھ بھی کر سکتا ہوں کرتا ہوں۔ صرف تمہارے ساتھ ہی نہیں تم سب بہن بھائیوں کے ساتھ یہی معاملہ ہے اور یہ بات بالکل فطری بات اور غیر اختیاری ہے۔

مرنے کے بعد جو کچھ ہونے والا ہے وہ میرے لئے بھی غیب ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اس کا ایسا یقین نصیب فرمایا ہے کہ اچھے برے اعمال کے جو نتائج اور ثواب وعذاب کی جو شکلیں قرآن پاک یا رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہیں ان کو آنکھوں سے دیکھتا ہوں۔

ذرا سوچو! اللہ تعالیٰ نے تم پر کیسے انعامات فرمائے ہیں۔ تم ایسے گھر میں پیدا ہوئے جہاں بقدر ضرورت بلکہ فراغت کے ساتھ دنیا بھی تھی اور اس کے فضل وکرم سے دین بھی۔ تمہاری والدہ مرحومہ ہمارے گھر آنے سے پہلے سے تہجد گذار تھیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر کچھ خاص صلاحتیں رکھی ہیں جو اللہ کی بڑی نعمتیں ہیں۔ سخت کوشش اور محنت اور مالی معاملات میں امانت وغیرہ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل، اپنے کرم سے بیوی ایسی عطا فرمائی جس میں میرے خیال میں وہ سب خوبیاں ہیں جو ہونی چاہئیں۔ وہ بفضلہٖ تعالیٰ نماز کے علاوہ تلاوت کی بھی پابند ہے۔ مجھے اس سے وہ سب راحتیں حاصل ہوتیں ہیں جو کوثر یا حمیرا سے ہوتی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وہ سب تمہیں نصیب فرمایا جو اس وقت تم کو نصیب ہے۔ اطمینان اور خوش حال زندگی کا سامنا، تم اللہ تعالیٰ کے ان سب انعامات کو یاد کر کے سوچو کہ تمہارا معاملہ اور رویہ اس

کریم کے ساتھ کیا ہے۔ میں دیکھتا ہوں اور رخسانہ کے ذریعہ بھی مجھے معلوم ہے کہ نماز تم قریباً پابندی سے پڑھتے ہو، یہ حال نماز نہ پڑھنے سے بلا شبہ بہتر ہے۔ لیکن جماعت کا ترک اور خدا کے گھر سے بے تعلقی یہ بہت خطرناک اور اللہ تعالیٰ کو بہت ناراض کرنے والا عمل ہے۔

یوں تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کس کا کتنا وقت باقی ہے لیکن مجھے شدت سے احساس ہے کہ میرا وقت اب زیادہ باقی نہیں ہے (اس لئے ضعف کے باوجود آج کل کام زیادہ کر رہا ہوں) چاہتا ہوں کہ شیعیت سے متعلق کام مکمل ہو جائے۔ بہر حال وقت معود کے قرب کے اس احساس کی وجہ سے دل میں شدید خواہش ہے کہ میرے سامنے ہی تمہارے اندر وہ تبدیلی آجائے جس سے آخرت کی بہتری کی امید ہے۔

کم سے کم صرف تین باتوں کا عزم کرلو۔

۱۔ مسجد سے تعلق: یعنی حتی الوسع جماعت کی پابندی۔

۲۔ دوسرے جو دینی شخصیتیں میری معذوری کی وجہ سے گھر پر آتی ہیں مثلاً حضرت مولانا علی میاں مدظلہ، حضرت مولانا صدیق احمد صاحب اور حافظ اقبال جیسے حضرات جو اس زمانے کے اہل اللہ میں سے ہیں اور وہ سب ہی حضرات جو دین کی نسبت سے میرے پاس آتے ہیں ان کے ساتھ حسن تعلق۔

۳۔ تیسرے دینی مجالس اور دینی خدمت کے سلسلوں سے کسی نہ کسی درجہ کا ربط وتعلق۔ ان میں سے کوئی بھی نہ محنت طلب کام ہے نہ کہیں آنے جانے کا۔...... قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا ہے جو شخص دنیا میں جن لوگوں سے خاص ربط وتعلق رکھے گا وہ آخرت میں انہیں کے ساتھ ہوگا۔

تم اس خط کو بار بار پڑھو اور اللہ تعالیٰ نے تم کو جو عزم وہمت کا جوہر دیا ہے اس سے کام لے کر فی الحال ان تین باتوں کا فیصلہ کرلو۔

والسلام

محمد منظور نعمانی .... یکم شعبان ۱۴۰۴ھ یوم جمعہ'' (49)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے صاحبزادے عتیق الرحمن سنبھلی لکھتے ہیں۔

'' تکلفات سے طبیعت کی دوری ہی کا نتیجہ تھا کہ اپنے گھر کے کام انہیں خود کرنے میں کوئی عار نہ تھی۔ اپنے گھر کے ہر طرح کے کام کے لئے وہ بازار جاسکتے تھے۔ گوشت لانا

ہو، سبزی ترکاری لانا ہو، کپڑا خریدنا ہو۔ غرض جو بھی گھر کی ضرورت ہو وہ بے تکلف اسے انجام دیتے تھے الا یہ کہ کوئی اور اسے انجام دینے کے لئے موجود ہو اور اللہ کا فضل تھا کہ اس نے دین کی فہم کے ساتھ امور دنیا کی سمجھ بھی بھر پور عطا فرمائی تھی۔ گھر کی ضروریات ہی کی طرح اپنے ذریعہ معاش، کتب خانہ، الفرقان کی مطبوعات کی تیاری کے سلسلہ میں جس کام کی بھی خود انجام دہی کا تقاضہ پیدا ہو جائے اسے بے تکلف خود انجام دے سکتے تھے۔ کتابت کی تصحیح تو اکثر خود کرتے ہی تھے ضرورت ہو تو پریس جا سکتے تھے۔ کاغذ کی خریداری کر سکتے تھے اور کاغذ دیکھتے تو بہر حال تھے کہ مناسب ہے یا نہیں۔

اس مزاج نے انہیں عمر کے اس آخری دور کے سوا جس میں معذورانہ مجبوری کی صورت پیدا ہو گئی تھی خدام سے ہمیشہ بے نیاز رکھا۔ سفر آئے دن تیار رہتا تھا مگر تن تنہا ہی کرتے تھے۔ محض خدمت یا معاونت کے نام سے کسی کو ساتھ لینے کا سوال نہ تھا بلکہ کوئی تعلق والا کسی اور عنوان سے از خود کسی سفر میں ساتھ ہو گیا اور دل میں یہ بھی سوچ لیا کہ راستہ میں خدمت کا بھی موقع ملے گا تو اسے محض مایوسی کا موقع ملا۔ چوھدری عبد المنان نام کے ایک صاحب (اللہ غریق رحمت کرے مرحوم ہو چکے ہیں) بہت محبت رکھتے تھے۔ گھر در کے بکھیڑوں سے بھی آزاد تھے۔ غالباً دیو بند سہارنپور کے ایک سفر میں اسی طرح ساتھ ہو گئے۔ واپس آکر بتانے لگے کہ بھئی کان پکڑے، خدمت کو سوچ کر گئے تھے الٹے مخدوم بن کر آئے ہیں۔ جس ضرورت کے موقع پر چاہا کہ اس کو انجام دیں، فرمایا کہ نہیں تم بیٹھو، میں زیادہ واقف ہوں کہ، مثلاً چائے اس اسٹیشن پر کہاں اچھی ملتی ہے۔ اس طرح وہ اپنے ساتھ الٹی ہماری بھی خدمت کرتے گئے اور کرتے آئے ہیں۔'' (50)

فصل پنجم: مولانا محمد منظور نعمانیؒ اپنی عادتوں اور باتوں کے آئینہ میں

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، صدر شعبہ تفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو، لکھتے ہیں۔

خورد نوازی:

''ہر بڑے میں یہ صفت بھی پائی جاتی ہے کہ وہ چھوٹوں کو نوازتے اور ان کی قدر و حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ مولانا نعمانیؒ موصوف میں یہ وصف راقم نے بدرجہ اتم پایا۔ اس

بارے میں ''جگ بیتی'' کے بجائے ''آپ بیتی'' سنانا ہی شائد زیادہ آسان بھی ہے اور کارآمد بھی۔..........راقم کو اپنی آمد لکھنو (۱۳۹۰ھ-۱۹۷۰ء) سے ہی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس سے قبل باوجود ہم وطنی کے کوئی ربط نہ تھا مگر ایسا محسوس ہوا کہ بہت قدیم زمانے سے ربط و تعلق رکھنے والے کسی نہایت شفیق مربی کی سر پرستی حاصل ہو گئی ہے۔ ایسے ایسے مفید مشورے دیئے جن سے اس نو عمر اور ناتجربہ کار ،نو وارد کو بڑی مدد اور رہنمائی حاصل ہوئی۔ احقر کو لکھنے پڑھنے کی تھوڑی بہت عادت بفضلہٖ تعالیٰ یہاں آنے سے پہلے سے تھی۔ کئی اہم مقالے (مثلاً رویت ہلال کا مسئلہ، جو بعد میں کتابی شکل میں آیا) شائع ہو چکے تھے۔ مولانا کے پاس علمی استفسارات پر مشتمل کوئی خط آتا تو عنایت فرمادیتے تاکہ اس کا جواب یہ حقیر لکھے اور جب تعمیل حکم کر دیتا تو اسے ''الفرقان'' میں دیتے اور اپنے خاص انداز میں داد بھی دیتے۔ کبھی کسی علمی فکری فتنہ کے سر ابھارنے کی انہیں خبر ملتی تو تفصیلات اور خطرات سے آگہی بخشتے ہوئے اس پر کچھ لکھنے کی فرمائش کرتے اور راقم اگر تعمیل کر دیتا تو اسے الفرقان میں شائع فرماتے۔ اس وقت حسن اتفاق سے ''الفرقان'' کی ادارت کی ذمہ داری برادرم محترم مولانا عتیق الرحمان سنبھلی زید مجدہ کے ہاتھ میں تھی۔ موصوف بھی احقر پر نہایت مہربان تھے (اور ہیں) ان کی مہربانی کی ہی یہ علامت تھی کہ اس زمانے میں ''الفرقان'' کا تقریباً پورا ایک شمارہ ''مسلم پرسنل لا'' پر راقم کے ایک مضمون کی نذر کر دیا تھا۔'' (51)

علمی رسوخ:۔

مولانا تقی الدین ندوی مظاہری، استاذ حدیث العین یونیورسٹی (ابوظہبی) لکھتے ہیں۔

''حضرت مولانا نعمانیؒ کا علامہ کشمیریؒ کے ارشد تلامذہ میں خصوصی مقام ہے۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد درس و تدریس کا مشغلہ رہا۔ مطالعہ کا شغف تھا۔ درسی و غیر درسی کتابوں میں جو اشکالات پیش آتے ان کے جوابات کو اہتمام سے نوٹ فرما لیا کرتے اور علامہ کشمیریؒ کی خدمت میں حاضری کے وقت پیش کرتے ۔شاہ صاحب کے جوابات بھی نوٹ فرما لیا کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے قوت حافظہ اور ذکاوت و ذہانت کی دولت سے بھی نوازا تھا۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ یہ سوالات حضرت الاستاذ کی خدمت میں میرا خصوصی ہدیہ ہوتے۔ ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ ترمذی شریف کی ایک عبارت پر اشکال واقع ہوا، اس کو نوٹ کر لیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی

خدمت میں حاضری کے وقت اس کو پیش کر دیا۔ حضرت شاہ صاحب ؒ نے فرمایا: مولوی صاحب! آپ کو یاد نہیں رہا، جس سال آپ دورے میں تھے مجھے خوب یاد ہے میں نے بتایا تھا کہ یہاں ترمذی کے نسخوں میں ایک غلطی واقع ہوگئی ہے لیکن لوگ سرسری گذر جاتے ہیں ان کو پتہ نہیں چلتا۔ ورنہ جو اشکال آپ کو پیش آیا ہے وہ انہیں بھی آنا چاہئے۔ یہ واقعہ دلیل ہے حضرت مولانا کے علمی رسوخ کی، جس کی شہادت ان کے استاد علامہ کشمیریؒ دے رہے ہیں۔ غرض حضرت مولانا نعمانیؒ نے کتابیں محنت سے پڑ مد اور پڑھائیں۔ اپنے اساتذہ بالخصوص علامہ کشمیریؒ کے تلمذ و تعلق نے ان کے اندر علمی رسوخ و کمال پیدا کر دیا تھا جو آئندہ ترقی کرتا رہا۔ ان کی تاسات سے یہ حقیقت بالکل عیاں ہے، بالخصوص ان کی کتاب معارف الحدیث خاص طور سے کتاب الایمان میں مشکل مقامات کو جس طرح حل کر دیا ہے اور آسان بنا دیا ہے وہ طلبہ و علماء سب کے لئے یکساں قابل مطالعہ و استفادہ ہے۔

ان کی ساری زندگی کے رفیق حضرت مولانا علی میاں مدظلہ نے ان کے علمی رسوخ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا: علمی رسوخ بہت اونچی چیز ہے اور ایک خاص امتیاز ہے۔ میں اللہ کے گھر میں بیٹھ کر شہادت دیتا ہوں کہ مولانا کو علم حدیث میں، تفسیر میں، علم کلام میں اور فرق محرفہ اور منحرفہ کے بارے میں جو وسیع معلومات تھیں ان سے جو غیر معمولی واقفیت تھی اور ان کی کمزوریوں اور ان سے پیدا ہونے والے خطرات کا جتنا صحیح اندازہ ان کو تھا، وہ ہندوستان کے مشاہیر علماء کو بھی حاصل نہیں۔'' (52)

حافظہ:

مولانا محمد زکریا سنبھلی، استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو، لکھتے ہیں۔

''۱۹۷۶ء میں احقر کا تقرر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بحیثیت مدرس ہوا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد مجھے ترمذی شریف پڑھانے کے لئے دی گئی۔ جتنی محنت و مطالعہ خود کر سکتا تھا کرتا تھا لیکن بہت سی جگہیں ایسی رہ جاتی تھیں جن میں تشنگی باقی رہتی۔ ایسے مقامات کے حل اور اپنی تشفی کے لئے عم محترم کی خدمت میں حاضر ہوتا اور اپنا اشکال عرض کرتا تھا۔ آپ کا حافظہ غیر معمولی تھا۔ بات سنتے ہی مسئلہ کی پوری وضاحت فرما دیتے۔ اکثر انداز یہ ہوتا تھا کہ ''بھئی! حضرت شاہ صاحبؒ تو اس بات کو اس طرح کہتے تھے'' انداز بیان اتنا سادہ ہوتا کہ مشکل سے مشکل مسئلہ نہایت سہل ہو جاتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ

کے حوالہ سے بعض ایسی باتیں آپ ذکر کرتے تھے جن کا احقر کو کسی شرح میں ذکر نہیں ملتا تھا۔''(53)

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں۔

''مولانا زبردست مناظر تھے۔ وہ فرق باطلہ اور فرق منحرفہ کی کتابوں سے بہت گہری واقفیت رکھتے تھے اوران کی بہت سی عبارتوں تک کے حافظ تھے۔ وہ اس طرح عبارت زبانی سناتے کہ جیسے دیکھ کر پڑھ رہے ہوں۔اس درجہ مولانا کا استحصار اور حافظہ قوی تھا کہ اس میں مولانا کا کوئی شریک نہیں۔''(54)

مجالس کی خصوصیت:۔

مولانا عتیق احمد قاسمی، استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنو لکھتے ہیں۔

''مولانا نعمانی مرحوم کی ہر مجلس بڑی علم آموز، معلومات افزا ہوتی تھی۔ان کی مجلس میں لایعنی باتوں کا گذر نہیں تھا۔حافظہ بڑا غضب کا تھا۔پیری اور معذوری کے عالم میں بھی ان کا حافظہ جوان اور تازہ تھا۔ساٹھ ستر سال پرانے واقعات اس طرح تفصیل اور تیقن کے ساتھ سناتے تھے گویا یہ ابھی کل کے واقعات ہوں۔ ماضی کے اوراق پلٹتے تو تاریخ کا دفتر کھل جاتا۔اپنے اساتذہ و اکابر کے علم وفضل، اخلاص وللّٰہیت، تواضع، بے نفسی کے واقعات بہت مزے لے لے کر سناتے۔تحریک آزادی، تحریک خلافت، لیگ و کانگریس کی کشمکش، جمعیۃ العلماء اور خاکسار تحریک کے بارے میں بہت سی وہ معلومات دیتے جو مدون تاریخ کے اوراق میں اب تک محفوظ نہ ہوسکیں، مولانا نعمانیؒ کے بیان کردہ واقعات وحقائق قلمبند کر لئے گئے ہوتے تو تاریخ وسوانح کا بڑا قیمتی اور نادر ذخیرہ ہوتا لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہوسکا اور بے شمار واقعات وحقائق مولانا کے سینے میں دفن ہوکر چلے گئے''(55)

غیر معمولی صبر وشکر:۔

مولانا عتیق احمد قاسمی، استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنو لکھتے ہیں۔

''حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے عمر کا خاصہ طویل حصہ جسمانی معذوریوں میں گذارا۔۱۹۷۴ء میں جب وہ مجلس شوریٰ میں شرکت کے لئے دارالعلوم دیو بند تشریف لے گئے تھے۔دیو بند میں رکشا سے گرنے کی وجہ سے ان کی کولہے کی

ہڈی کھسک گئی۔اس کے بعد موصوف تقریباً صاحب فراش ہی رہے۔آخری چند سال تو اس طرح گذرے کہ اٹھنا بیٹھنا کروٹ لینا سب کچھ دوسروں کے ہاتھوں ہوا کرتا تھا۔شدید تکلیفوں سے دوچار رہے۔سماعت، بصارت، گویائی سب بری طرح متاثر ہوئیں لیکن یادداشت اور دماغ برابر کام کرتے رہے۔ان تکلیفوں اور معذوریوں میں مولانا نعمانی ؒ کا صبر وشکر قابل رشک تھا۔کبھی حرف شکایت زبان پر لاتے نہیں سنا، زبان ذکر سے تر رہتی تھی اور اللہ کے بے پایاں انعامات یاد کرکے سراپا سپاس رہتے تھے۔ملاقات کرنے والوں سے حسن خاتمہ کی دعا کے لئے ضرور کہتے۔'' (56)

مولانا نعمانیؒ کے صاحبزادے عتیق الرحمن سنبھلی لکھتے ہیں۔

ایک نہ بھول سکنے والا واقعہ:۔

'' ایک چھوٹا سا واقعہ قابل ذکر ہے۔ایک جمعہ کا دن تھا، دیکھا کہ والد ماجد ایک صاحب کے پیچھے سائیکل کے کیریئر پر بیٹھ رہے ہیں۔کس لئے؟ پٹھان کوٹ کی کسی مسجد میں جمعہ کی نماز کے موقع پر پہنچ کر تقریر کرنا ہے۔یقیناً والد ماجد نے مجھ سے ذکر فرمایا ہو گا کہ انہیں چند گھنٹے کے لئے اس طرح کی ضرورت سے باہر جانا ہے مگر مجھے اپنے حافظے کی کمزوری سے بالکل یاد نہیں۔تاہم ان کا سائیکل کے کیریئر پر بیٹھنا اس طرح یاد رہ گیا ہے جیسے کوئی تصویر آنکھوں میں کھنچ جاتی ہے اور یہ یقیناً اس وجہ سے کہ یہ ان کی عرفی حیثیت اور مقام و مرتبہ کے لحاظ سے ایک اچھنبے کی سی بات تھی مگر ان کی لگن اور جذبہ ان باتوں کو نہیں دیکھتا تھا۔'' (57)

تواضع:۔

عتیق الرحمن سنبھلی لکھتے ہیں۔

'' کسی جنازے کی نماز میں کوئی دوسرا صاحب علم موجود ہوتا تو خود پیچھے رہنے کی کوشش کرتے مگر دوستوں (اور یہ لفظ ان کے یہاں بڑا وسیع تھا) میں کسی کا انتقال ہو جاتا تو نہلانے کے لئے خود آگے بڑھتے اور قبر میں بھی اسے اپنے ہاتھوں سے سلانا چاہتے تھے۔'' (58)

صاف گوئی:۔

مولانا عتیق الرحمن سنبھلی مزید لکھتے ہیں۔

''اپنے بڑوں کے سامنے بھی بولنے کی اور اگر رائے میں اختلاف ہو تو صفائی سے اس کے بھی عرض کر دینے کی، بری یا اچھی، میری عادت شروع سے رہی ہے۔'' (59)

تصوف کی طرف رجحان:۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خانقاہ میں ان کی تقریر و ملاقات کی روداد بیان کرتے ہوئے اپنے تصوف کے رجحان پہ روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''حضرت حکیم الامتؒ کا مستقل معمول تھا کہ صبح (غالباً ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر) خانقاہ تشریف لے آتے تھے اور دو پہر تک پورے انہاک و یکسوئی کے ساتھ تصنیف و تحریر کے کام میں مشغول رہتے۔ کسی غیر معمولی ضرورت اور خاص استثنا' کے بغیر اس وقت میں کسی سے ملاقات بھی نہیں فرماتے تھے۔ جس رات کو مولانا ظفر احمد صاحب نے اپنے مکان پر مذکورہ بالا گفتگو فرمائی، اس کی صبح کو میں خانقاہ کے ایک حجرہ میں تھا۔ ۹ بجے کا وقت ہوگا، حضرت کے ایک خادم حضرت کا یہ پیام لائے کہ حضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ آج میں اس وقت فارغ ہوں، اگر جی چاہے تو آ جائیں۔ حیرت ہوئی اور میں نے اس کو حضرت کی خاص الخاص عنایت ہی سمجھا...... میں اسی وقت حاضر ہو گیا۔ جہاں تک یاد ہے اس وقت کوئی اور صاحب حضرت کے پاس نہیں تھے۔ حضرت نے بغیر کسی تمہید و تقریب کے اور بغیر میرے سوال کے سلوک اور تزکیہ کی ضرورت اور دین میں اس کی اہمیت پر ایک تقریر شروع فرمائی۔ یہ تقریر تسلسل کے ساتھ کم از کم ایک گھنٹہ سے زیادہ جاری رہی...... اگر وہ قلمبند کی گئی ہوتی تو اس موضوع پر ایک کافی شافی تصنیف ہو جاتی۔ میں خاموشی اور توجہ سے صرف سنتا رہا۔

یہاں میں اپنا یہ حال بھی ظاہر کر دوں کہ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ میں سلوک و تصوف سے ذہنی طور پر کچھ دور ہو گیا تھا اور میرے اندر اس کی کوئی طلب بھی نہیں تھی اور غالباً طلب کے اس فقدان ہی کا نتیجہ تھا کہ حضرت حکیم الامت کی اس نہایت مبسوط اور مدلل تقریر کا بھی مجھ پر وہ اثر نہیں ہوا جو ہونا چاہئے تھا اور وہ فائدہ اس سے میں نے اس وقت نہیں اٹھایا جو اٹھانا چاہئے تھا۔ بلا شبہ یہ بڑی محرومی تھی۔'' (60)

مولانا نعمانیؒ خانقاہ رائے پور کے ساتھ تصوف کا تعلق رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے وہ بیعت ہوئے۔ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''رائے پور کی حاضری سے کچھ پہلے بعض خاص حالات و اسباب کی وجہ سے میرے اندر یہ ذہنی تغیر پیدا ہو گیا تھا کہ تصوف کے اصل مقصد اور اس کی روح کو تو میں دین کا ایک ضروری شعبہ سمجھتا تھا لیکن ذکر و شغل وغیرہ کے جو خاص خاص طریقے خانقاہوں میں (ہمارے سلسلہ کی بھی خانقاہوں میں) عام طور سے رائج اور معمول ہیں ان کو میں صحیح نہیں سمجھتا تھا بلکہ اجتہادی قسم کی غلطی سمجھتا تھا۔ اس سلسلہ میں یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا کہ قلب میں ان بزرگوں کی جو عظمت تھی اور ادب کا جو رویہ تھا اس میں فرق نہیں آیا تھا...... بہر حال جب میں رائے پور کی خانقاہ میں کچھ دن قیام کی نیت سے حاضر ہوا ہوں تو یہی میرا حال اور خیال تھا...... اب آگے سنئے!

غالباً پہلا ہی دن تھا کہ حضرت رائے پوری قدس سرہ مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر خانقاہ کے صحن میں ایک پلنگ پر تشریف فرما تھے از راہ شفقت و عنایت مجھے بھی اپنے ساتھ ہی بٹھالیا تھا۔ جہاں تک یاد ہے کوئی تیسرا شخص اس وقت وہاں پر نہیں تھا۔ قریب ہی خانقاہ کی سہ دری میں چند حضرات ''نفی اثبات'' کا اور بعض ان میں ''اسم ذات'' کا ذکر کر رہے تھے۔ یہ سب اچھے خاصے جہر کے ساتھ ذکر کرتے تھے اور خاص طریقہ سے قلب پر ضرب لگاتے تھے۔ میں جہر و ضرب کے اس طریقہ سے اپنے اندر انقباض محسوس کر رہا تھا۔ میں نے ادب و احترام کے ساتھ حضرت کی خدمت میں عرض کیا۔

''حضرت! ساری عمر دین کے بارے میں جو کچھ پڑھا ہے اور کتابوں میں جو دیکھا ہے اس سے یہ سمجھا ہوا ہے کہ اصل دین وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے اور جس کی تعلیم آپ کے صحابہ کرامؓ کو دی اور پھر صحابہ کرامؓ سے بعد والوں نے سیکھا اور جو صحیح نقل و روایت کے ساتھ ان سے ہم تک پہنچا اور (سہ دری میں ذکر کرتے ہوئے حضرات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے میں نے کہا کہ)...... یہ حضرات جس طرح جہر و ضرب کے ساتھ ذکر کر رہے ہیں۔ جہاں تک اپنا علم ہے نہ تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو تعلیم فرمایا تھا نہ صحابہ کرامؓ نے تابعینؒ سے اس طریقہ پر ذکر کرایا اور نہ تابعینؒ نے اپنے بعد والوں کو یہ طریقہ بتلایا تھا۔ اس لئے ذکر کے اس طریقہ کے بارے میں مجھے خلجان ہے اور میں چاہتا ہوں کہ میرا یہ خلجان اگر کسی غلط فہمی کی وجہ سے ہو تو اس کی تصحیح اور اصلاح ہو جائے''

حضرت رائے پوری قدس سرہ نے میری توقع کے بالکل خلاف ایک عجیب انداز میں فرمایا:

''مولوی صاحب! یہ بیچارے جو یہاں میرے پاس آتے ہیں یہ اور کسی کام کے نہیں ہوتے بس اسی کام کے ہوتے ہیں اور اسی کے واسطے آتے ہیں، اس لئے میں ان کو یہی بتلا دیتا ہوں۔ آپ جو کام کرتے ہیں (یعنی تحریر و تقریر سے دین کی خدمت) یہ بہت بڑا کام ہے، آپ تو یہی کرتے رہیں اور اس چکر میں نہ پڑیں۔''

ظاہر ہے کہ یہ میرے سوال کا جواب نہ تھا لیکن حضرت نے میری بات کے جواب میں اتنا فرمایا اور مجھے کچھ اور عرض کرنے کی مہلت دیئے بغیر ہندوستانی مسلمانوں کے بعض اجتماعی مسائل اور ان کے مستقبل پر گفتگو کا ایک نیا سلسلہ شروع فرمادیا۔ حضرت کا رویہ دیکھ کر پھر سے اپنے سوال کی طرف توجہ دلانا میں نے مناسب نہ سمجھا اور عشاء کے قریب یہ مجلس ختم ہوگئی۔

اگلے دن مغرب بعد پھر یہی ہوا کہ ذاکرین نے اسی دھن کے ساتھ سہ دری میں اپنا ذکر شروع کیا۔ آج بھی حضرت نے مجھے اپنے ساتھ پلنگ پر بٹھایا تھا۔ مجھ سے پھر نہ رہا گیا اور میں نے کل کا اپنا سوال پھر دہرایا لیکن حضرت نے آج بھی وہی کل والا رویہ اختیار فرمایا کہ میری بات کو بالکل نظر انداز فرما کر ہندوستانی مسلمانوں کی ماضی اور حال کی مختلف تحریکوں پر گفتگو کا ایک لمبا سلسلہ شروع فرمادیا اور میرا سوال پھر رہ گیا۔ حضرت کے اس رویہ سے میں اس غلط فہمی میں تو مبتلا نہیں ہوا کہ چونکہ میرے سوال کا کوئی جواب ان کے پاس نہیں ہے اس لئے یہ اس سے پہلو تہی فرما رہے ہیں بلکہ مجھے یہ خیال ہوا کہ غالباً میرے سوال کو ایک طالب صادق کا سوال نہیں سمجھا گیا بلکہ ایک مبتلائے زعم و کبر کا اعتراض سمجھ کر اس کو اس طرح نظر انداز فرمایا جا رہا ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ اس وقت اس سوال سے اپنی تشفی مقصود بھی نہ تھی بلکہ نیت تنقید ہی کی تھی۔

نماز عشاء وغیرہ سے فارغ ہوکر میں خانقاہ کے اس حجرہ میں جا کر لیٹ گیا جہاں میرے سونے کا انتظام تھا اور تصوف کے اس قسم کے اعمال و اشغال پر خود ہی غور کرنے لگا۔ اس غور وفکر میں خود ہی سائل تھا اور خود ہی مجیب۔ ذہنی بحث و مباحثہ میں مجھے دیر تک نیند نہیں آئی۔ میں چاہتا تھا کہ اس مسئلہ میں ذہن بالکل یکسو ہو جائے۔ اگر میرے سوچنے میں غلطی ہو رہی ہے تو اس کی تصحیح ہو جائے اور اگر میں ٹھیک سمجھ رہا ہوں تو اس بارے میں مجھے ایسا یقین واطمینان حاصل ہو جائے کہ میں پوری قوت سے ان چیزوں کا ردو انکار کروں اور ان باتوں کے غلط ہونے پر ایک سچے حق پرست کی طرح اصرار کروں۔

اسی غور وخوض میں دیر کے بعد میرا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ تصوف کے ان خاص اعمال واشغال کو (مثلاً ذکر ومراقبہ کے ان مخصوص طریقوں کو جو مشائخ کے تجویز کئے ہوئے ہیں اور سنت سے ثابت نہیں ہیں) میرا بدعت و نادرست سمجھنا اگر صحیح ہو تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ، اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ، اوران سے بھی پہلے ان جیسے بہت سے حضرات کو مجدد یا مصلح نہیں بلکہ بدعت کا حامی اور رواج دینے والا ماننا پڑے گا کیونکہ ان حضرات نے صرف اتنا ہی نہیں کہ کسی مصلحت یا وقت کے تقاضہ سے ان چیزوں کے بارے میں تسامح اور تساہل ہی برتا ہو بلکہ ان کی تعلیم سے ان کی کتابیں بھری ہوئی ہیں اور ساری عمر اپنے پاس آنے والے طالبین کو انہوں نے ان ہی طریقوں سے ذکر وشغل کرا کر ان کا سلوک طے کرایا ہے بلکہ ان حضرات میں سے اکثر کی زندگی میں جس قدر یہ پہلو نمایاں ہے غالباً کوئی دوسرا پہلو اتنا نمایاں نہیں۔

ذہن کے اس طرف منتقل ہونے کے بعد دل نے یہ فیصلہ تو جلد ہی کر لیا کہ مجھ جیسے کم فہم اور ناقص العلم کا کسی مسئلہ کے سمجھنے میں غلطی کرنا زیادہ ممکن اور زیادہ قرین قیاس ہے بہ نسبت اس کے کہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ، اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ جیسے اکابر دین کی طرف غلطی کو منسوب کیا جائے، اور وہ بھی ایک ایسے فن سے متعلق مسئلہ میں جس کے ساتھ ہمارا تعلق تو صرف نظری اور فکری ہے اور ان حضرات کا ساری عمر اس کے ساتھ گہرا عملی تعلق رہا ہے۔ دل نے اپنے خلاف یہ فیصلہ جلدی اور آسانی سے اس لئے کر لیا کہ ان حضرات کی تصانیف کے مطالعہ اور ان کے حالات اور اصلاحی وتجدیدی خدمات سے کچھ واقفیت کی وجہ سے ان کے رسوخ فی العلم، تفقہ فی الدین اور عند اللہ مقبولیت کا میں پہلے ہی سے پوری طرح قائل تھا اور میرا دل کسی طرح یہ قبول نہیں کر سکتا تھا کہ یہ سب حضرات اپنے اپنے زمانے میں اسرار دین کے عارف اور امت کے مجدد ہونے کے باوجود چند بدعتوں کو قرب خداوندی کا ذریعہ سمجھ کر خود بھی ساری عمر ان میں مبتلا رہے اور اللہ کے ہزاروں لاکھوں بندوں کو بھی ان میں مبتلا کرتے رہے.......... یہ صحیح ہے کہ مجدد نبی کی طرح معصوم اور صاحب وحی نہیں ہوتا لیکن وہ بدعات کا داعی اور رواج دینے والا نہیں ہو سکتا۔ خاص کر دین کے جس شعبہ میں اس کو دین کے سب شعبوں سے زیادہ انہماک ہو

اور وہ اس کا داعی ہو اور اسی کے ذریعہ اصلاح وتجدید کا کام کر رہا ہو۔ اس میں اگر وہ بدعت اور غیر بدعت میں امتیاز نہ کر سکے گا تو وہ یقیناً اصلاح سے زیادہ افساد اور ہدایت سے زیادہ ضلالت کا باعث ہوگا۔

بہر حال یہ چند خیالی نکتے تھے جن تک پہنچ کر میرے ذہن کی الجھن کچھ کم ہوئی اور میں نے مان لیا کہ غالباً مجھ سے ہی اس مسئلہ کو سمجھنے میں کچھ غلطی ہو رہی ہے اور اب مجھے اپنی ہی غلطی کو پکڑنے اور پالینے کی کوشش کرنی چاہئے......رات کافی گزر چکی تھی۔ اس نتیجہ پر پہنچ کر میں نے اس غور وفکر کا سلسلہ اس وقت ختم کردینے کا ارادہ کرلیا اور سو گیا۔

حضرت رائے پوری قدس سرہ کا روزانہ معمول تھا کہ فجر کی نماز کے بعد دو تین میل چلتے تھے۔ اس وقت حضرت کے خاص خادم مولانا عبد المنان صاحب ساتھ ہوتے تھے۔ ایک دن پہلے کی آئی ہوئی ڈاک ان کے ہاتھ میں ہوتی تھی وہ ایک ایک خط حضرت کو سناتے تھے، حضرت ہر ایک کا جواب بتلاتے تھے، واپس آکر وہ یہ جوابات لکھتے تھے......اس معمول کے مطابق صبح کو فجر کی نماز کے بعد حضرت تشریف لے چلے۔ مولانا عبد المنان صاحب بھی ساتھ تھے۔ میں بھی اس دن ساتھ ہو لیا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد مولانا عبد المنان صاحب غالباً حضرت کا کوئی اشارہ پاکر واپس ہو گئے اور میں تنہا حضرت کے ساتھ رہ گیا۔ میں نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے جو سوال حضرت سے کیا تھا اس کے بارے میں میں نے خود گذشتہ رات بہت غور کیا۔ میرے دل و دماغ نے یہ تو مان لیا ہے کہ تصوف وسلوک کے ان اعمال واشغال کے بارے میں اب تک میں نے جو سمجھا ہے غالباً وہ صحیح نہیں ہے اور اس کے بارے میں مجھے ہی کوئی غلط فہمی ہو رہی ہے لیکن میں ابھی تک اس غلطی کو سمجھ نہیں سکا ہوں، چونکہ طبیعت طالب علمانہ پائی ہے اس لئے جی چاہتا ہے کہ وہ غلطی معلوم ہو جائے۔ میری یہ بات سن کر حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ ''مولوی صاحب! آپ کو شاید یہی تو شبہ ہے کہ یہ چیزیں بدعت ہیں۔ یہ بتلایئے کہ بدعت کی تعریف کیا ہے؟''(61)

موصوف شاہ عبد القادر رائے پوری کے سوال اور پھر ان کی طرف سے تفصیلاً اس موضوع پہ تقریر سننے کے بعد مطمئن ہو گئے اور اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں۔

''حضرت کی یہ تقریر سن کر میرا وہ ذہنی خلجان دور ہو گیا اور جو کچھ حضرت نے فرمایا اس کو ذہن نے پوری طرح قبول کرلیا۔ اسی کے ساتھ یہ احساس اور داعیہ پیدا ہوا کہ مجھے بھی

اس سے خالی اور محروم نہ رہنا چاہئے لیکن میرے حالات ایسے تھے کہ میں اس کی تحصیل کے لئے زیادہ وقت نہیں دے سکتا تھا، اس لئے میں نے عرض کیا کہ حضرت اگر یہ ذکر وشغل اس لئے کرایا جاتا ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی خشیت ومحبت وغیرہ کیفیات حاصل ہوں تو میں بھی اس کا محتاج اور طالب ہوں لیکن میری مجبوری یہ ہے کہ زیادہ اور مستقل وقت نہیں دے سکتا کیونکہ دین کے جن دوسرے کاموں سے کچھ تعلق ہے میں ان کو بھی چھوڑنا نہیں چاہتا۔'' (62)

مزید بیان کرتے ہیں کہ شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے مجھ سے فرمایا:

''آپ ذکر شروع کر دیں بیعت کی بات پھر کسی وقت دیکھی جائے گی۔ میں نے اس کے بعد بیعت کے لئے اصرار نہیں کیا، ذکر کی تلقین کی درخواست کی۔ حضرت نے میرے حالات ومشاغل کا لحاظ فرماتے ہوئے ذکر وغیرہ کا بہت مختصر سا پروگرام تجویز فرمادیا اور میں نے اسی دن سے وہیں کرنا شروع کر دیا...... پھر اس واقعہ کے قریباً دو سال بعد بیعت بھی فرمالیا۔ بلاشبہ حضرت کی خدمت میں حاضری اور پھر بیعت کی توفیق اس بندے پر اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت تھی جن کا شکر ادا کرنے سے یہ بندہ ہمیشہ عاجز وقاصر رہے گا۔'' (63)

حاضر جوابی۔

حافظ سمیع اللہ جو کہ بارہ سال ادارہ الفرقان سے وابستہ رہے، مولانا کی حاضر جوابی کے حوالے سے واقعہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''لکھنو میں جب تبلیغی کام شروع ہوا اور جماعتیں نکلنے لگیں تو سی آئی ڈی والے جماعت جانے والوں کے گھر تحقیق کے لئے آیا کرتے تھے کہ آپ جماعت میں کیوں گئے تھے اور کیا بیان کیا اور اس کام کا مقصد کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ مولانا کے پاس بھی اس محکمہ کے لوگ اسی طرح تحقیقات کے لئے آتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ مولانا علی میاںؒ مدظلہ دعوت وتبلیغ کے سلسلہ سے عرب ممالک کے سفر پر تشریف لے گئے تھے۔ اس زمانے میں مولانا بلوچپورہ میں رہتے تھے۔ رمضان المبارک کا آخری عشرہ تھا۔ مولانا اعتکاف میں تھے کہ سی آئی ڈی کے ایک صاحب آئے اور مسجد میں ہی مولانا سے ملاقات کی۔ انہوں نے کہا کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ تبلیغی کام سارے ہندوستان میں ہورہا ہے بلکہ جماعتیں عرب ودوسرے ممالک میں بھی جارہی ہیں۔ اتنا بڑا کام ہورہا ہے مگر اس کا نہ

کوئی دفتر ہے، نہ صدر، نہ سیکرٹری پھر یہ کام کیسے چل رہا ہے۔ مولانا نے ان صاحب سے پوچھا کہ آپ کے مذہب کا بانی کون ہے؟، انہوں نے یہ مذہب کیسے پھیلایا؟، ان کا دفتر کہاں تھا؟، اس کا صدر، سیکرٹری کون تھا؟ سی۔آئی۔ڈی والے نے جواب دیا کہ ہمارا مذہب تو رشیوں، منیوں نے پھیلایا۔ نہ ان کا کوئی دفتر تھا، نہ صدر، نہ سیکرٹری۔ مولانا نے فرمایا: کہ یہ کام بھی رشیوں، منیوں والا ہے۔ اس کا نہ کوئی صدر ہے، نہ سیکرٹری اور نہ کوئی دفتر ہے۔ جب تک رشیوں، منیوں کے طریقہ پر ہوگا چلتا رہے گا۔ جس دن اس کا صدر اور سیکرٹری بنا دیا جائے گا یہ کام ختم ہو جائے گا۔ یہ سن کر اس نے جواب دیا کہ مولانا صاحب! ہماری سمجھ میں تو بات آگئی مگر ہم اپنے افسر کو نہیں سمجھا سکتے۔ ہم تو آپ کے پاس (اپنی ڈیوٹی نبھانے) آتے ہی رہیں گے۔'' (64)

مزید ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ایک مرتبہ ٹرین کے سفر میں ایک پنڈت جی کا ساتھ ہو گیا جو کافی پڑھے لکھے معلوم ہوتے تھے۔ اردو فارسی سے بھی واقف تھے۔ انہوں نے مولانا سے پوچھا کہ یہ سوال ہم کئی لوگوں سے کر چکے ہیں مگر کسی نے اطمینان بخش جواب نہیں دیا۔ وہ یہ کہ خدا کو آپ بھی مانتے ہیں ہم بھی مانتے ہیں پھر آپ اپنے آپ کو مسلمان اور ہمیں کافر کیوں کہتے ہیں؟۔ مولانا نے جواب دیا کہ صرف ''کو'' اور ''کی'' کا فرق ہے۔ ہم خدا کو بھی مانتے ہیں اور خدا کی بھی مانتے ہیں اس لئے مسلمان ہیں اور آپ خدا کو تو مانتے ہو مگر خدا کی نہیں مانتے اس لئے کافر ہیں۔ پنڈت جی نے کہا، مولانا صاحب! آپ نے بہت مختصر جواب سے مسئلہ حل کر دیا ورنہ ہم بہت لوگوں سے یہ سوال کر چکے تھے۔ سب نے بڑے تفصیلی جوابات دیئے مگر کوئی مطمئن نہ کر سکا۔'' (65)

مزید لکھتے ہیں۔

''ایک مرتبہ میں اپنے تینوں بیٹوں کو مولانا کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا۔ چھوٹے دونوں کا رجحان دینداری کی طرف تھا بڑے بیٹے میں اس لحاظ سے کمی تھی۔ میں نے مولانا سے پہلے ہی بات کر رکھی تھی کہ ذرا آپ بڑے والے کو نصیحت فرما دیجئے گا۔ مولانا نے بڑے کے بجائے دونوں چھوٹوں کو نصیحت کی۔ مقصود یہ تھا کہ شیطان انہیں دینداری کے زعم میں مبتلا نہ کر دے کہ دوسروں کو اپنے سے کم تر سمجھنے لگیں اور ''کبر'' میں مبتلا ہو جائیں۔'' (66)

حافظ سمیع اللہ مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے ساتھ دوران سفر مختلف واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''جماعت کے ایک سفر میں ضلع بستی کے ایک گاؤں میں جانا ہوا۔ گاؤں کا راستہ خراب تھا۔ مقامی ذمہ دار سواری کے لئے ہاتھی لائے اس پر بیٹھ کر مولانا گاؤں تشریف لے گئے مگر واپسی میں کئی کلومیٹر پیدل چل کر آئے ہاتھی پر نہیں بیٹھے۔ فرمایا! اس پر بیٹھنے سے ''کبر'' پیدا ہوتا ہے۔'' (67)

''ایک تبلیغی سفر میں بڑی جماعت ساتھ تھی تقریباً دس کلومیٹر جانا تھا۔ جاتے وقت سب کے لئے سواریوں کا انتظام ہوگیا لیکن واپسی میں صرف چار یکوں (تانگوں) کا انتظام ہوسکا۔ مولانا نے کمزور اور نازک مزاج لوگوں کو سواری پر بٹھا دیا باقی سارے ساتھیوں کو پرانے واقعات سناتے ہوئے پیدل لے آئے۔ اتنا لمبا سفر تھا لیکن ساتھیوں کو پتہ بھی نہیں چلا۔'' (68)

''ایک دفعہ مولانا کے ہمراہ ہم چار ساتھی گورکھپور جا رہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ ریلوے کراسنگ پر ٹرین رک گئی۔ ہم اتر کر نماز پڑھنے لگے۔ مولانا امامت کر رہے تھے۔ نماز شروع ہوتے ہی سیٹی کی آواز آئی۔ مولانا نے بہت مختصر نماز پڑھائی اور سلام پھیر دیا۔ ایک ساتھی کی ایک رکعت چھوٹ گئی تھی ان کی نیت تڑوا کر سب کو جلدی جلدی سوار کرایا اور خود سب سے آخر میں چلتی ٹرین میں بیٹھے۔'' (69)

''ایک بار عیدالاضحیٰ کے موقع پر لکھنؤ کے ایک علاقہ میں فساد ہوگیا تھا۔ دوسرے دن ہفتہ واری اجتماع میں بیان فرمایا کہ اسلام جذبات سے نہیں روکتا مگر ہوش کے ساتھ اور فرمایا کہ جذبات کے گھوڑے پر سوار ہو مگر عقل کی مشعل ہاتھ میں رہے۔'' (70)

''جس زمانے میں ندوۃ العلماء میں جمعرات کا اجتماع ہوتا تھا۔ بیان کے بعد حسب معمول دعا بھی ہوتی تھی لیکن کبھی کبھی دعا نہیں کراتے تھے اور فرماتے تھے کہ کہیں یہ بھی رسم نہ بن جائے اور لوگ دعا کو بھی ضروری سمجھنے لگیں۔ ایک مرتبہ نویں ذی الحجہ کو بھی مختصر بیان کر کے فرمایا کہ آج صرف دعا ہوگی کیونکہ حجاج کرام میدان عرفات میں دعا میں مصروف ہوں گے یہ دعا کی قبولیت کا وقت ہے۔ یہ کہہ کر طویل دعا کرائی اور خود بھی روئے اور سارا مجمع روتا رہا۔'' (71)

''ایک مرتبہ تبلیغ کے کام کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اس کام کو حق اور ضرورت سمجھ کر کر رہا ہوں جس روز دیکھوں گا کہ اس میں رسمیت آگئی تو منظور پہلا شخص ہوگا جو اس کام کی

مخالفت کرے گا۔''(72)

''ایک دفعہ اٹاوہ کے اجتماع سے واپسی میں کانپور میں گاڑی بدلنا تھی۔ کینٹین میں چائے پینے گئے۔ اس وقت چائے کی قیمت چار آنے تھی۔ مولانا نے کینٹین کے ملازم کو الگ سے ایک روپیہ دیا۔ پھر فرمایا کہ یہ سمجھتا ہے کہ مولوی لوگ کچھ دیتے نہیں، ان کی طرف کم توجہ دیتا ہے۔ اب ان کی طرف بھی توجہ کرے گا۔''(73)

''ایک حجام کو خط بنوانے کے لئے گھر پر بلوایا۔ اس زمانے میں خط بنوائی دو آنے پڑتے تھے مگر مولانا نے اس کو ایک روپیہ دیا۔ مولوی حسان یا مولوی سجاد نے بہت غور سے دیکھا۔ بعد میں مولانا نے فرمایا کہ میں نے خط بنوائی نہیں دی بلکہ وہ اپنا وقت خرچ کر کے آیا ہے اس کے وقت کے پیسے دیئے ہیں۔ آئندہ جب بھی بلوائیں گے فوراً آ جائے گا۔''(74)

''اسی طرح رب سے کہیں جانا ہوتا تو پیشگی کرایہ طے کر کے رب پر بیٹھتے مگر بعد میں اکثر و بیشتر رب والے کو زیادہ پیسے دیتے۔''(75)

''ایک مرتبہ نکاح پڑھانے کے لئے تشریف لے گئے۔ مہر کی رقم لڑکے کی حیثیت سے زیادہ تھی۔ مولانا نے سمجھایا مگر لڑکی کے والد مہر میں کمی کرنے پر تیار نہیں ہوئے۔ مولانا نے نکاح نہیں پڑھایا اور واپس آ گئے۔''(76)

ایک مرتبہ ایک تقریب میں مولانا نے نکاح پڑھایا۔

''مولانا کے احترام میں لوگ نکاح کے بعد خاموش بیٹھے رہے اور چھوہارے یونہی رکھے رہے۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ خوشی کا موقع ہے یا رنج کا۔ یہ کہہ کر چھوہارے خود ہی لٹا دیئے اور خود بھی لے لئے۔''(77)

''مرکز کے قیام کے زمانے میں نماز باجماعت کی امامت مولانا ہی فرماتے تھے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ نیت باندھنے کے بعد توڑ دیتے اور پھر دوبارہ نیت باندھتے۔ بعض لوگوں کے پوچھنے پر بتایا کہ بغیر استحضار کے نیت باندھ لی تھی۔ نیت باندھنے سے پہلے استحضار (یعنی دل و دماغ کا پوری طرح حاضر ہونا) ضروری ہے۔''(78)

''ایک مرتبہ ہم الفرقان کا چندہ وصول کر کے لائے اور تھیلے میں رکھ کر کسی کام سے پوسٹ آفس چلے گئے۔ واپس آ کر دیکھا تو تھیلے میں روپے نہیں تھے۔ دفتر الفرقان میں

ہم اور ہمارے ساتھ صرف دو آدمی تھے۔ ہم نے مولانا سے ذکر کیا تو پوچھا کہ کسی پر شک ہے۔؟ ہم نے اپنے دوسرے ساتھی پر شک ظاہر کیا کیونکہ تیسرا کوئی آدمی وہاں آیا نہیں تھا۔ مولانا نے فرمایا اتنے نیک آدمی پر شک کرتے ہو، فوراً ان سے معافی مانگو کہ ہم نے آپ پر ناحق شک کیا۔ دوسرے دن مولانا نے پھر دریافت فرمایا کہ تم نے معافی مانگ لی؟ ہم نے کہا ابھی نہیں۔ مولانا نے فرمایا کسی پر شک کرنا بہت بڑا گناہ ہے، عافی مانگ لو۔'' (79)

''۵۱ء میں لکھنو کے مرکز کی پہلی مرتبہ تعمیر ہوئی۔ تعمیراتی کام سید محمد نبی ایڈوکیٹ کی نگرانی میں ہوا تھا۔ تعمیر کے بعد مولانا دیکھنے کے لئے تشریف لائے۔ مرکز کے حصہ میں اوپر چاروں طرف پھول پتی کی بیل کا بارڈر بنا ہوا تھا۔ مولانا وکیل صاحب پر بہت ناراض ہوئے۔ فرمایا: اس کی کیا ضرورت تھی؟، قوم کا پیسہ برباد کیا۔ وکیل صاحب نے کہا میٹیریل بچ گیا تھا اسی سے بنوا دیا۔ مولانا نے فرمایا: کہ اسے بنانے میں کئی دن لگ گئے ہوں گے۔ اس کی مزدوری تو دینا پڑی ہو گی۔ یہ اسراف ہے اور جائز نہیں ہے۔'' (80)

''ایک دفعہ ایک تعلق والے صاحب کے یہاں ایک تقریب میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے، وہاں بہت سادگی تھی۔ صرف روشنی ضرورت سے زیادہ تھی۔ روشنی دیکھ کر فوراً اسی رب سے واپس آ گئے۔ تقریب میں شرکت نہیں فرمائی۔ اللہ ان کی قبر میں زیادہ سے زیادہ روشنی عطا فرمائے۔'' (81)

ملفوظات:۔

حافظ سمیع اللہ لکھتے ہیں۔

''ایک مرتبہ فرمایا کہ گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک حیوانی اور دوسرا شیطانی۔ لوگ حیوانی گناہ کو بڑا سمجھتے ہیں حالانکہ شیطانی گناہ زیادہ بڑا ہوتا ہے۔ چوری، ظلم، اور زنا وغیرہ حیوانی گناہ ہیں اور بہتان، غیبت، کبر وغیرہ شیطانی گناہ ہیں۔'' (82)

مولانا برہان الدین سنبھلی صدر شعبہ تفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو رقمطراز ہیں۔

''ایک مرتبہ مولانا کی خدمت میں دعا کی درخواست کی تو مولانا نے فرمایا! آپ دعا کیجئے کہ اللہ دعا کی توفیق دے۔ یہ بظاہر عجیب سا جواب تھا معاً اس کے بعد مولانا نے (غالباً میرا تعجب رفع کرنے کے لئے) ایک واقعہ سنایا (جس کا حاصل یہ ہے) ''ایک

مرتبہ ہم نے اپنے شیخ حضرت رائپوری سے دعا کی درخواست کی تو انہوں نے اولاً ایسا ہی جواب دیا پھر فرمایا: کہ مولانا (یا مولوی صاحب) دعا قلب کی حرکت اضطراری کا نام ہے۔ جب ایسی دعا کی توفیق مل جاتی ہے، تو پھر اس کی قبولیت میں تخلف نہیں دیکھا۔''(83)

مزید لکھتے ہیں۔

''مولانا کی جب تک صحت وقوت بلکہ ہمت نے بھی ساتھ دیا برابر عیدین کے موقع پر دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں بعد نماز عید اصلاحی تقریر فرماتے (پہلے تو عیدین کی نماز بھی پڑھاتے تھے مگر ادھر پندرہ بیس سال سے نماز تو نہیں پڑھا رہے تھے مگر تقریر فرماتے تھے) اس میں بڑے کام کی اور دل چھونے والی باتیں فرماتے اور بہ مصداق از دل خیزد بر دل ریزد، ان کا اثر بھی ہوتا۔ عید کے دن یا اور کسی موقع پر کی گئی تقریر میں مولانا کا یہ جملہ بڑا ہی البیلا معلوم ہوا اور اسے دماغ نے محفوظ کرلیا۔ فرمایا: کہ علماء کے گناہ چوری وبدکاری نہیں ہیں بلکہ ان کے گناہ ہیں۔ غیبت، حسد، بدگوئی اور کینہ پروری وغیرہ۔''(84)

ایک تقریر کا تذکرہ کرتے ہوئے موصوف مزید بیان کرتے ہیں۔

''عید کے دن ہی ایک تقریر میں بڑے درد وسوز کے ساتھ فرمایا: عموماً مسلمان شادی بیاہ کے موقع پر ہر چھوٹے بڑے قریب و دور کے عزیزوں کو حتیٰ کے نوکروں، چاکروں اور کمینوں تک کو راضی کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں مگر اللہ اور اس کے رسول کو راضی نہیں کرتے بلکہ ان کو شدید طور پر ناراض کرنے والے اعمال و حرکات کرتے ہیں۔ ویسے مولانا کی تقریباً ہر تقریر اور تحریر میں فکر آخرت بیدار کرنے کی بات شامل ہوتی تھی۔ یاد آتا ہے کہ مولانا عبدالباری ندوی نے ایک بار مولانا نعمانی کا یہ امتیاز بتا کر بڑی پسندیدگی ظاہر کی تھی۔''(85)

مولانا عتیق احمد قاسمی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو تحریر کرتے ہیں۔

''ایک بار میں نے عرض کیا اردو زبان میں علمی، دینی، تاریخی مضامین لکھنے کے لئے کس مصنف کا اسلوب اخذ کیا جائے تو مولانا نعمانی نے سید سلیمان ندویؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے اور ان کا اسلوب اخذ کرنے پر زیادہ زور دیا...... ایک بار اکابر دیوبند کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: کہ ان حضرات کے معاصرین میں ایسے متعدد علماء تھے جو علم و

فضل میں ان سے کم رتبہ نہیں تھے لیکن حد درجہ اخلاص وللّٰہیت اور تواضع کی وجہ سے اکابر دیوبند کا چراغ زیادہ روشن ہوا۔ ''(86)

اکابر دیوبند اور سلسلہ ولی اللٰہی کے مشائخ سے عقیدت تھی اور ان کے واقعات کو اکثر بیان کرتے تھے۔ایک مرتبہ دار العلوم کے طلباء سے بات چیت کرتے ہوئے کہا۔

''ہمارے اکابر کو بنسبت بعض دیگر ممالک کے علماء کے جو ممتاز کامیابی ملی اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ وہ علمی اعتبار سے ان سے بہتر تھے بلکہ اس کا اصل سبب ان کی للّٰہیت، زہد وتقویٰ، ذوق عبادت، سادگی واخلاص اور مجاہدہ کا مزاج جیسی صفات تھیں۔ہمارے مدارس صرف ایک دانش گاہ نہیں تھے بلکہ وہ دعوت واحیائے دین کی جدوجہد کے مراکز تھے اور یہاں کی زندگی کا عمومی نقشہ وہی تھا جو ایک ایسی اعلیٰ مقصد کی زندگی کا ہونا چاہئے۔''(87)

سحری کے وقت کے حوالے سے فرماتے۔

''یہ وقت سب سے قیمتی وقت ہوتا ہے اور عام طور پر لوگ اسے سحری کے غیر ضروری اہتمام اور فضول باتوں کی نظر کر دیتے ہیں۔افطار سے قبل خود بھی دعا کا اہتمام فرماتے اور سارے ہی متعلقین کو اس کی ہدایت بھی کرتے۔(88)

''اللہ تعالیٰ نے علم حدیث میں فتنوں اور فکری انحراف سے محفوظ رکھنے کی خاص تاثیر رکھی ہے۔ہر زمانے کے مخصوص سیاسی واجتماعی حالات نے امت مسلمہ کے لئے متعدد فتنے کھڑے کئے۔بسا اوقات ان فتنوں کے سیلاب میں بہہ جانے سے جو لوگ بچ رہے وہ بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے لیکن بحیثیت مجموعی امت کو انحراف سے بچانے والی چیز علم حدیث ہی ثابت ہوا ہے۔آپ کا خیال تھا کہ علم حدیث کا مطالعہ صرف فقہی و کلامی مسائل کے تناظر میں کرنا خود علم حدیث کے ساتھ بڑی ناانصافی ہے۔جس سے ایک طرف سنت رسول کی اصل روشن و دیدہ زیب تصویر سامنے نہیں آپاتی اور دوسری طرف خود امت کے لئے علم حدیث بہت محدود ہو جاتا ہے۔ان کے نزدیک یہ مسائل سنت نبویہ کے مشتملات کا ایک حصہ ہیں اور یقیناً وہ ان میں بھی رہنما ہے مگر اس کا اصل حصہ وہ محکمات ہیں جن میں امت میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور وہ ہی سنت نبوی کا اصل پیغام ہیں اور اس میں ساری امت کے لئے رہنمائی اور معرفت خداوندی کے بے شمار خزانے ہیں۔(89)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ حکمت ولی اللہی کو دین کی تفہیم وتشریح کا ایک کامیاب ترین انداز سمجھتے تھے۔ اکثر کہا کرتے تھے۔

''جتنا مطالعہ اور علم بڑھتا جاتا ہے عموی طور پر حضرت شاہ صاحب کی حکمت کی گہرائی عیاں ہوتی جاتی ہے۔'' (90)

ان کی خواہش تھی کہ کم از کم حجۃ اللہ البالغہ مدارس میں پڑھائی جائے۔ فرماتے تھے کہ ''اس کو پڑھانے کے لئے جیسے علماء مطلوب ہیں اب ان کی تعداد بہت کم ہے...... حجۃ اللہ اگر مشکوٰۃ شریف کی شرح نہیں ہے تو کم از کم اس کو سامنے رکھ کر ضرور لکھی گئی ہے۔'' (91)

فصل ششم: مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی چند خصوصیات وصفات کا تذکرہ

سراپا مقصدیت۔

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی لکھتے ہیں۔

''ان کی زندگی کی سب سے نمایاں خصوصیت سراپا مقصدیت اور اس کے مطابق مشغولیت تھی۔ عمر کا کوئی لمحہ انہیں ضائع کرتے اور کسی ایسے کام میں صرف کرتے نہ پایا جس کے بارے میں خیال کیا جا سکے کہ وہ آخرت میں کام آنے والا نہ تھا۔'' (92)

۱۹۳۱ء میں مولانا محمد منظور نعمانیؒ کو برما کے شہر رنگون کا سفر کرنا پڑا۔ اس سفر کی روداد لکھتے ہوئے آپ کے صاحبزادے وقت کی اہمیت کے حوالے سے مولانا کی خصوصیت کا ذکر کرتے ہیں۔

''والد ماجد کو رنگون (برما) کا ایک سفر وہاں کے صحیح العقیدہ مسلمانوں کی ایک دینی ضرورت کے لئے کرنا پڑا (۱۹۳۱ء) اور کوئی چھ ماہ قیام رہا۔ کام ایسا تھا کہ ان کے ہم مشرب وہم مذاق کئی دوست بھی ساتھ تھے۔ ہر علاقے میں کچھ قابل دید چیزیں ہوتی ہیں۔ سیر وتفریح کے مقامات بھی ہوتے ہیں۔ مہینوں کے طویل قیام میں پارٹی کے سب لوگ کبھی کبھی سیر وتفریح کی غرض سے یا عجائبات دیکھنے کی خاطر نکل جایا کرتے تھے مگر والد ماجد کو وہ لوگ کبھی ساتھ نہ لے جا سکے۔ خود سناتے تھے کہ ایک دن ان دوستوں نے کہا کہ بھئی! آج تو بالکل ہی ایک نرالی چیز دیکھنے چل رہے ہیں۔ اس میں تو چلے ہی چلو۔ پوچھا کیا؟ کہا: کہ سفید ہاتھی سنا تو بہت تھا مگر معلوم ہوا ہے کہ یہاں عجائب گھر میں وہ موجود بھی ہے۔ اسی کو دیکھنے چل رہے ہیں۔ فرماتے تھے، میں نے جواب دیا، لا

حول ولا قوۃ، یہ بھی کوئی ایسی شئے ہوئی؟ ہاتھی میں نے دیکھا ہے۔ بار ہا دیکھا ہے اور سفید ی بھی۔ میں دونوں کو بآسانی تصور میں یکجا کر سکتا ہوں۔ پھر کاہے کے لئے، اپنا وقت اس کے لئے کہیں آنے جانے میں لگا دوں؟ جبکہ میرے وقت کا نہایت بہتر مصرف موجود ہے۔اس وقت ان کی عمر ۲۶۔۲۷ سال رہی ہوگی۔'' (93)

''ہمہ تن کام ہی کے اس ذوق و مزاج نے انہیں اپنے وقت کے معاملہ میں بے حد حساس بنا دیا تھا۔طبعًا وہ خشک نہ تھے۔اس کو تمام قریبی تعلق والے جانتے ہیں لیکن بے ضرورت ایک منٹ بھی کسی کو دینا انہیں اپنے وقت کا ضیاع معلوم ہوتا تھا چنانچہ ان کے یہاں مجلس نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔جس میں نشست اور گفتگو کو ان کے معیار ضرورت کا پابند رہنا مشکل ہوتا البتہ عصر کے بعد کے لئے دروازے کے باہر لکھوا دیا تھا کہ کوئی ملنے کو آنا چاہے تو اس وقت میں آجائے یعنی اس کام کے لئے باقاعدہ وقت فارغ نہیں تھا۔کوئی آگیا تو اس کو وقت دیا ورنہ اس وقت میں بھی ضرورت ہوتی تو وہ اپنا کام کرتے۔'' (94)

''کام اور ہمہ تن کام نے جو کہ زیادہ تر دماغ ہی سے تعلق رکھتا تھا ذہن و دماغ کو ایک ایسے استغراق کی کیفیت دے دی تھی کہ راہ چلنے میں بھی ان کو پوری طرح اس سے چھٹکارا نہیں ملتا تھا۔ساتھ چلتے ہوئے اگر وہ ساتھ والے سے بات نہیں کر رہے ہیں تو ان کے چہرے پر نگاہ پڑنے سے صاف نظر آجاتا تھا کہ دماغ کہیں مشغول ہے۔دیوبند کے سفر میں رکشا کا جو ایکسیڈنٹ ۱۹۷۴ء میں ہوا جس نے ان کے کولہے کی ہڈی میں فریکچر کیا اور وہ بالآخر سخت معذوری اور عوارض کا باعث بن گیا۔وہ اسی استغراق و محویت کا نتیجہ بظاہر سبب تھا ورنہ اگر ان کی راستے پر نظر ہوتی تو کچھ نہ کچھ اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کر سکتے تھے اور بالکل بے خبری کے عالم میں جھٹکا کھا کر گرنے کی جو صورت پیش آئی وہ شاید نہ آنے پاتی۔ویسے مقدرات اپنا راستہ ہر حال میں بنا لیتے ہیں۔

اس انہماک و استغراق کی بدولت ان کو روزہ بہت آسان تھا۔لکھنے پڑھنے کے کام پر بیٹھنے کے بعد وقت کا ان کو پتہ ہی نہیں رہتا تھا اور ایک دفعہ تو روزے کے عالم میں اس محویت نے عجیب ہی تماشہ کیا۔تبلیغی مرکز لکھنؤ والا مکان تھا، نہایت مختصر مکان۔اس کے اوپر کی منزل میں فقط ایک چھوٹا سا کمرہ تھا بس ایک تخت اور پلنگ کی گنجائش کا۔وہی ان

کے لکھنے پڑھنے کی جگہ تھی۔اس کی پشت کی طرف بھی ایک دروازہ مرکز میں اتر جانے کے لئے تھا۔مرکز میں اذان ہونے کے بعد نیچے گھر میں آنے کی ضرورت نہ ہوتی تو اس پشت کے دروازہ سے اتر کر نماز کے لئے مسجد میں چلے جاتے تھے۔رمضان کے دنوں میں ایک دن مغرب کی اذان ہو جانے پر بھی اس وقت تک خبر نہ ہوئی، جب تک گھر والوں نے یہ دیکھ کر کہ اذان ہو جانے پر بھی افطار کے لئے نہیں اترے ہیں ۔وہاں جا کر انہیں بتایا کہ اذان ہو چکی ،افطار نہیں کریں گے؟ حالانکہ اذان کی جگہ کمرے کی پشت کے دروازے سے متصل ہی تھی مگر انہیں بالکل خبر نہ ہوئی۔''(95)

آخرت میں جوابدہی کی فکر۔

مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی، مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیو بند (انڈیا) فرماتے ہیں۔

''حضرت مولانا نعمانی نوراللہ مرقدہ کی ایک اور صفت جس سے بندہ بیحد متاثر ہوا، ان کی آخرت کی جوابدہی کی فکر ہے۔دارالعلوم کے اسی ہنگامہ کے دور میں بندہ کو مولانا سے ملنے کا بار بار اتفاق ہوا اور ہنگامہ سے نپٹنے سے متعلق طویل طویل گفتگو کی نوبت آئی مگر مولانا کو کبھی آخرت کی جوابدہی کے فکر سے خالی نہیں پایا جبکہ ایسے معاملات میں عام طور پر اچھے دیندار اور پرہیزگار لوگ تساہل سے کام لے لیا کرتے ہیں......مولانا کی دوسری خصوصیت جس سے بندہ بہت متاثر ہوا وہ حق ظاہر ہو جانے کے بعد اپنی رائے اور موقف سے رجوع ہے۔اس سلسلے میں خود بندہ کے ساتھ ایک معاملہ پیش آیا۔دارالعلوم ہی سے متعلق ایک کام تھا۔مولانا مرحوم کی رائے یہ تھی کہ یہ کام ضرور ہونا چاہئے اور فرماتے تھے کہ اگر میری صحت اجازت دیتی تو خود میں اس کام کو انجام دیتا لیکن اپنی مجبوری کی بناء پر یہ کام وہ مجھ سے لینا چاہتے تھے۔اس سلسلے میں انہوں نے حضرت مہتمم صاحب اور بعض دوسرے اکابر سے گفتگو فرمائی تھی اور ان بزرگوں کے ذریعہ اپنی رائے بلکہ حکم سے مجھے مطلع بھی کر دیا مگر اس بارے میں میری رائے یہ تھی کہ وقتی طور پہ اگر چہ یہ کام دارالعلوم کے لئے مفید ہو جائے مگر بعد میں اس کے اثرات نہایت نقصان رساں ہوں گے اس لئے میں اس کام کے لئے آمادہ نہیں ہو رہا تھا مگر حضرت مولانا مرحوم کو اصرار تھا۔بالآخر انہوں نے اس پر گفتگو کے لئے مجھے لکھنؤ طلب کیا۔میں حاضر ہو گیا تو انہوں نے اپنی بات نہایت تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی اور اس کام کی افادیت وضرورت کو بڑے مؤثر انداز سے میرے سامنے

رکھا۔ خاموشی اور توجہ سے مولانا کی پوری بات سننے کے بعد میں نے مئودبانہ عرض کیا کہ اگر اکابر کا حتمی فیصلہ ہے اور اس بارے میں اب کسی گفت وشنید کی گنجائش نہیں ہے تو بندہ اس کام کے لئے تیار ہے لیکن اگر اس سلسلے میں ابھی غور وفکر کی کچھ گنجائش ہے تو بندہ کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔ حضرت مولانا نے زیر لب تبسم فرماتے ہوئے کہا، جب تک کوئی کام کر نہ لیا جائے اس میں غور وفکر کی گنجائش تو رہتی ہی ہے۔ کہو! تمہارا اس سلسلہ میں کیا موقف ہے۔ میں نے مختصر طور پر اپنی رائے بیان کر دی جسے سن کر وہ ایک دم خاموش و ساکت ہو گئے۔ ان کے چہرے سے ایسے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں غرق ہیں۔ اس سکوت کے تھوڑی دیر بعد فرمایا: کہ مولوی صاحب! تمہاری بات بھی غور طلب ہے۔ اچھا اس وقت جاؤ، صبح ناشتہ پہ گفتگو ہوگی۔ میں حسب حکم ناشتہ کے وقت حاضر ہو گیا اور مولانا کے کمرے میں پہنچا تو مجھے دعائیں دیں اور بار بار دعائیں دیں اور فرمایا کہ بسا اوقات بعض باتیں اس طرح دل و دماغ پر حاوی ہو جاتی ہیں کہ دوسرے پہلو کی جانب توجہ ہی نہیں جاتی۔ جزاک اللہ! تم نے دوسرے پہلو کو بھی سامنے کر دیا۔ میں نے اس مسئلہ پر رات کو کئی بار غور کیا اور بالآخر اس نتیجہ پہ پہنچا کہ تمہارا خیال صحیح ہے۔ میں مولانا کے اس طرز عمل سے بے حد متاثر ہوا کہ ایک فیصلہ کو جس پر وہ تقریباً تین چار ماہ سے منشرح تھے، کس طرح ایک اپنے سے ہر حیثیت سے کمتر کی رائے پر بدل دیا۔''(96)

حق کا ادراک اور غلطی تسلیم کرنا۔

مولانا افضال الحق قاسمی لکھتے ہیں۔

''حضرت مولانا اپنی ابتدائی زندگی میں مولانا مودودی صاحب کے ساتھ وابستہ ہوئے اور جماعت اسلامی کی تاسیس میں بنیادی کردار ادا کیا۔ یہ وابستگی بڑی پر جوش اور سر گرم تھی لیکن اس کے باوجود جب ان کو محسوس ہوا کہ ان سے فکر ونظر کی غلطی سرزد ہوئی، تو مودودی صاحب سے علیحدگی اختیار کرنے میں دنیا کی شرم یا کوئی اور چیز رکاوٹ نہ بن سکی۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ کسی تحریک سے وابستہ ہونے اور اس کی طرف دوسروں کو بھی پوری قوت سے دعوت دینے کے بعد اس سے علیحدہ ہونا نفسیاتی طور پر بڑا سخت مرحلہ ہوتا ہے اور یہ فیصلہ وہی شخص کر سکتا ہے جو تلاش حق کا سچا جذبہ اور اپنی غلطی کے اعتراف کی اخلاقی جرأت رکھتا ہو۔''(97)

مزید لکھتے ہیں۔

''مولانا کی قوت فیصلہ اور تلاش حق ان کا فن تھی چنانچہ وہ ''مدرسہ فرقانیہ گونڈہ'' کے سرپرست تھے اور راقم الحروف مہتمم تھا۔ مولانا کے بعض مریدین نے مولانا کو باور کرا دیا کہ افضال یہاں لیڈری کرتا ہے۔ پڑھاتا کچھ نہیں۔ اس سے لڑکے بیزار ہو رہے ہیں...... مولانا کا ذہن میری طرف سے غیر مطمئن کرنے کی یہ باریک چال تھی مگر مولانا اس جال میں اس وجہ سے نہیں آئے کہ انہوں نے اس شکایت میں حقیقت کی جستجو شروع کر دی۔ صبح کو مجھ سے فرمایا: کہ سب سے بڑی جماعت کے بچوں کو میرے پاس بھیج دو۔ یہ اچانک حادثہ تھا میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میرا امتحان لینے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی۔ اس وقت شرح جامی میں گیارہ لڑکے تھے میں نے انہیں درس گاہ میں بٹھا دیا اور مولانا کو بلا کر وہاں سے چلا گیا۔ مولانا نے لڑکوں سے شرح جامی کی عبارت پڑھوائی، ترجمہ کروایا، مطلب پوچھا۔ چونکہ اس جماعت میں بڑے ہونہار لڑکے تھے۔ سبھی نے بے دھڑک عبارت پڑھی، بے لاگ ترجمہ کر دیا اور مطلب بتا دیئے تو مولانا کو حیرت ہوگئی اور بہت خوش ہوئے، پھر مجھے بلا کر بچوں کی تعریف کی اور اس طرح کی شکایت پر بھروسہ نہیں کیا...... یہ تھا مولانا کا مزاج کہ حق کیا ہے غلط کیا ہے؟ اس کی کھوج کرتے تھے۔ معمولی سے معمولی کام میں اور بڑے سے بڑے مرحلے میں۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی اسی تلاش و جستجو اور پھر اس کے استحکام پر خرچ کر دی۔ اس لئے اپنی اس خصوصیت میں وہ تمام علماء میں ممتاز تھے۔''(98)

مزید بیان کرتے ہیں۔

''مولانا کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ جو بات سامنے آتی اس کا علمی یا جذباتی یا تجرباتی تجزیہ کر کے سمجھنا جانتے تھے کہ حق کیا ہے باطل کیا؟۔''(99)

رسوخ فی العلم۔

سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں۔

''مولانا ان راسخین فی العلم میں سے تھے جن کی مثال کم ملتی ہے، خصوصاً اس زمانہ میں علمی انحطاط اور علمی انتشار، تحریکوں کی کثرت، مشغولیتوں کی فراوانی اور ان کا تنوع، اتنا ہے کہ علم میں رسوخ حاصل کرنا بڑا مشکل ہو گیا ہے لیکن جو لوگ مولانا سے اجمالی

واقفیت رکھتے ہیں، وہ جانتے ہیں اور اس کی تصدیق کریں گے کہ مولانا ہندوستان کے ان منتخب اور مختص ممتاز علماء میں شامل ہیں جنہیں علوم اسلامیہ میں رسوخ حاصل تھا اور یہ معمولی بات نہیں ہے۔ وسعت معلومات، وسعت مطالعہ، تصنیف و تالیف کی صلاحیت، یہ سب چیزیں بہت عام اور کثرت سے پائی جاتی ہیں لیکن علمی رسوخ یہ بہت اونچی بات ہے اور ایک خاص امتیاز ہے۔ میں خدا کے گھر میں بیٹھ کر اس کی شہادت دیتا ہوں کہ مولانا کو حدیث میں، تفسیر میں، علم کلام میں اور فرق منحرفہ ومحرفہ کے بارے میں جو وسیع معلومات تھیں، ان سے جو غیر معمولی واقفیت اور ان کی کمزوریوں اور ان سے پیدا ہونے والے خطرات کا جتنا صحیح اندازہ ان کو تھا وہ ہندوستان کے کم علماء کو حاصل ہو گا۔ جن لوگوں نے یہاں ان سے ترمذی شریف پڑھی ہے وہ اس کی شہادت دیں گے پھر ان کی جو کتابیں ہیں، وہ بتاتی ہیں کہ ان کو علم میں کتنا رسوخ حاصل تھا۔ پھر زمانہ کی نبض شناسی، نئی نسلوں کی ضروریات اور ان کی نفسیات اور تقاضوں سے گہری واقفیت اور ان کے ذہنوں کی گہرائیوں تک پہنچنا اور ان کو متاثر کرنا یہ اپنی جگہ پر ایک کمال ہے۔ اس کے ساتھ علم میں رسوخ اور اس کو پیش کرنے کی صلاحیت، انتخاب کی صلاحیت، ذہنوں کی رعایت یہ ایک خاص چیز ہے۔ جن لوگوں نے مولانا کی کتابیں پڑھی ہیں خاص طور پر ان کی کتاب ''معارف الحدیث'' کم از کم اردو لٹریچر میں یہ بے نظیر کتاب ہے۔''(100)

مزید بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ۔

''مولانا نے دیوبند کے چوٹی کے اساتذہ مولانا سید انور شاہ کشمیری صاحب جیسے حضرات سے تعلیم حاصل کی تھی اس لئے ان کو علم میں بڑا رسوخ اور کمال حاصل تھا۔ ان کا یہ رسوخ آخر عمر تک باقی رہا۔ ہمارے مشاہدہ اور علم میں یہ بات ہے کہ بعض حضرات کو ابتدائی دور میں رسوخ فی العلم حاصل ہوتا ہے لیکن جوں جوں ان کی مشغولیتیں بڑھتی جاتی ہیں زندگی کے تقاضے، راحت و آرام اور خانگی زندگی کے مطالبات بڑھتے ہیں۔ دینی ملی اور سیاسی جدوجہد میں حصہ لینا پڑتا ہے ان سے متاثر ہو کر بلکہ ان سے دب کر وہ ایسے ہو جاتے ہیں کہ صحیح عبارت کا پڑھنا بھی ان کے لئے مشکل ہو جاتا ہے لیکن مولانا کا رسوخ فی العلم آخر تک باقی رہا جو بہت کمیاب بلکہ نادر بات ہے۔ یہ نتیجہ ہے ان کے والدین کے حسن نیت، ان کے اساتذہ کرام کی للّٰہیت وخلوص وربانیت کا۔

پھر مولانا کی محنت وخلوص اور مسلسل علمی اشغال کا کہ ان کا تعلق علم سے برابر قائم رہا۔آخر تک علمی رسوخ وپختگی باقی رہی اس کا میں عینی شاہد ہوں اور قریب ترین رفیق کی حیثیت سے مجھے خود اس کا تجربہ ہے۔"(101)

سید ابوالحسن علی ندوی ان کی خصوصیت پہ روشنی ڈالتے ہوئے مزید رقمطراز ہیں۔

"مولانا کی دوسری بڑی خصوصیت ان کی حمیت دینی ہے۔ایک ہے حمایت، یہ دوسری چیز ہے اس میں وہ اندرونی جذبہ اور دل سوزی نہیں ہوتی، وہ دل کی تپش اور ذہن کی خلش اور وہ اضطراب وبے چینی نہیں ہوتی جو حمیت میں ہوتی ہے حالانکہ حروف دونوں کے متقارب ہیں۔اللہ تعالیٰ نے مولانا کو حمیت دینی کا جو جوہر عطا فرمایا تھا وہ کم لوگوں کو ملتا ہے۔ ہوسکتا ہے دینداری، عبادت گذاری، تہجد اور شب بیداری اور ذکر وشغل میں دوسرے لوگ بڑھے ہوئے ہوں لیکن دینی غیرت وحمیت کی دولت ونعمت سے مولانا مالا مال تھے۔حمیت یہ ہے کہ دل میں آگ سی لگ جائے، سوزش پیدا ہوجائے کہ یہ کیا ہورہا ہے؟، کیا خطرات درپیش ہیں؟، مسلمانوں کی آبادی کا کیا حشر ہوگا؟، خاص طور پر تعلیم یافتہ طبقہ کا کیا انجام ہوگا؟۔

تقسیم کے بعد مسلمانوں کے یہاں رہنے کے سلسلے میں بہت سے حضرات کے ذہنوں میں بات واضح نہیں تھی کہ مسلمان اب کیسے رہیں گے لیکن مولانا کا ذہن بہت واضح تھا اوران کے سامنے کام کا پورا نقشہ بنا ہوا تھا۔یہ اس وجہ سے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا کو حمیت جیسی نعمت سے نوازا تھا۔یہ ایک نفسیاتی نکتہ اور تجربہ کی بات ہے کہ حمیت بھی ہمیشہ یکساں باقی نہیں رہتی اس لئے کہ علم جتنا بڑھتا اور معلومات وتجربات میں جتنی وسعت ہوتی جاتی ہے حمیت میں اسی اعتبار سے کمی ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ احساس ہی ختم ہوجاتا ہے۔ جو لوگ عجائب گھر اور میوزیم دیکھتے رہتے ہیں ان کے اندر استعجاب کا مادہ باقی نہیں رہتا۔وہ سب کچھ دیکھتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ سب چیزیں یکساں ہیں لیکن عینی شاہد کی حیثیت سے گواہی دیتا ہوں کہ اپنے وسیع علم ومطالعہ اور مشاہدہ کے ساتھ مولانا کے اندر دینی حمیت وغیرت بھری ہوئی تھی۔"(102)

طبیعت میں نرمی اور رقت قلبی۔

مولانا مجیب اللہ ندوی لکھتے ہیں۔

"مولانا کی طبیعت میں حد درجہ رقت تھی۔عام طور پر ان کی تقریروں اور مجلسی گفتگو میں

اور بسا اوقات نماز میں بھی اظہار ہوتا رہتا تھا.........ایک بار سورہ ''ق'' پڑھی تو اس آیت ''قال لاتختصموالدیّ'' پر نماز ہی میں زار و قطار رونے لگے۔''(103)

حق کے لئے ڈٹ جانا۔

مولانا ابوبکر غازی پوری لکھتے ہیں۔

''حق بات کہنا اور حق بات کے لئے لڑنا مولانا مرحوم کا خاص امتیاز تھا۔ اس بارے میں کسی قسم کی مداہنت کا وہ کبھی شکار نہیں ہوئے، نہ وقت کی مصلحتوں نے ان کو کبھی اظہار حق سے روکا۔ انہوں نے اسی اظہار حق کی خاطر بعض اپنے ان رفقاء سے بھی رشتہ توڑ لیا جن سے ان کا زندگی بھر کا ساتھ تھا اور یہ بات کبھی کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آئی تھی کہ مولانا مرحوم کا رشتہ ان سے بھی ٹوٹے گا مگر مولانا مرحوم کے نزدیک رشتہ اور قرابت سے زیادہ اہم چیز تھی عقیدہ و مسلک کی حفاظت، اسلاف کے ناموس کا دفاع، اس کے لئے مولانا کی پوری زندگی شاہد ہے۔ کسی سے سودے بازی نہیں کی اور نہ جس چیز کو انہوں نے حق جانا اس کے اظہار سے کبھی ان کی زبان خاموش رہی خواہ اس کے لئے ان کو بڑی سے بڑی قربانی دینی پڑی ہو۔''(104)

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کا بیان نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''کہ قیامت میں جب اللہ تعالیٰ سوال کرے گا کہ کیا لائے؟ تو میں دو آدمیوں کا نام لوں گا۔ پہلا نام مولانا محمد منظور نعمانی کا لیا، ان کے اندر اللہ تعالیٰ نے متضاد صفات و صلاحیتیں ودیعت فرمائی تھیں۔ جن کے اندر تضاد تو نہیں لیکن عملاً تضاد معلوم ہوتا ہے۔ کسی کو علمی اشتغال ہوتا ہے تو عملاً دعوت کے کام میں لگنا مشکل ہوتا ہے۔ ہم سے ایسے لوگ ملتے ہیں جو بڑے داعی ہیں لیکن مہینوں ہو جاتے ہیں کہ ان کو کتاب دیکھنے کی نوبت نہیں آتی لیکن مولانا نے دونوں کو جمع کر رکھا تھا۔''(105)

عادات واطوار کے بارے میں علماء کے اقوال۔

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی، چیرمین ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ لکھتے ہیں۔

''ان کی عادت شریفہ تھی کہ تبسم ان کے لبوں پر ہمیشہ سجا رہتا کہ ان کی فطرت بھی تھی اور بوجہ طلق کی تعمیل حکم نبوی بھی۔ کیا اساتذہ کیا طلبہ اور کیا دیگر کارکنان ندوہ۔ وہ ہر ایک سے خوش دل ملتے۔ خوش بیاں رہتے اور خوش فکر نظر آتے۔ ملاقات ہوتی تو سلام کا انتظار نہ کرتے، خود پہل کر لیتے۔ اگرچہ ہم وابستگان دامن نعمانی اس کا موقعہ ان کو کم

دیتے۔ سلام کے جواب میں پیار بھرے انداز میں اور محبت آمیز حرکات وسکنات سے حال واحوال پوچھتے، پھر سلسلہ کلام دراز کرتے۔ ہنس ہنس کر، پیار پیار میں اور سوجھ بوجھ سے سب کچھ کہہ جاتے۔ ان کے کتھن میں نصیحت بھی ہوتی، سرزنش بھی، افادہ علمی بھی ہوتا، فیض رسانی بھی۔ موقع ومحل کی بات بھی ہوتی اور حقیقت جاودانی بھی، محبت و شفقت کا اظہار بھی ہوتا اور تعلق ویگانگت بھی۔ ان کو ایسے مواقع پر بھی طنز وتعریض اور استہزاء وتمسخر سے ہمیشہ گریزاں پایا، وہ نہ شرمندہ کرتے اور نہ خود شرمسار ہوتے۔ ایک عجیب دلربانہ انداز ہوتا ان کا۔ ہمیں بات کڑوی لگتی تو بھی ان کے شیریں لہجے کے سبب پی جاتے۔ طعن ونقد معلوم ہوتا تو انگیز کر لیتے کہ ان کے خندہ لب کے اسیر تھے۔ مولانا مرحوم کی ان چلتی پھرتی ملاقاتوں نے ان کی شخصیت کو دلآویز اور پرکشش بنا دیا۔ ان کو آتا دیکھ کر ہم بڑھ کر ان کے قدم لیتے، جاتا دیکھ کر لپک کر ہمقدم ہو جاتے۔ وہ ان بزرگان طریقت سے بالکل مختلف تھے جن کو آتے دیکھ کر لوگ راہ بدل دیتے اور جاتے دیکھ کر کنی کاٹ جاتے ہیں۔ اس پیہم رواں مربی سے ہم نے کیا کیا فکری، علمی، روحانی اور قلبی غذا پائی اس کا تجزیہ صرف مربی اعلیٰ ہی کر سکتا ہے۔'' (106)

مولانا مرغوب الرحمٰن ، مہتمم دارالعلوم دیوبند مولانا منظور نعمانیؒ کی مجلس شوریٰ میں شرکت اور ان کے طرز عمل کے حوالے سے ان کی خصوصیات کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

''(الف) وہ دارالعلوم کے معاملات میں رائے قائم کرنے سے پہلے مختلف لوگوں سے تبادلہ خیال کرتے اور غور وفکر کے بعد جو رائے قائم کر لیتے اس کو صاف طور پر پیش کرتے تھے، کسی کی رعایت کی بنیاد پر چشم پوشی یا مداہنت ان کی عادت نہیں تھی۔

(ب) مجلس شوریٰ کے ارکان دو حصوں میں تقسیم تھے، ایک حزب اقتدار اور ایک حزب مخالف اور عام طور پر ممبران کی رائے میں اپنی جماعت کے رجحانات کی رعایت پائی جاتی تھی لیکن مولانا نعمانی مرحوم کا ان دونوں جماعتوں میں سے کسی کے ساتھ خصوصی تعلق نہیں تھا۔ ان کی رائے ہمیشہ دارالعلوم کے مفاد کے تابع رہتی تھی۔

(ج) انہیں اپنی رائے پیش کرنے کا بڑا سلیقہ تھا۔ مجلس کے آداب اور تمام اراکین مجلس کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ اپنی رائے پیش کرتے تھے۔ بڑے محتاط الفاظ استعمال فرماتے تھے۔ لب ولہجہ سے تواضع اور انکسار جھلکتا تھا۔ بسا اوقات تأثر کی شدت میں آواز بھرا جاتی تھی۔ کبھی آنکھیں بھی نم ہو جاتی تھیں اور اگر وہ کسی کے بارے میں یہ سمجھ

لیتے تھے کہ وہ کسی وجہ سے ان کی بات پر سنجیدگی سے غور نہیں کر پائیں گے تو وہ ان سے تنہائی میں ملتے اور اپنی رائے پیش کرتے ۔ دوسرے کے موقف کو سمجھنے کی کوشش کرتے اور عام طور پر یہ ہوتا کہ دوسرے کو اپنی رائے پر مطمئن کر لیتے یا دوسرے کی رائے قبول کر کے خود مطمئن ہو جاتے۔اسی لئے دارالعلوم کے معاملات میں ان کے اخلاص و دیانت، غیر جانبداری اور اصابت رائے کو دیکھتے ہوئے راقم الحروف کا بیشتر ان سے اتفاق رائے رہتا تھا۔

(د) موصوف میں ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ اپنی رائے کو کبھی اپنی ذات کا مسئلہ نہیں بناتے تھے۔اگر اپنی رائے کی کمزوری واضح ہو جاتی تو اس کو برملا واپس لے لیتے تھے اور اگر کمزوری بھی واضح نہ ہوتی تو مجلس کے ضابطہ کے مطابق کثرت رائے کا احترام کرتے ۔ میں نے کبھی انہیں اپنی بات کی پچ کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

(ہ) اصابت رائے میں ان کا خصوصی مقام تھا اور مجلس ان کی رائے کو بڑی اہمیت دیتی تھی۔ بارہا ایسا ہوا مجلس میں اختلاف رائے ہوا تو مسئلہ مولانا نعمانی صاحب کے سپرد کر دیا گیا اور انہوں نے جو رائے پیش کی اسی کو فریقین نے قبول کر لیا۔''(107)

گذشتہ صفحات میں مولانا محمد منظور نعمانی کے حالات زندگی کے حوالے سے مختلف حوالوں کے ساتھ تفصیلات بیان کی گئیں۔آئندہ صفحات میں ان تمام تفصیلات کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

﴿خلاصہ بحث وتحقیق﴾

نبی اکرم ﷺ اور گذشتہ تمام انبیاء نے دینی دعوت کے اس مشن کو زندہ رکھا۔ ان کے بعد علماء عظام نے اس کا حق ادا کیا۔ تاریخ کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ انبیاء کے ورثاء، علم دین کے وارث علمائے حق نے انبیاء کے اس مشن کو بڑے احسن انداز سے جانی اور مالی قربانیاں دے کر پروان چڑھایا اور اس علم وفکر کی نہ صرف حفاظت کی بلکہ اسے انسانی معاشروں میں عام کرنے کے لئے ان تھک محنت کی اور اس راہ میں بڑی بڑی مشکلات اور مصائب برداشت کئے۔ علمائے حق کی قربانیوں کی تاریخ انبیاء کرام کے مشن کی یاد دلاتی ہے۔ جنھوں نے خالق کائنات کے رشد وہدایت کے پروگرام کو انسانی معاشروں کے سامنے پیش کیا اور اس کی پاداش میں انہیں طرح طرح کے مصائب سے گزرنا پڑا۔ علماء حق نے ہر زمانہ اور ہر دور میں دینی علوم کو حاصل کیا اور اس کے حصول کو جاری وساری رکھنے اور اس کی حفاظت کے لئے معاون علوم کی تدوین کی اور تصانیف لکھیں۔

علوم دینیہ کی درسگاہیں قائم کیں اور قرآن وحدیث اور ان کے معاون علوم دینیہ کی درس وتدریس کا سلسلہ جاری کیا ہے۔ ہندوستان کی تاریخ گواہ ہے کہ علماء حق نے دین حق کے قیام کے لئے زندگی کے مختلف شعبوں میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ علم کا میدان ہو یا دعوت وتبلیغ کا سلسلہ، دینی سیاست کا معاملہ ہو یا آزادی وحریت کی جدوجہد۔ علماء حق نے قربانیوں اور عزیمت کی ایسی ان مٹ تاریخ رقم کی ہے جو اس امر کی گواہ ہے کہ علماء حق نے ہندوستان کو سپین کی طرح زوال پذیر نہیں ہونے دیا بلکہ اسلامی اقدار، تعلیمات اور کلچر کو نہ صرف زندہ رکھا بلکہ اس پر باقاعدہ ایک اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھنے کے لئے بھی جدوجہد کی اور اس طرح انبیاء کرام کے اصل وارث ہونے کا حق ادا کیا۔ علماء کرام کی یہی جماعتیں تسلسل کے ساتھ دین حق کی خدمت کے اس سلسلے کو جاری وساری رکھے ہوئے ہیں۔

ان میں ایک نام مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا بھی ہے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا آبائی وطن سنبھل تھا۔ آپ کی تاریخ پیدائش میونسپل بورڈ کے کاغذات کے مطابق 18 جنوری 1906 (مطابق ۲۲ ذی قعدہ ۱۳۲۳ھ) بعض جگہ ان کی اپنی تحریر کے مطابق پیدائش کا مہینہ شوال ۱۳۲۳ھ ہے۔ (جس کی مطابقت جنوری ۱۹۰۶ء کے بجائے دسمبر ۱۹۰۵ء سے ہوتی ہے)

سنبھل کے بارے میں تو تاریخی طور پر ثابت ہے کہ ہندوستان میں ترکان احرار کی ابتدائی آمد ہوئی تو ان کی ایک بڑی تعداد نے سنبھل اور اس کے قرب وجوار کو وطن بنالیا۔ مولانا نعمانیؒ کا گھرانہ، بلکہ سنبھل کا وہ پورا محلّہ (دیپا سرائے) جس میں یہ گھرانہ آباد ہے انہی ترکان احرار کی یادگار ہے۔ آپ کے والد ماجد دین اور دنیا ہر لحاظ سے نہایت خوش قسمت لوگوں میں سے تھے۔ صلاح وتقویٰ اور تعلق باللہ کی دولت سے مالا مال ہونے کی بنا پر ''صوفی'' نام

کا جزء بن گیا تھا یعنی صوفی احمد حسین یا صوفی جی کہلاتے تھے اور اللہ نے دنیاوی رفاہیت کے ساتھ عزت و وجاہت بھی، باوجود بالکل سادہ صوفیانہ، درویشانہ رہن سہن کے، اتنی عطا فرمائی تھی کہ کوئی بڑے سے بڑا آدمی جوان کے محلے میں قدم رکھتا، لازم تھا کہ ان کے دروازے پر تھوڑی دیر ضرور ٹھہرے۔ اولاد کے معاملے میں بھی اللہ نے انہیں بہت خوش قسمت کیا تھا۔ مجموعی طور پر ان کے چھ بیٹے اور تین بیٹیاں ہوئیں۔ مولانا نعمانیؒ ان میں سے چوتھے نمبر پہ تھے۔ آپ کے اوپر دو بھائی شیخ غلام امام صاحب اور مولوی محمد حسن صاحب اور ایک بہن تھی۔ ان کی والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد صوفی احمد حسین صاحب نے عقد ثانی فرمایا تو ان کی دوسری اہلیہ کے بطن سے سب سے پہلے آپ کو وجود ملا۔ آپ کے بعد تین بھائی اور دو بہنیں علی الترتیب یوں تھے۔ حاجی محمود حسین صاحب، حلیمہ بی بی، مولوی حکیم محمد احسن صاحب، ساجدہ خاتون اور محمد عارف تھے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے والد نے ان کو دینی تعلیم دلانے کا فیصلہ کیا۔ وہ مخلص اور نیک نیت، عملی زندگی میں بڑے پکے دیندار، شریعت کے نہایت پابند تھے۔ دنیا کا کام بھی خوب کرتے تھے اور اس میں بہت کامیاب تھے لیکن دین اور آخرت کی فکر دنیا کی فکر پر غالب تھی اسی لئے وہ اپنی اولاد کو صرف دینی تعلیم دلانا چاہتے تھے اور پوری وسعت اور استطاعت کے باوجود اپنے کسی بچہ کو خالص دنیاوی تعلیم یعنی انگریزی تعلیم دلانے کے بالکل روادار نہیں تھے۔ اسی واسطے انہوں نے مولانا نعمانیؒ کو ناظرہ قرآن شریف اور تھوڑی سی اردو تعلیم کے بعد فارسی اور پھر عربی پر لگا دیا۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی ابتدائی زندگی جب وہ تعلیم کے لئے تیار ہو رہے تھے بڑی عجیب تھی۔ کم عمری کی وجہ سے صرف ونحو سمجھنے اور پڑھنے کے لائق نہیں تھے اور خاص کر میزان ومنشعب اور پنج گنج ونحو میر جیسی کتابوں کے ذریعہ تو صرف ونحو سمجھنے اور پڑھنے کے قابل بالکل ہی نہیں تھے اور اس وجہ سے تعلیم کا کوئی شوق اور داعیہ نہیں تھا۔ بے دلی سے پڑھتے رہے۔ کئی سال تک یہی حال رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر سال میزان نئے سرے سے شروع ہوتی تھی۔ سنبھل میں اس وقت تین عربی مدرسے تھے۔ ہوتا یہ تھا کہ ایک سال تک ایک مدرسے میں پڑھتے، سال ختم ہونے تک میزان منشعب ختم ہو کر کبھی کبھی پنج گنج اور نحو میر بھی شروع ہو جاتی لیکن والد ماجد اور گھر والے محسوس کرتے کہ پڑھائی ٹھیک نہیں ہو رہی ہے تو دوسرے سال دوسرے مدرسے میں بھیج دیا جاتا۔ وہاں کے استاد جب یہ حال دیکھتے کہ کچھ نہیں آتا ہے تو وہ پھر سے وہی میزان شروع کرا دیتے اور پھر سال بھر میزان ومنشعب ختم کر کے پنج گنج اور نحو میر تک یا کچھ اور آگے تک پہنچ جاتے۔ اگلے سال پھر تیسرے مدرسے میں بھیج دیا جاتا۔ وہاں کے استاد بھی خیر خواہی میں یہی طے کرتے کہ پھر میزان سے پڑھایا جائے اور پھر میزان شروع ہو جاتی، یہ چکر برسوں تک اسی طرح چلتا رہا۔

اسی صورتحال میں دو تین سال گذر چکے۔ اس وقت مولانا نعمانیؒ کی عمر قریباً ۱۲ سال تھی۔ ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ضلع مراد آباد کے اس وقت کے انگریز کلکٹر نے جو مولانا کے والد ماجد کے بہت قدر شناس تھے۔ ایک ملاقات میں ان کی اولاد کے بارے میں پوچھا، انہوں نے بتایا کہ خدا کے دیئے ہوئے میرے پانچ لڑکے ہیں۔ اس نے تعلیم

کے بارے میں دریافت کیا تو اسے یہ معلوم کر کے حیرت ہوئی کہ ان میں سے کسی ایک نے بھی انگریزی تعلیم حاصل نہیں کی ہے اور نہ کوئی اب انگریزی پڑھ رہا ہے۔کلکٹر نے اصرار سے کہا کہ کل ہی مولانا نعمانی کو مقامی ہائی اسکول میں بھیج دیا جائے اور ساتھ ہی کہا کہ میں ہیڈ ماسٹر سے کہہ دوں گا کہ وہ پانچ سال میں انٹرنس کرادے اور ان کے والد سے کہا کہ پھر میں اس کو نائب تحصیلداری دے دوں گا۔اس زمانہ میں نائب تحصیلداری بڑی چیز تھی۔پہلی ترقی کر کے آدمی تحصیلدار ہو جاتا تھا اور اس کے بعد ڈپٹی کلکٹر ہو جاتا تھا۔بس یہی ہندوستانیوں کی معراج تھی۔اس سے آگے کلکٹر اور کمشنر تو صرف انگریز ہوتے تھے۔کلکٹر نے ان کے والد کو بہت اصرار کے ساتھ مشورہ دیا لیکن مولانا کے والد نے اس بات کو ماننے کا فیصلہ نہیں کیا حالانکہ بعض ملنے والوں کی اور گھر کے بھی بعض لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے اور اسکول میں ضرور داخل کر دیا جائے چنانچہ بعض لوگوں نے ان کے والد کو راضی کرنے کی کوشش کی لیکن وہ کسی طرح راضی نہیں ہوئے۔ان کا آخری جواب یہ تھا کہ ''مجھے اللہ تعالیٰ سے پوری امید ہے کہ زندگی میں اپنی اولاد سے مجھے کچھ لینے کی ضرورت نہ ہوگی۔ان شاء اللہ! ہمیشہ ان کو کھلاتا اور دیتا رہوں گا۔ہاں مرنے کے بعد قبر میں مجھے ضرورت ہوگی۔اس لئے میں تو ان کو وہی تعلیم دلانے کی کوشش کروں گا جس سے مجھے قبر میں اور اس کے بعد کچھ ملتا رہے۔الغرض انہوں نے کسی کی ایک نہ سنی۔''

اس واقعے کے بعد کئی سال تک مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی ابتدائی تعلیم کے حوالے سے یہی صورتحال رہی۔پڑھنے کے ارادے کے بغیر پڑھتے رہے۔ہر سال مدرسہ کی تبدیلی ہوتی رہی۔جب مولانا کی عمر پندرہ سال کی ہو چکی تو ان کے والد کو معلوم ہوا کہ فلاں مدرسہ میں ایک نئے پنجابی استاد آئے ہیں اور وہ بہت توجہ سے پڑھاتے ہیں۔اس طرح انہوں نے مولانا نعمانی کو، مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی کی شاگردی میں دے دیا۔انہوں نے بڑی شفقت اور حکمت عملی سے مولانا کو تعلیم دینی شروع کی۔اس طرح انہوں نے ۸۔۱۰ دن میں میزان ومنشعب ختم کرا دی۔پھر اسی مہینے، دو مہینے میں پنج گنج اور نحو میر ختم کرادی۔آدھے سال میں انہوں نے علم الصیغہ اور ہدایۃ النحو تک پہنچا دیا۔اس کے بعد مولانا نعمانیؒ دل لگا کر پڑھنے لگے اور چار سال میں تمام متوسطات پوری کر لیں۔اس وقت مدرسوں میں منطق وفلسفہ کا بہت زور تھا اس لئے سب سے زیادہ کتابیں منطق وفلسفہ کی پڑھ دا اور اپنے ساتھیوں میں ایک ممتاز طالب علم کے طور پہ ابھرے۔

ایک سال سے کچھ ہی زیادہ مدت میں صرف میں فصول اکبری اور نحو میں کافیہ اور منطق میں مرقات تک کی کتابیں پڑھ لینے کے بعد سنبھل کے مشہور درسی عالم حضرت مولانا کریم بخش صاحب (۱۳۶۱ھ) کی نگرانی اور خدمت میں دے کر مئو (ضلع اعظم گڑھ) بھیج دیا گیا۔جہاں کے ایک مدرسہ میں مولانا موصوف صدر مدرس تھے۔تین سال اس مدرسہ میں زیر تعلیم رہے۔درسی متوسطات قریب قریب پوری ہو گئیں۔میر زاہد رسالہ مع حواشی غلام یحییٰ، شرح ہدایۃ الحکمۃ للمیبذی، حسامی، شرح عقائد نسفی، دیوان متنبی تک کی درسی کتابیں ان تین سالوں میں اسی مدرسہ میں

پڑ ھے۔

مولانا کریم بخش صاحب مرحوم وطن عزیز سنبھل ہی کے ایک مدرسے میں صدر مدرس ہو کر وہیں رہ گئے۔ مولانا نعمانی بھی اس سال وہیں رہے اور سال میں صرف معقول کی بقیہ درسی (اور بعض غیر درسی بھی) کتابیں پڑ ھیں یعنی حمد اللہ، قاضی مبارک، بحر العلوم، شرح سلم، میر زاہد، ملا جلال، اس کا حاشیہ بحر العلوم، صدرہ، شمس بازغہ، خیالی، میر زاہد امور عامہ، توضیح تلویح اس کے علاوہ دینیات میں اس سال جلالین کے صرف ابتدائی چند پارے بھی پڑھے۔

مولانا محمد منظور نعمانی ؒ ۲۳ شوال ۱۳۴۳ھ کو دارالعلوم دیو بند میں حاضر ہوئے (جب کہ ان کی عمر ۱۹ سال تھی) ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مدرسہ الشرع سنبھل سے معقولات کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے دیو بند پہنچے تھے۔ امتحان داخلہ دینے کے لئے جن کتابوں کے نام درج ہیں ان میں قاضی مبارک، امور عامہ، صدرا، توضیح وغیرہ شامل ہیں۔ ممتحن نے ان کتابوں میں کامیابی کے نمبرات دے کر انہیں مشکوٰۃ شریف کی جماعت میں داخل کیا۔ پورے سال وہ انہماک کے ساتھ تعلیم حاصل کرتے رہے اور امتحان سالانہ میں امتیازی نمبروں سے اول پوزیشن حاصل کی۔

اس زمانے میں دیو بند ہندوستان ہی نہیں پورے عالم اسلام میں دینی علوم کی تدریس و تعلیم کا عظیم ترین مرکز تھا۔ جہاں ان علوم کے وہ ماہر اساتذہ جمع تھے جو اپنے فن میں امتیاز و کمال رکھتے تھے اور ساتھ ہی صلاح و تقویٰ میں اسلاف کا نمونہ تھے۔ دارالعلوم دیو بند سے ان کے ابتدائی اور طالب علمانہ تعلق میں بھی توفیق ایزدی کی یہی روح کار فرما نظر آتی ہے کہ ان کے والد مرحوم جناب صوفی احمد حسین صاحب ذوق و مشرب کے اعتبار سے اہل دیو بند سے قریب نہیں تھے لیکن اس کو توفیق خداوندی ہی کہا جائے گا کہ انہوں نے اس اختلاف کے باوجود اپنے فرزند کو حدیث پاک کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے دیو بند بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

مولانا محمد منظور نعمانی ؒ کا دارالعلوم میں طالب علمی کا دور دو سال ۱۳۴۳ھ تا ۱۳۴۵ھ تک رہا۔ یہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری ؒ کی صدارت تدریس کا آخری دور تھا۔ ان سے انہوں نے استفادہ کیا اور ان کے خاص شاگردوں میں شمار ہوئے۔ تعلیمی سال کے خاتمے پر جب معمول کے مطابق سالانہ امتحان ہوا تو مولانا نے امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔

جب مولانا محمد منظور نعمانی ؒ شوال ۴۳ھ میں ایک طالب علم کی حیثیت سے دارالعلوم دیو بند میں داخل ہوئے ، اس سال مشکوٰۃ اور ہدایہ اخیرین وغیرہ وہ کتابیں پڑ ھیں جن کا دورہ حدیث سے پہلے پڑھنا ضروری تھا۔
مشکوٰۃ شریف، مولانا سراج احمد رشیدی سے پڑھی۔ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن ؒ سے مولانا محمد منظور نعمانی ؒ نے اجازت حدیث حاصل کی ؒ۔ دارالعلوم کے اس وقت کے اکابر و اساتذہ میں ایک امتیازی فضیلت مولانا مفتی عزیز

الرحمٰنؒ کی یہ بھی تھی کہ ان کی سند سب سے عالی تھی۔ ان کو صحاح ستہ وغیرہ کتب حدیث کی اجازت حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل تھی اور وہ حدیث میں براہ راست حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ اگرچہ مشہور یہ بھی ہے کہ حضرت گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور ان سے بھی اجازت تھی۔ مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ کے علوسند کے اس امتیاز کی وجہ سے دورہ حدیث کے بہت سے طلبہ ان سے حدیث کی خصوصی سند اور اجازت بھی لیتے تھے۔ اس طرح مولانا نعمانیؒ کو بھی یہ سعادت حاصل ہوئی۔ رجب ۱۳۴۵ھ میں جب دورۂ حدیث کی اکثر کتابیں ختم ہو چکی تھیں تو مفتی صاحب سے اجازت و سند کی درخواست کی۔ مفتی عزیز الرحمٰنؒ نے شیوخ حدیث کے طریقہ پر صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، موطا امام مالک، موطا امام محمد، اور امام طحاویؒ کی شرح معانی الآثار کے اوائل سنے اور ان سب کتابوں کی اور ان کے ساتھ حصن حصین کی بھی اجازت مرحمت فرمائی۔

دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ میں ایک مولانا سید حسن دیوبندی مرحوم تھے۔ بڑے صالح عالم دین تھے۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے بیعت اور اصلاح و تربیت کا تعلق تھا۔ ان سے بھی مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے پڑھا۔

اس زمانے میں جب مولانا محمد منظور نعمانیؒ دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے، دارالعلوم کے جو طلباء اپنی اصلاح کے لئے کسی صاحب ارشاد شیخ سے تعلق قائم کرنا چاہتے تھے وہ یا تو دیوبند ہی میں حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مجددی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق قائم کر لیتے تھے یا پھر حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تھانہ بھون جایا کرتے تھے۔ بعض طلباء سہارنپور جا جا کر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے بھی بیعت ہوتے تھے لیکن دارالعلوم دیوبند میں جب مولانا کا آخری سال دورہ حدیث کا تھا اس سال کے شروع ہی میں حضرت سہارنپوری مدینہ طیبہ ہجرت فرما گئے تھے اور کچھ ہی عرصہ کے بعد وہیں وصال ہو گیا۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ طالب علمی کے زمانہ میں خاص کر دارالعلوم کی طالب علمی کے دو سالوں میں صرف طالب علم تھے اور اول و آخر دلچسپی بس درس و مطالعہ سے تھی۔ جب سال کا اختتام قریب آیا جس کے بعد دارالعلوم میں قیام کا خاتمہ تھا تو بیعت کے حوالے سے سوچا۔ لہٰذا انہوں نے محسوس کیا کہ زندہ اکابر میں سب سے زیادہ عقیدت و محبت مولانا انور شاہ کشمیریؒ سے ہے۔ اس لئے ان سے ہی بیعت کی درخواست کرنی چاہئے۔ مولانا نعمانیؒ نے درخواست پیش کی لیکن مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے دوسرے اکابر کی طرف رجوع کرنے کے لئے کہہ دیا اور پھر ان کا جلد ہی وصال ہو گیا۔

غیر رسمی استفادہ کے حوالے سے مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے جن شخصیات سے استفادہ کیا ان میں ایک مولانا حسین علی صاحب تھے، جو فہم قرآن کے حوالے سے منفرد طریقہ کے حامل تھے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ جب دارالعلوم میں زیر تعلیم تھے ان دو سالوں میں مولانا حسین احمد مدنیؒ کا مستقل

قیام سلہٹ میں رہتا تھا لیکن دیو بند بار بار تشریف لانا ہوتا تھا چنانچہ ہر دفعہ طلبہ اور مدرسین کے اصرار سے آپ نے تقریر بھی فرمائی۔اس زمانہ کی آپ کی تقریریں معلومات سے معمور ہوتی تھیں۔خاص طور سے طلباء ان سے بہت فائدہ اٹھاتے تھے۔

مولانا محمد منظور نعمانی ؒ کی زندگی سخت جدو جہد، جفاکشی اور مشقتوں سے پر تھی۔آواز اس قدر زوردار تھی جب لاؤڈ اسپیکر عام نہیں ہوئے تھے دس دس ہزار کے مجمع تک ان کی آواز آسانی سے پہنچ جاتی تھی۔پھر معذوریاں آئیں تو وہ جسمانی حد تک محدود رہیں۔دل و دماغ آخر تک جوان رہے۔یاداشت بلا کی تھی۔برسوں پہلے کہی باتیں انہیں الفاظ میں سنادیا کرتے تھے جن الفاظ میں خود کہی یا سنی تھیں۔

مولانا محمد منظور نعمانی ؒ نے اپنے تمام اعمال وافعال کو عبادت بنادیا تھا۔ان کے یہاں نہ تو اوراد و وظائف کی کثرت ملتی ہے نہ نوافل کی۔ان کے معمولات میں کوئی ایسا عمل نظر نہیں آتا جو عام آدمی کے لئے مشکل یا دشوار ہو۔انہوں نے اپنے عمل سے دین کے ''یسر'' ہونے کو ثابت کر دکھایا۔جب تک صحت رہی گھر کا سودا سلف لانے میں کبھی نہ ہچکچائے۔اپنی ڈاک خود نمٹاتے اور زکوٰۃ و ذاتی رقوم کے ایک ایک پیسے کا حساب خود رکھتے۔وقت کی قدر ان کے یہاں جیسی تھی وہ بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ایک منٹ بھی ضائع کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔بلا وجہ لوگوں سے ملاقات انہیں پسند نہ تھی۔کسی دینی فائدے کے لئے لوگ بیٹھیں تو بہت مبارک ورنہ کسی کا بیٹھنا انہیں اچھا نہ لگتا۔اسی وجہ سے ان کے پاس حواریوں کا جمگھٹ بھی نہ لگ سکا۔

مولانا محمد منظور نعمانی ؒ کی طبیعت میں احتیاط اور احساس ذمہ داری ہر معاملہ میں تھا۔خطوط لکھاتے تو الفاظ انتہائی نپے تلے ہوتے۔اگر کاتب سننے میں غلطی کے باعث یا اپنی فہم کے مطابق جانے انجانے میں الفاظ کی ترتیب میں ردوبدل کر دیتا تو جب دستخط کرنے کے لئے خط پر نظر ڈالتے تو وہاں آ کر فوراً رک جاتے اور اس کی اصلاح کراتے۔

مولانا محمد منظور نعمانی ؒ کو جرات کے وصف سے بھی اللہ تعالیٰ نے پوری طرح آراستہ کیا تھا۔کیسے بھی حالات ہوں ان کو کبھی خوف زدہ یا پریشان نہیں دیکھا۔۱۹۴۷ء کے سخت مسلم مخالف حالات اور فرقہ وارانہ فضا میں انہوں نے جرأت کے نمونے پیش کئے۔اپنی کتاب ''انسانیت زندہ ہے'' میں انہوں نے چار اہم واقعات نقل کئے ہیں وہ پڑھنے کے لائق ہیں۔فتنوں کے رد کے سلسلے میں مخالفین نے بارہا انہیں جان سے مارنے کی دھمکیاں دیں لیکن وہ ان سے خوف زدہ نہیں ہوئے۔مناظروں کے دور میں اس طرح کی دھمکیوں کے جواب میں انہوں نے لکھا:

''او صداقت کے دشمن! محمد منظور نعمانی فانی ہے اس کو فنا کیا جا سکتا ہے مگر خدا کا مقدس دین غیر فانی ہے اس کی خدمت بھی غیر فانی ہے اس کو کوئی نہیں مٹا سکتا۔تاریخ عالم شاہد ہے کہ جس نے اس کو مٹانے کا ارادہ کیا تو خود صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔اگر بالفرض مجھے اس سلسلے میں موت آئی تو موت ہی میرے کام کے بقا و دوام کی ضامن ہوگی۔''

مولانا محمد منظور نعمانیؒ فرض نمازیں ہمیشہ باجماعت ہی پڑھتے تھے اور جماعت کو نماز کی پابندی کا بہترین نسخہ بتاتے تھے۔ فرماتے تھے کہ جو جماعت کی پابندی کرنا چاہتا ہے وہ تکبیر تحریمہ میں پہنچنے کی عادت ڈالے۔ ممکن ہے کبھی تکبیر تحریمہ چھوٹ جائے لیکن ان شاء اللہ جماعت اسے ضرور ملے گی اور جو نماز کی پابندی کرنا چاہتا ہے وہ جماعت کی پابندی کا خیال کرے اس طرح ہوسکتا ہے کہ کسی وقت اس کی جماعت چھوٹ جائے لیکن ان شاء اللہ اس کی نماز نہیں چھوٹے گی۔ ان کا ذاتی عمل یہ تھا کہ جب معذوری کی وجہ سے مسجد جانے کے قابل نہ رہے تو بھی اپنی امکانی کوشش سے ہر نماز جماعت سے ہی ادا کی۔ جماعت کی خاطر نماز کو مؤخر یا مقدم بھی فرمادیتے اور کبھی جمع بین الصلاتین بھی کرتے۔ گھر میں کوئی بڑا نہ ہوتا تو گھر کے کسی بچے ہی کو شریک کر لیتے لیکن باجماعت ہی ادا کرتے۔ جب امامت فرماتے تھے تو مقتدیوں کا بے حد خیال کرتے تھے اور اکثر مختصر ہی نماز پڑھاتے تھے۔

ان کی اکثر نفل نمازیں بہت طویل ہوتیں تھیں کسی بھی آیت یا دعائیہ کلمہ کو بار بار پڑھتے۔ ایسا لگتا تھا کہ جب تک دل کی کوئی خاص کیفیت نہ ہو جائے وہ اس سے آگے بڑھنا ہی نہیں چاہتے ہوں۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ زکوٰۃ کا پورا حساب رکھتے تھے۔ اپنی پیشگی زکوٰۃ ادا کرتے تھے اور ماہ مبارک آنے پر ایک ایک پیسے کا حساب لگا کر حساب بیباق کر دیتے۔ بہت سے عقیدت مند حضرات ان کے ذریعے اپنی زکوٰۃ کی ادائیگی کراتے تھے وہ اس کا مکمل حساب الگ رکھتے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ ذاتی زندگی میں دعا سے خاص لگاؤ رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے ''معارف الحدیث'' کی جلدوں میں جلد پنجم (جو کتاب الاذکار والدعوات پر مشتمل ہے) سے انہیں زیادہ تعلق نظر آتا ہے۔ عام طور سے معارف کی اس جلد اور اپنی کتاب ''نماز کی حقیقت'' پڑھنے کے لئے بار بار توجہ دلاتے۔ ہر مشکل مسئلے اور پریشانی کا حل ان کے یہاں دعا اور نماز تھی۔ بیماریوں یا کسی بھی قسم کی تکالیف کے لئے ہمیشہ کوئی دعا پڑھنے کے لئے بتاتے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ معاشرت و معاملات میں اللہ کے احکام اور شریعت رسول ﷺ کی کامل تابعداری کرتے تھے بلکہ اس کے تحت آنے والے زندگی کے ہر پہلو کو انہوں نے احکام شریعت کے مطابق ڈھال لیا تھا۔ ''اہل قرابت، ہمسایہ، کمزور و حاجت مندوں کا انہیں بے حد خیال تھا۔ مدد کا بھی ان کا عجیب طریقہ تھا وہ انتہائی خاموشی سے تو ہوتی ہی لیکن اس کی بھی کوشش کی جاتی کہ جس کی مدد کی جارہی ہے وہ اس کا عادی نہ ہو جائے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ اولاد کے بارے میں کافی سخت تھے۔ غالباً ان کی تربیت کے لئے سختی کو ضروری سمجھتے تھے۔ چاہتے تھے کہ اولاد زندگی کے ہر شعبے میں آداب اور شریعت کی پوری پابندی کرے اور وہ ظاہری طور پر بھی شریعت کے پورے پابند نظر آئیں۔ اس لئے ان کے شرعی لباس کا بھی خیال رکھتے تھے اور اس میں کافی سختی بھی کیا کرتے تھے۔ ہمیشہ پاجامہ پہناتے، پاجامہ ٹخنے سے نیچے کبھی نہیں ہوتا تھا۔ انہیں بچوں کا دوستوں میں بیٹھنا، کھیل کود میں وقت صرف کرنا بہت ناپسند تھا۔ خاص طور پر ترک نماز تو بالکل ہی برداشت نہیں کرتے تھے۔ بچوں کی غلطیوں پر وہ

غصہ ہوتے اور غصہ میں ان کی اچھی مرمت بھی کر دیتے تھے البتہ غصے کے بعد ان کا عمل واقعی بیان کرنے کے قابل ہے۔ جب بھی زیادہ غصہ آتا تو اس کے فوراً بعد رہائشی مکان سے متصل مسجد چلے جاتے اور وضو فرماتے۔ اکثر وضو کے بعد نفل پڑھتے اور دعا و استغفار کرتے۔

معاشرتی زندگی میں اسراف اور فضول رسم و رواج کے مولانا نعمانیؒ سخت خلاف تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے، بیٹیوں کی شادیاں بہت سادہ انداز میں کیں۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ اپنے گھر کے کام خود کرنے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے۔ اپنے گھر کے ہر طرح کے کام کے لئے وہ بازار جا سکتے تھے۔ گوشت لانا ہو، سبزی ترکاری لانا ہو، کپڑا خریدنا ہو غرض جو بھی گھر کی ضرورت ہو وہ بے تکلف اسے انجام دیتے تھے مگر یہ کہ کوئی اور اسے انجام دینے کے لئے موجود ہو۔ اس مزاج نے انہیں عمر کے اس آخری دور کے سوا جس میں معذورانہ مجبوری کی صورت پیدا ہوگئی تھی خدام سے ہمیشہ بے نیاز رکھا۔ ہر بڑے میں یہ صفت بھی پائی جاتی ہے کہ وہ چھوٹوں کو نوازتے اور ان کی قدر و حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ مولانا نعمانیؒ موصوف میں یہ وصف بدرجہ اتم موجود تھی۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کو اللہ تعالیٰ نے قوت حافظہ اور ذکاوت و ذہانت کی دولت سے بھی نوازا تھا۔ مولانا نعمانیؒ نے کتابیں محنت سے پڑ مداور پڑھائیں۔ اپنے اساتذہ بالخصوص علامہ کشمیریؒ کے تلمذ و تعلق نے ان کے اندر علمی رسوخ و کمال پیدا کر دیا تھا جو آئندہ ترقی کرتا رہا۔ ان کی تاسات سے یہ حقیقت بالکل عیاں ہے۔ بالخصوص ان کی کتاب معارف الحدیث خاص طور سے کتاب الایمان میں مشکل مقامات کو جس طرح حل کر دیا ہے اور آسان بنا دیا ہے وہ طلبہ و علماء سب کے لئے یکساں قابل مطالعہ و استفادہ ہے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی ساری زندگی کے رفیق حضرت مولانا علی میاںؒ نے ان کے علمی رسوخ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا: علمی رسوخ بہت اونچی چیز ہے اور ایک خاص امتیاز ہے۔ میں اللہ کے گھر میں بیٹھ کر شہادت دیتا ہوں کہ مولانا کو علم حدیث میں، تفسیر میں، علم کلام میں اور فرق محرفہ اور منحرفہ کے بارے میں جو وسیع معلومات تھیں ان سے جو غیر معمولی واقفیت تھی اور ان کی کمزوریوں اور ان سے پیدا ہونے والے خطرات کا جتنا صحیح اندازہ ان کو تھا، وہ ہندوستان کے مشاہیر علماء کو بھی حاصل نہیں۔''

مولانا محمد منظور نعمانیؒ زبردست مناظر تھے۔ وہ فرق باطلہ اور فرق منحرفہ کی کتابوں سے بہت گہری واقفیت رکھتے تھے اور ان کی بہت سی عبارتوں تک کے حافظ تھے۔ وہ اس طرح عبارت زبانی سناتے کہ جیسے دیکھ کر پڑھ رہے ہوں۔ اس درجہ مولانا کا استحضار اور حافظہ قوی تھا کہ اس میں مولانا کا کوئی شریک نہیں۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی ہر مجلس بڑی علم آموز، معلومات افزا ہوتی تھی۔ ان کی مجلس میں لایعنی باتوں کا گذر نہیں تھا۔ ان کا حافظہ غیر معمولی تھا۔ بات سنتے ہی مسئلہ کی پوری وضاحت فرما دیتے۔ پیری اور معذوری کے عالم

میں بھی ان کا حافظہ جوان اور تازہ تھا۔ ساٹھ ستر سال پرانے واقعات اس طرح تفصیل اور تیقّن کے ساتھ سناتے تھے گویا یہ ابھی کل کے واقعات ہوں۔ ماضی کے اوراق پلٹتے تو تاریخ کا دفتر کھل جاتا۔ اپنے اساتذہ واکابر کے علم وفضل ،اخلاص وللّٰہیت، تواضع، بے نفسی کے واقعات بہت مزے لے لے کر سناتے۔ تحریک آزادی، تحریک خلافت، لیگ و کانگریس کی کشمکش، جمعیۃ العلماء اور خاکسار تحریک کے بارے میں بہت سی وہ معلومات دیتے جو مدوّن تاریخ کے اوراق میں اب تک محفوظ نہ ہوسکیں۔ مولانا نعمانیؒ کے بیان کردہ واقعات وحقائق قلمبند کر لئے گئے ہوتے تو تاریخ و سوانح کا بڑا قیمتی اور نادر ذخیرہ ہوتا لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہوسکا اور بے شمار واقعات وحقائق مولانا کے سینے میں دفن ہوکر چلے گئے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے عمر کا خاصہ طویل حصہ جسمانی معذوریوں میں گذارا۔ ۱۹۷۴ء میں جب وہ مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے تھے۔ دیوبند میں رکشا سے گرنے کی وجہ سے ان کی کولہے کی ہڈی کھسک گئی۔ اس کے بعد موصوف تقریباً صاحب فراش ہی رہے۔ آخری چند سال تو اس طرح گذرے کہ اٹھنا بیٹھنا کروٹ لینا سب کچھ دوسروں کے ہاتھوں ہوا کرتا تھا، شدید تکلیفوں سے دو چار رہے، سماعت، بصارت، گویائی سب بری طرح متاثر ہوئیں لیکن یاداشت اور دماغ برابر کام کرتے رہے۔ ان تکلیفوں اور معذوریوں میں مولانا نعمانیؒ کا صبر وشکر قابل رشک تھا۔ کبھی حرف شکایت زبان پر لاتے نہیں سنا گیا۔ زبان ذکر سے تر رہتی تھی اور اللہ کے بے پایاں انعامات یاد کر کے سراپا سپاس رہتے تھے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ تواضع کا نمونہ تھے۔ کسی جنازے کی نماز میں کوئی دوسرا صاحب علم موجود ہوتا تو خود پیچھے رہنے کی کوشش کرتے۔ مگر دوستوں (اور یہ لفظ ان کے یہاں بڑا وسیع تھا) میں کسی کا انتقال ہوجاتا تو نہلانے کے لئے خود آگے بڑھتے اور قبر میں بھی اسے اپنے ہاتھوں سے سلانا چاہتے تھے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ خانقاہ رائے پور کے ساتھ تصوف کا تعلق رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں شاہ عبد القادر رائے پوریؒ سے وہ بیعت ہوئے۔ اکابر دیوبند اور سلسلہ ولی اللٰہی کے مشائخ سے مولانا نعمانیؒ کو عقیدت تھی اور ان کے واقعات کو اکثر بیان کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دارالعلوم کے طلباء سے بات چیت کرتے ہوئے کہا۔

> ''ہمارے اکابر کو بنسبت بعض دیگر ممالک کے علماء کے جو ممتاز کامیابی ملی اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ وہ علمی اعتبار سے ان سے بہتر تھے بلکہ اس کا اصل سبب ان کی للّٰہیت، زہد وتقویٰ، ذوق عبادت، سادگی واخلاص اور مجاہدہ کا مزاج جیسی صفات تھیں۔ ہمارے مدارس صرف ایک دانش گاہ نہیں تھے بلکہ وہ دعوت واحیائے دین کی جدوجہد کے مراکز تھے اور یہاں کی زندگی کا عمومی نقشہ وہی تھا جو ایک ایسی اعلیٰ مقصد کی زندگی کا ہونا چاہئے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ حکمت ولی اللہی کو دین کی تفہیم وتشریح کا ایک کامیاب ترین انداز سمجھتے تھے۔ اکثر کہا کرتے تھے۔

''جتنا مطالعہ اور علم بڑھتا جاتا ہے عموی طور پر حضرت شاہ صاحبؒ کی حکمت کی گہرائی عیاں ہوتی جاتی ہے''

ان کی خواہش تھی کہ کم از کم حجۃ اللہ البالغہ مدارس میں پڑھائی جائے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی زندگی کے حالات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کی زندگی کی سب سے نمایاں خصوصیت سراپا مقصدیت اور اس کے مطابق مشغولیت تھی۔ عمر کا کوئی لمحہ انہیں ضائع کرتے اور کسی ایسے کام میں صرف کرتے نہ پایا گیا جس کے بارے میں خیال کیا جاسکے کہ وہ آخرت میں کام آنے والا نہ تھا۔ ہمہ تن کام ہی کے اس ذوق ومزاج نے انہیں اپنے وقت کے معاملہ میں بے حد حساس بنادیا تھا۔ طبعاً وہ خشک نہ تھے اس کو تمام قریبی تعلق والے جانتے ہیں لیکن بے ضرورت ایک منٹ بھی کسی کو دینا انہیں اپنے وقت کا ضیاع معلوم ہوتا تھا چنانچہ ان کے یہاں مجلس نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ اپنی ابتدائی زندگی میں مولانا مودودی کے ساتھ وابستہ ہوئے اور جماعت اسلامی کی تاسیس میں بنیادی کردار ادا کیا۔ یہ وابستگی بڑی پر جوش اور سرگرم تھی لیکن اس کے باوجود جب ان کو محسوس ہوا کہ ان سے فکر ونظر کی غلطی سرزد ہوئی، تو مودودی صاحب سے علیحدگی اختیار کرنے میں دنیا کی شرم یا کوئی اور چیز رکاوٹ نہ بن سکی۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ کسی تحریک سے وابستہ ہونے اور اس کی طرف دوسروں کو بھی پوری قوت سے دعوت دینے کے بعد اس سے علیحدہ ہونا نفسیاتی طور پر بڑا سخت مرحلہ ہوتا ہے اور یہ فیصلہ وہی شخص کرسکتا ہے جو تلاش حق کا سچا جذبہ اور اپنی غلطی کے اعتراف کی اخلاقی جرأت رکھتا ہو۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی عادت تھی کہ تبسّم ان کے لبوں پر ہمیشہ سجا رہتا۔ یہ ان کی فطرت بھی تھی اور بوجہ طلق کی تعمیل حکم نبوی بھی۔ کیا اساتذہ، کیا طلبہ، اور کیا دیگر کارکنان، وہ ہر ایک سے خوش دلی ملتے۔ خوش بیاں رہتے اور خوش فکر نظر آتے۔ ملاقات ہوتی تو سلام کا انتظار نہ کرتے خود پہل کر لیتے اگر چہ وابستگان دامن نعمانیؒ اس کا موقعہ ان کو کم دیتے۔ سلام کے جواب میں پیار بھرے انداز میں اور محبت آمیز حرکات وسکنات سے حال واحوال پوچھتے، پھر سلسلہ کلام دراز کرتے، ہنس ہنس کر، پیار پیار میں اور سوجھ بوجھ سے سب کچھ کہہ جاتے۔ ان کے کتھن میں نصیحت بھی ہوتی، سرزنش بھی، افادہ علمی بھی ہوتا، فیض رسانی بھی، موقع ومحل کی بات بھی ہوتی اور حقیقت جاودانی بھی، محبت و شفقت کا اظہار بھی ہوتا اور تعلق ویگانگت بھی۔ ان کو ایسے مواقع پر بھی طنز وتعریض اور استہزاء وتمسخر سے ہمیشہ گریزاں پایا، وہ نہ شرمندہ کرتے اور نہ خود شرمسار ہوتے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ معاملات میں رائے قائم کرنے سے پہلے مختلف لوگوں سے تبادلہ خیال کرتے اور غور

وفکر کے بعد جو رائے قائم کر لیتے اس کو صاف طور پر پیش کرتے تھے۔کسی کی رعایت کی بنیاد پر چشم پوشی یا مداہنت ان کی عادت نہیں تھی۔

انہیں اپنی رائے پیش کرنے کا بڑا سلیقہ تھا۔مجلس کے آداب اور تمام اراکین مجلس کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ اپنی رائے پیش کرتے تھے۔بڑے محتاط الفاظ استعمال فرماتے تھے۔لب ولہجہ سے تواضع اور انکسار جھلکتا تھا۔بسااوقات تأثر کی شدت میں آواز بھرا جاتی تھی۔کبھی آنکھیں بھی نم ہو جاتی تھیں اور اگر وہ کسی کے بارے میں یہ سمجھ لیتے تھے کہ وہ کسی وجہ سے ان کی بات پر سنجیدگی سے غور نہیں کر پائیں گے تو وہ ان سے تنہائی میں ملتے۔اپنی رائے پیش کرتے،دوسرے کے موقف کو سمجھنے کی کوشش کرتے اور عام طور پر یہ ہوتا کہ دوسرے کو اپنی رائے پر مطمئن کر لیتے یا دوسرے کی رائے قبول کر کے خود مطمئن ہو جاتے۔اسی لئے دارالعلوم کے معاملات میں ان کے اخلاص و دیانت،غیر جانبداری اور اصابت رائے کو دیکھتے ہوئے دوسروں کا بیشتر ان سے اتفاق رائے رہتا تھا۔

ان میں ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ اپنی رائے کو کبھی اپنی ذات کا مسئلہ نہیں بناتے تھے۔اگر اپنی رائے کی کمزوری واضح ہو جاتی تو اس کو برملا واپس لے لیتے تھے اور اگر کمزوری بھی واضح نہ ہوتی تو مجلس کے ضابطہ کے مطابق کثرت رائے کا احترام کرتے۔کبھی انہیں اپنی بات کی پچ کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔اصابت رائے میں ان کا خصوصی مقام تھا اور مجلس ان کی رائے کو بڑی اہمیت دیتی تھی۔بارہا ایسا ہوا مجلس میں اختلاف رائے ہوا تو مسئلہ مولانا نعمانی صاحب کے سپرد کر دیا گیا اور انہوں نے جو رائے پیش کی اسی کو فریقین نے قبول کر لیا۔

﴿-----☆----﴾

حوالہ جات: باب اوّل

1۔ القرآن، ۲۲:۳۵

2۔ القرآن، ۷۸:۲۳

3۔ القرآن، ۷:۱۳

4۔ البخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، (ترجمہ و شرح مولانا ظہور الباری اعظمی) ، تفہیم البخاری، ، حدیث ۳۲۵ باب ۲۳۳، ص ۱۹۶، ج ۱، ، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۸۵ء

5۔ سرور، پروفیسر (افکار مولانا عبیداللہ سندھی)، حالات زندگی، تعلیمات اور سیاسی افکار، ص ۲۶۸، لاہور، المحمود اکیڈمی، ۱۹۷۶ء

6۔ سعید الرحمان، مفتی، مولانا الیاس دہلوی کا تصور دین، ص ۲، شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۹۲ء،

7۔ القرآن، ۲۲:۹

8۔ القرآن، ۱۱۰:۳

9۔ سعید الرحمان، مفتی، مولانا الیاس دہلوی کا تصور دین، ص ۲، محولہ بالا

10۔ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، اشاعت خاص (بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)، ص ۶۰۳، اپریل ۱۹۹۸ء تا اگست ۱۹۹۸ء

11۔ ایضاً، ص ۶۰۴ تا ۶۰۵

12۔ محمد منظور نعمانی، مولانا، (ترتیب: عتیق الرحمن سنبھلی) تحدیث نعمت آپ بیتی، ص ۲۱ تا ۲۲، قریشی پبلشرز، ، لاہور، ۱۹۹۷ء

13۔ ساحل کراچی (بانی و مدیر، مولوی ڈاکٹر خالد علی انصاری)، شمارہ نمبر ۸، ص ۶ تا ۷، جلد ۱، اگست ۲۰۰۶ء،

14۔ ایضاً، ص ۷

15۔ ایضاً، ص ۷ تا ۸

16۔ ایضاً، ص ۷

17۔ ایضاً، ص ۸

18۔ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، اشاعت خاص (بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)، ص ۶۰۵ تا ۶۰۶ محولہ بالا،

19۔ ایضاً، ص ۳۵۲

20۔ ایضاً، ص ۱۱۰ تا ۱۱۱

21۔محمد منظور نعمانی،مولانا،(ترتیب:عتیق الرحمٰن سنبھلی)تحدیث نعمت آپ بیتی،،ص ۲۵،قریشی پبلشرز،،لاہور،۱۹۹۷ء

22۔ایضاً،ص ۳۰

23۔ایضاً،ص ۱۰۹ تا ۱۱۰

24۔ایضاً،ص ۲۱ تا ۳۳،بحولہ بالا،

25۔ایضاً،ص ۳۳ تا ۳۴

26۔ماہنامہ الفرقان لکھنؤ،اشاعت خاص(بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)،ص ۱۲۷ تا ۲۹۔

۔ایضاً،ص ۱۶۸

28۔ایضاً،ص ۱۸۸

29۔ماہنامہ الفرقان لکھنؤ،اشاعت خاص(بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)،ص ۳۵ تا ۳۶

30۔ایضاً،ص ۲۳۶،بحولہ بالا،

31۔ایضاً،ص ۲۴۳ تا ۲۴۴

32۔ایضاً،ص ۳۴۰ تا ۳۴۱

33۔ماہنامہ الفرقان لکھنؤ،اشاعت خاص(بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)،ص ۳۵۳،بحولہ بالا

34۔ایضاً،ص ۳۵۴

35۔ایضاً،ص ۳۵۴

36۔ماہنامہ الفرقان لکھنؤ،اشاعت خاص(بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)،ص ۳۵۴،بحولہ بالا،

37۔ایضاً،ص ۳۵۵

38۔ایضاً،ص ۳۵۵

39۔ماہنامہ الفرقان لکھنؤ،اشاعت خاص(بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)ص ۳۵۵،۳۵۶،بحولہ بالا،

40۔ایضاً،ص ۳۵۶

41۔ایضاً،ص ۳۵۷

42۔ایضاً،ص ۳۵۷

43۔ماہنامہ الفرقان لکھنؤ،اشاعت خاص(بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)،ص ۳۵۸

44۔ماہنامہ الفرقان لکھنؤ،اشاعت خاص(بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)،ص ۳۵۸

45۔ایضاً،ص۳۵۸

46۔ایضاً،ص ۳۶۱

47۔ایضاً،ص ۳۶۱

48۔ماہنامہ الفرقان لکھنؤ،اشاعت خاص(بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)،ص ۳۶۱

49۔ایضاً،ص ۳۶۲

50۔ایضاً،ص ۲۷۶

51۔ایضاً،ص ۱۹۲

52۔ماہنامہ الفرقان لکھنؤ،اشاعت خاص(بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)،ص ۲۰۲ تا ۲۰۳

53۔ایضاً،ص ۱۲۴

54۔ص ۱۰۲ تا ۱۰۳

55۔ایضاً،ص ۲۴۷

56۔ماہنامہ الفرقان لکھنؤ،اشاعت خاص(بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)،ص ۲۴۹

57۔ایضاً،ص ۲۷۱

58۔ایضاً،ص ۲۷۲

59۔محمد منظور نعمانی،مولانا،(ترتیب:عتیق الرحمٰن سنبھلی)تحدیث نعمت آپ بیتی،۱۵۰،محولہ بالا

60۔ایضاً،ص۱۷۵تا۷۵

61۔ماہنامہ الفرقان لکھنؤ،اشاعت خاص(بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)،ص ۱۸۹ تا ۱۹۵

62۔ایضاً،ص ۱۹۸

63۔ایضاً،ص ۲۰۰ تا ۲۰۱

64۔ماہنامہ الفرقان لکھنؤ،اشاعت خاص(بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)،ص ۳۷۷،محولہ بالا

65۔ایضاً،ص ۳۷۷

66۔ایضاً،ص۳۷۸

67۔ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، اشاعت خاص (بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)، ص ۳۷۸

68۔ ایضاً، ص ۳۷۹

69۔ ایضاً، ص ۳۷۹

70۔ ایضاً، ص ۳۷۹

71۔ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، اشاعت خاص (بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)، ص ۳۷۹

72۔ ایضاً، ص ۳۷۹

73۔ ایضاً، ص ۳۸۰

74۔ ایضاً، ص ۳۸۰

75۔ ایضاً، ص ۳۸۰

76۔ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، اشاعت خاص (بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)، ص ۳۸۰

77۔ ایضاً، ص ۳۸۰

78۔ ایضاً، ص ۳۸۰

79۔ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، اشاعت خاص (بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)، ص ۳۸۱

80۔ ایضاً، ص ۳۸۱

81۔ ایضاً، ص ۳۸۱

82۔ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، اشاعت خاص (بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)، ص ۳۷۸

83۔ ایضاً، ص ۱۹۹

84۔ ایضاً، ص ۱۹۹

85۔ ایضاً، ص ۱۹۹

86۔ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، اشاعت خاص (بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)، ص ۲۴۸

87۔ ایضاً، ص ۳۶۸

88۔ ایضاً، ص ۳۷۰

89۔ ایضاً، ص ۳۷۰ تا ۳۷۱

90۔ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، اشاعت خاص (بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)، ص ۳۷۱

91۔ ایضاً، ص ۳۷۱

92۔ ایضاً، ص ۲۶۳

93۔ ایضاً، ص ۲۶۴

94۔ ایضاً، ص ۲۶۶

95۔ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، اشاعت خاص (بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ) ص ۲۶۶ تا ۲۶۷

96۔ ایضاً، ص ۴۹ تا ۵۰

97۔ ایضاً، ص ۷۱

98۔ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، اشاعت خاص (بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)، ص ۷۱ تا ۷۲

99۔ ایضاً، ص ۷۰

100۔ ایضاً، ص ۹۹

101۔ ایضاً، ص ۱۰۰

102۔ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، اشاعت خاص (بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)، ص ۱۰۰ تا ۱۰۱

103۔ ایضاً، ۷۶

104۔ ایضاً، ۷۷

105۔ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، اشاعت خاص (بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)، ص ۱۰۳

106۔ ایضاً، ص ۱۳۰

107۔ ص ۱۱۵ تا ۱۱۶

باب دوم مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی تدریسی خدمات

تمہید:۔

اسلام نے سب سے پہلے علم کی برتری اور فضیلت کا اعلان فرمایا کیونکہ علم کے بغیر نہ تو دین کا کوئی معاملہ کما حقہ استوار ہوسکتا ہے اور نہ ہی دنیا کا۔ چنانچہ اسلام کے منبع اوّل کی سب سے پہلی وحی کا سب سے پہلا لفظ اور حکم جو دنیا نے سناوہ ''اقرأ'' تھا حالانکہ اس خداوندی وحی کے اوّلین مخاطب ایک امّی محض تھے۔ایک ان پڑھ سے پڑھنے کا مطالبہ بظاہر بے معنی معلوم ہوسکتا ہے مگر نہیں، یہ مطالبہ اس لئے ہوا کہ نبی امّی کے ذریعہ جو وحی الٰہی دنیا کے رشدو ہدایت کے لئے آرہی ہے وہ ''کتاب'' ہوگی یعنی لکھی جائے گی ''قرآن'' ہوگی یعنی پڑھی جائے گی۔سب سے پہلے اقرأ کا مطالبہ اس لئے ہوا کہ تحریر وکتابت اور درس وتدریس کی ضرورت واہمیت دنیا پر روشن ہو جائے اور علم کو سینوں سے نکال کر کتابوں کی امانت میں دینے کی راہ کھلے چنانچہ سب سے پہلی وحی میں ہی تعلیم وتعلّم اور درس وتدریس کو واضح طور پر اجاگر کیا گیا۔

ارشاد خداوندی ہے:

''اقْــرَأْ بِــاسْــمِ رَبِّکَ الَّـذِیْ خَـلَـقَ .خَـلَـقَ الْـاِنْسَـانَ مِنْ عَـلَـقٍ . اقْــرَأْ وَرَبُّکَ الْأَکْـرَمُ .الَّـذِیْ عَـلَّـمَ بِـالْـقَـلَـمِ.عَـلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَم.''(1)

''پڑھ اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا ہے، بنایا آدمی کو جمے ہوئے لہو سے، پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔جس نے علم سکھایا قلم سے، سکھلایا آدمی کو جو وہ نہ جانتا تھا۔''(2)

مصر کی محققہ عطیہ الابرشی لکھتی ہیں۔

Islam is a religion of knowledge and light ,not of ignorance and darkness.The first verse revealed to the prophet commanded him repeatedly to read and to praise knowledge and learning.(3)

(اسلام علم وروشنی کا دین ہے نہ کہ جہالت وتاریکی کا۔پیغمبر اسلام پر جو سب سے پہلی وحی نازل ہوئی اس میں آپ کو بار بار پڑھنے ،علم کی تعریف اور اسے سیکھنے کا حکم دیا گیا)

قرآن حکیم علم کو باعث ارتقاء قرار دیتا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

"يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيْر. (4)

للہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں کے اور جن کو علم دیا گیا ان کے درجات بلند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے جو تم کرتے ہو۔

رسول اکرم ﷺ علم کی اسی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے حصول کو ہر مسلمان کے لئے فرض قرار دیتے ہیں ۔آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

طلب العلم فريضة على كل مسلم و مسلمة. (5)

علم کا حصول ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔

علم کی اہمیت کے حوالے سے آپ ﷺ کا ایک اور ارشاد ملاحظہ ہو۔فرماتے ہیں۔

انما العلم آية محكمة او سنة قائمة او فريضة عادلة. (6)

کہ علم تو آیات محکمات یا سنت قائمہ یا فریضہ عادلہ ہے۔

"اس حدیث کی تتبع میں امام غزالیؒ نے علوم کو فرض عین اور فرض کفایہ میں تقسیم کیا ہے۔ فرض عین تو معرفت الہیٰ پر مبنی علوم ہیں جبکہ فرض کفایہ سے مراد وہ علوم ہیں جو انسان کی مختلف ضرورتیں پوری کرتے ہیں مثلاً طب، زراعت، وغیرہ سوسائٹی میں سے کچھ لوگ ضرور ایسے ہونے چاہئیں جو ان کی تحصیل کریں ورنہ پورا معاشرہ ر رہوگا۔" (7)

ارشاد ربانی ہے۔

"كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولاً مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُواْ تَعْلَمُون" (8)

"جیسا کہ بھیجا ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے۔ جو پڑھ کر سناتا ہے تمہیں ہماری آیات اور پاک کرتا ہے تم کو۔ تعلیم دیتا ہے تم کو کتاب اللہ کی اور حکمت کی اور سکھاتا ہے تم کو وہ باتیں جو تم نہیں جانتے تھے۔" (9)

ارشاد خداوندی ہے۔

"قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُواْ مِن قَبْلُ لَفِي ضَلالٍ مُّبِينٍ" (10)

بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جبکہ ان کے اندر انہیں میں سے ایک عظیم الشان پیغمبر مبعوث فرمایا جو اللہ کی آیات یعنی قرآن ان کو پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور ان کو حکمت سکھاتا ہے بلاشبہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔'' (11)

علم کی جہاں اس قدر اہمیت ہے اسی کے ساتھ ساتھ علم سیکھنے اور سکھانے کی بھی بڑی اہمیت ہے۔
حدیث نبوی ﷺ ہے

''قال النبی صلی الله علیه وسلم لا حسد الا فی اثنین رجل اتاه الله مالاً فسلطه علی هلکة فی الحق و رجل اتاه الله الحکمة فهو یقضی بها و یعلمها. (12)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ حسد صرف دو باتوں میں جائز ہے ایک تو اس شخص کے بارے میں جسے اللہ تعالیٰ نے دولت دی ہو اور وہ اس دولت کو راہ حق میں خرچ کرنے پر قدرت رکھتا ہو اور ایک اس شخص کے بارے میں جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت (کی دولت) سے نوازا ہو وہ اس کے ذریعہ سے فیصلے کرتا ہو اور (لوگوں کو) اس حکمت کی تعلیم دیتا ہو۔

حدیث نبوی ﷺ ہے۔

''قال النبی صلی الله علیه وسلم و الیبلغ الشاهد الغائب. (13)
نبی کریم نے فرمایا اور حاضر غائب کو یہ بات پہنچادے۔

حدیث نبوی ﷺ ہے۔

''عن ابی موسیٰ عن النبی صلی الله علیه وسلم قال مثل ما بعثنی الله به من الهدی و العلم کمثل الغیث الکثیر اصاب ارضاً فکان منها نقیة قبلت المآء فا نبتت الکلاء و العشب الکثیر و کانت منها اجادب امسکت الماء فنفع الله بها الناس فشربوا وسقوا و زرعوا و اصاب منها طائفة اخری انما هی قیعا ن لا یمسک مآ ء و لا تنبت کلا ء فذٰلک مثل من فقه الدین و نفعه بما بعثنی الله به فعلم و علم و مثل من لم یرفع بذٰلک را ساً و لم یقبل هدی الله الذی ارسلت به. (14)

حضرت ابوموسیٰ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اللہ نے مجھے

جس علم و ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے اس کی مثال زبردست بارش کی سی ہے جو زمین پر (خوب) برسے۔ بعض زمین جو صاف ہوتی ہے وہ پانی کو پی لیتی ہے اور بہت بہت سبزہ اور گھاس اگاتی ہے اور بعض زمین جو سخت ہوتی ہے وہ پانی کو روک لیتی ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ اس سے سیراب ہوتے ہیں اور سیراب کرتے ہیں اور زمین کے بعض خطوں پر پانی پڑا وہ بالکل چٹیل میدان ہی تھے۔ نہ پانی کو روکتے ہیں اور نہ ہی سبزہ اگاتے ہیں تو یہ مثال اس شخص کی جو دین میں سمجھ پیدا کرے۔ نفع دیا اس کو اس چیز نے جس کے ساتھ میں مخاطب کیا گیا ہوں، جو اس نے علم سیکھا اور سکھایا اور اس شخص کی مثال جس نے سر نہیں اٹھایا (یعنی توجہ نہیں کی) اور جو ہدایت دے کر میں بھیجا گیا ہوں اسے قبول نہیں کیا۔

اس حدیث مبارکہ میں حضور اکرم ﷺ نے علوم نبوت سے افادہ اور استفادہ کی بہت ہی عمدہ مثال سے وضاحت فرمائی ہے۔ جس طرح بارش کے پانی سے فائدہ اٹھانے کے حساب سے تین طبقات ہوتے ہیں۔ اسی طرح علوم نبوت سے فائدہ اٹھانے والے لوگ بھی تین طرح کے ہیں۔ زمین کا ایک حصہ بہت زرخیز قسم کا ہوتا ہے۔ جو بارش کا پانی اپنے اندر خوب جذب کر لیتا ہے پھر اس میں تمام اقسام کی نباتات، پھل، سبزیاں اور دوسری تمام قسم کی اجناس پیدا ہوتی ہیں، جن سے تمام انسان وحیوان چرند و پرند اور دوسری مخلوقات فائدہ اٹھاتی ہیں۔ زمین کا دوسرا حصہ وہ ہوتا ہے جو نشیبی ہوتا ہے اور اپنے پاس پانی ذخیرہ کر لیتا ہے اور پھر اس پانی سے انسان، حیوانات، چرند و پرند پانی پیتے ہیں اور کھیتوں کو بھی اس سے سیراب کر لیا جاتا ہے۔ اس نے اس پانی سے خود تو فائدہ نہیں لیا البتہ دوسری مخلوقات کو فائدہ پہنچا دیا۔ زمین کی تیسری قسم وہ ہوتی ہے جو سخت چٹانوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس پر بارش کا جتنا بھی پانی پڑتا ہے وہ بہہ کر چلا جاتا ہے وہ خطہ ارض نہ تو خود اس سے فائدہ اٹھاتا ہے اور نہ دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

اس طرح تمام انسانوں میں سے ایک طبقہ وہ ہوتا ہے جو علوم نبوت حاصل کرنے کے بعد خود بھی اس پر عمل کر کے اپنی دنیا و آخرت سنوار لیتے ہیں اور دوسروں تک وہ علوم پہنچا کر ان میں بھی آخرت و دنیا کی فوز و فلاح کی جستجو کا جذبہ بھر دیتے ہیں۔ دوسرا طبقہ وہ ہوتا ہے جو حصول علوم نبوت کے بعد خود اس پر عمل نہیں کرتا مگر دوسرے لوگوں تک علوم پہنچا دیتے ہیں۔ جس سے وہ دوسرے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں چنانچہ ان کی دنیا و آخرت دونوں سنور جاتی ہیں۔ تیسرا طبقہ وہ ہوتا ہے جو علوم نبوت کی طرف توجہ نہیں دیتے وہ اپنی دنیا و آخرت دونوں تباہ کر بیٹھتے ہیں ورنہ صرف آخرت کی تباہی تو یقینی ہے۔

تمام مذاہب عالم کے مقابلے میں اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے قیدیوں کے لئے یہ اعلان کیا کہ وہ تعلیم و تعلّم کے بدلے میں رہائی پائیں۔ علامہ شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں۔

''اسیران جنگ سے چار چار ہزار درہم فدیہ لیا گیا لیکن جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے وہ (بغیر فدیہ) چھوڑ دیئے گئے۔ان میں سے جو لکھنا جانتے تھے ان کو حکم ہوا کہ دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں تو چھوڑ دیئے جائیں گے چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا۔''(15)

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں دینی تعلیم وتربیت کی اہمیت واضح ہے اور یہ انبیاء کرام کی سنت اور انسانی معاشرے کی دینوی اور اخروی ترقی اور کامیابی کے لئے انتہائی ضروری ہے۔اس اہم ترین مقصد کے ساتھ وابستہ شخصیات بھی انتہائی قدر ومنزلت کی حامل ہیں۔انبیاء کرام کے بعد دینی تعلیم کی تدریس کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

پوری دنیا میں ہر دور میں ایسے علماء کرام پیدا ہوتے رہے جنہوں نے دینی تعلیم کو اس دور کے تقاضوں کے مطابق انسانی معاشرے میں پھیلایا۔ہندوستان میں بھی ایسے جلیل القدر علماء پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی زندگیاں دین کی خدمت کے لئے وقف کر دی تھیں۔ان ہی شخصیات میں سے ایک نام مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا ہے۔جنہوں نے نہ صرف دینی تعلیم کو انتہائی محنت اور اخلاص سے سیکھا بلکہ علماء واسلاف کے مشن پہ عمل کرتے ہوئے دینی تعلیم کے پھیلاؤ کے لئے کمر بستہ رہے۔ذیل میں مولانا نعمانیؒ کی تدریس کے حوالے سے تفصیلات ملاحظہ فرمائیں۔

فصل اوّل مختلف دینی مدارس میں تدریسی خدمات

مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے اپنی تعلیمی سرگرمیوں سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے اسلاف کے نقش قدم پہ چلتے ہوئے دینی علوم کی تدریس کو اختیار کیا۔مفتی جمیل خان مرحوم لکھتے ہیں۔

''حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ موجودہ دور میں اکابر علماء کرام حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ،حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ،حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ،شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ،حضرت جی مولانا محمد یوسف (دہلوی) کے قافلہ اہل حق کے مجاہد سپاہی تھے۔دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ تھے۔تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے تدریس،تحقیق اور تالیف کے میدان کو اپنا لیا''(16)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ اپنی تدریس کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے اپنی آپ بیتی ''تحدیث نعمت''میں رقمطراز ہیں۔

''شعبان ۱۳۴۵ھ(1928ء) میں دارالعلوم سے فراغت ہوئی۔اس کے اگلے سال اپنے وطن کے مدرسہ ''محمدیہ''میں درس وتدریس کا سلسلہ رہا۔اس کے بعد یہی سلسلہ

تین سال تک امروہہ کے ایک مدرسہ میں قائم رہا، جو اپنی جائے وقوع محلّہ چلہ کی مناسبت سے مدرسہ چلہ کے نام سے معروف تھا۔''(17)

مزید لکھتے ہیں۔

''رسمی طالب علمی سے فراغت کے بعد اتفاق سے تین سال میں اسی مدرسہ اسلامیہ (مدرسہ اسلامیہ چلہ امروہہ) میں مدرس رہا۔ جس سے مولانا (مولانا محمد عبد الشکور فاروقی، ایڈیٹر ہفتوار ''النجم''، لکھنو) کا تعلق رہا تھا۔''(18)

دارالعلوم ندوۃ العماء میں تدریس

ابتدائی تین سال امروہہ کے مدرسہ اسلامیہ میں تدریس کے بعد مولانا نعمانیؒ نے ندوۃ العلماء میں تدریس کی ذمہ داری قبول کی۔ ندوۃ العلماء اس وقت ایک اہم ترین دینی علوم کی درس گاہ تھی جو معاشرے میں دینی علوم کے پھیلاؤ میں اہم کردار ادا کر رہی تھی۔ ندوۃ العلماء میں مولانا نعمانیؒ کی شمولیت تدریس کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے مولانا ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں۔

''مولانا اگرچہ دیوبند کے فاضل اور اس کی مجلس منتظمہ کے رکن تھے لیکن اس کے ساتھ ندوۃ العلماء کی تحریک سے بھی اور ندوۃ العلماء کے ادارہ سے بھی ان کا مخلصانہ تعلق رہا۔ انہوں نے یہاں کے ذمہ داروں کی درخواست بلکہ اصرار پر حدیث کی تدریس کی ذمہ داری قبول فرمائی۔ طلبہ نے ان سے فائدہ اٹھایا۔''(19)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ ندوۃ العلماء میں اپنی تدریس کے حالات بیان کرتے ہوئے اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں۔

''مولانا شاہ حلیم عطا صاحب مرحوم و مغفور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث تھے۔ وہ صرف صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا درس دیتے تھے اور یہ دونوں کتابیں دو سال میں ختم ہوتی تھیں۔ موصوف پر فالج کا حملہ ہوا جس کی وجہ سے درس کا سلسلہ معطل رہا...... دارالعلوم کے ذمہ دار حضرات کی طرف سے مجھ سے کہا گیا کہ جب تک شاہ صاحب صحت یاب ہوں اور درس کے لائق ہو سکیں میں دو گھنٹے کے لئے دارالعلوم آ کر یہ دو سبق پڑھا دیا کروں۔ اس کے لئے مشاہرہ کی بھی پیش کش کی گئی۔...... اتفاق سے اس سال ان دونوں کتابوں کی پڑھنے والی جماعت میں بعض ایسے طلبہ بھی تھے جو اس عاجز سے گہرا مخلصانہ تعلق رکھتے تھے اور میرے دل میں ان کی قدر تھی۔ انہوں نے بھی اس کے لئے اصرار کیا اور خود مجھے بھی ان کے تعلیمی نقصان کا احساس تھا...... میں نے اپنے مستقل ضروری مشاغل اور حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے دارالعلوم کے ذمہ دار

حضرات سے عرض کیا کہ میں روزانہ دو گھنٹے تو نہیں دے سکتا۔ اتنا کر سکتا ہوں کہ ایک گھنٹے کے لئے آ کر صرف صحیح مسلم کا سبق پڑھا دیا کروں۔ شاہ صاحب جب صحت یاب ہو جائیں گے تو وہ بخاری شریف پڑھا دیں گے اس طرح اس جماعت کا تعلیمی نصاب بھی پورا ہو جائے گا۔ میں ایک گھنٹہ کا کوئی مشاہرہ اور معاوضہ نہیں لوں گا البتہ میری آمد و رفت رب سے ہو گی اس کا کرایہ دارالعلوم کی طرف سے ادا کر دیا جایا کرے گا۔ یہی طے ہو گیا اور میں ایک گھنٹہ کے لئے دارالعلوم آ کر صحیح مسلم کا درس دینے لگا...... میں جو مسلم شریف پڑھا رہا تھا بفضلہٖ تعالیٰ تعلیمی سال کے اختتام تک وہ ختم ہو گئی۔

اس کے بعد جب دوسرا تعلیمی سال شروع ہوا تو دارالعلوم کے ذمہ دار حضرات کی طرف سے پھر مجھ سے کہا گیا کہ اب میں مستقل دو گھنٹے دے دیا کروں۔ حدیث کے دو سبق پڑھانے کی ذمہ داری قبول کر لوں۔ میں اپنے دوسرے مستقل مشاغل کی وجہ سے اس وقت بھی اپنے کو اس کے لئے آمادہ نہیں کر سکا۔ میں نے عرض کیا کہ جب تک شاہ صاحب مرحوم کی جگہ کسی استاذ حدیث کا انتظام ہو، میں ایک گھنٹہ جس طرح اب تک دیتا رہا ہوں، ان شاء اللہ دیتا رہوں گا چنانچہ اس کے بعد بھی روزانہ ایک گھنٹہ کے لئے دارالعلوم آتا رہا اور ایک سبق پڑھاتا رہا...... دو تین سال اسی طرح گذر گئے اور شاہ حلیم عطا صاحب مرحوم و مغفور کی جگہ کسی استاذ حدیث کا انتظام نہیں ہو سکا تو دارالعلوم کے ذمہ دار حضرات کی طرف سے مجھ سے اصرار کے ساتھ فرمائش کی گئی کہ میں دارالعلوم کی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس ذمہ داری کو بہر حال قبول کر لوں اور روزانہ صرف دو گھنٹے کے لئے دارالعلوم آ کر حدیث شریف کے دو سبق پڑھا دیا کروں اور اس کے لئے معقول مشاہرہ کی پیش کش بھی کی گئی۔

میں نے اگر چہ طالب علمی سے رسمی فراغت کے بعد ۳۔۴ سال تک باتنخواہ مدرس کی حیثیت سے تدریس کی خدمت بھی انجام دی تھی لیکن اس کے بعد کسی مدرسہ سے ملازمت کا تعلق نہیں رکھا۔ طبیعت آزاد رہ کر ہی حسب توفیق کام کرنے کی عادی ہو گئی اور اسی کو اپنے لئے بہتر سمجھا۔ (بعض تلخ تجربے بھی اس کا باعث بنے تھے)...... اس وجہ سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی اس پیش کش کو قبول کرنے پر بھی طبیعت آمادہ نہیں ہوئی...... دوسری طرف یہ خیال بھی ہوتا تھا کہ حدیث شریف اور صرف حدیث شریف کی مستقل تدریسی خدمت کا موقع مل رہا ہے، اس سے ان شاء اللہ خود مجھے بھی علمی اور

دینی نفع ہوگا اور مشاہرہ کی شکل میں دنیوی منفعت بھی ہے۔ وہ بھی اللہ کی نعمت ہے اور طبیعت کا انکار شاید نفس کے استکبار اور استنکاف کی وجہ سے ہے جو باتنخواہ ملازمت کو اپنے لئے گھٹیا درجہ کی بات سمجھنے لگا ہے اور اگر ایسا ہے تو شیطانی وسوسہ ہے۔

اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پہ کافی غور وفکر کے بعد بھی میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تو مشورہ کے لئے سہارنپور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوری بات عرض کی...... حضرت نے فرمایا: مولوی صاحب! ضرور قبول کرلو اور مشاہرہ بھی قبول کرو اور نیت کرلو کہ چار چھ مہینے وصول کرنے کے بعد چھوڑ دو گے اور پھر بغیر مشاہرہ ہی کے پڑھاؤ گے۔ یہ بھی فرمایا: کہ اگر شروع ہی سے مشاہرہ نہ لوگے تو طلبہ بھی قدر سے تمہاری بات نہیں سنیں گے اور مدرسہ والے سمجھیں گے کہ ہم نے اس پر احسان کیا ہے کہ مدرسہ میں درس حدیث کی مسند پر اس کو بٹھا دیا ہے۔ اس لئے میری رائے یہ ہے کہ شروع میں چند مہینے مشاہرہ ضرور وصول کرو، بعد میں چھوڑ دو...... میں نے عرض کیا کہ حضرت! یہ بات میرے بس کی نہیں ہے۔ میں جب دو گھنٹے پڑھانے کی ذمہ داری لے لوں گا تو اس کے لئے ۳۔۴ گھنٹے تیاری کرنی ہوگی اور پھر میں اپنے وہ کام پوری طرح نہیں کرسکوں گا جو اب کر لیتا ہوں اور اس عالم اسباب میں اسی سے میری ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ اس صورت میں وہ کمی مشاہرہ سے پوری ہوتی رہے گی۔ اس لئے پھر یہ مشاہرہ میری ضرورت بن جائے گا اور میں اسے چھوڑ نہیں سکوں گا۔

میری یہ بات سن کر حضرت شیخ نے میری اصلاح وتربیت کے لئے خود اپنے واقعات سنائے۔ جن کا سبق یہ تھا کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے اخلاص کے ساتھ دین کا کام کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے اور ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ کا کس طرح ظہور ہوتا ہے؟.......... یہ واقعات بہت غیر معمولی قسم کے تھے اور ان میں میرے لئے اور میرے جیسوں کے لئے بڑا قیمتی سبق تھا۔'' (20)

اس سلسلہ درس کے بارے میں حضرت مولانا علی میاںؒ جو ان دنوں ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیمات تھے اور بظاہر انہیں کے اصرار سے یہ خدمت قبول کی گئی ہوگی، مولانا محمد عمران خان کے نام ۱۹۶۰ء میں لکھے گئے ایک خط میں اپنا جو تأثر بیان فرماتے ہیں، وہ ملاحظہ فرمائیں۔

''دار العلوم کی بڑی خوش قسمتی اور اقبال مندی ہے کہ اس نے مولانا منظور صاحب جیسا

نامور عالم اور راسخ العلم متکلم، محدث تدریس کے لئے حاصل کر لیا۔ان کا وجود ہندوستان و پاکستان کے بڑے بڑے ادارہ اور جامعہ کے لئے موجب فخر و وقعت تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ میں ان کو دیو بند کی مسند حدیث کے لئے ہر دوسرے عالم سے زیادہ اہم سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی بہت سی صلاحیتیں اور کمالات عطا فرمائے ہیں جن کی وجہ سے بالخصوص تدریس حدیث کے لئے ان سے بہتر آدمی ملنا مشکل ہے۔ پھر ان کا اخلاص، اصابت رائے، معاملہ فہمی، قوت فیصلہ، اشتراک عمل کا جذبہ اور وسیع ذہن ایسی خداداد صلاحتیں ہیں کہ ان کا وجود دار العلوم کے اس مجموعہ میں کسی نوع سے بھی مفید اور بیش قیمت ہے۔'' (21)

اوران کی ''تدریس حدیث کا یہ سلسلہ ۱۹۶۳ء تک چلتا رہا'' (22)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا بہت کم عرصہ تدریس میں گذرا۔ان کے تدریسی ادوار کے بارے میں آپ کے صاحبزادے عتیق الرحمٰن سنبھلی لکھتے ہیں۔

''تعلیم سے فراغت کے بعد چار سال تدریس، علم دین کی خدمت بھی اپنے اساتذہ اور اکابر کے طریقے پر انجام دی لیکن اس کے بعد یہ سلسلہ آزادانہ خدمت دین کے لئے ترک کر دیا، یہ ۱۹۳۱ء کی بات ہے۔اس کے بعد لکھنؤ کے زمانہ قیام میں جو ۱۹۴۶ء سے آخر دم، یعنی ۱۹۹۷ء تک قائم رہا، یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث حضرت مولانا حلیم عطا صاحب کے بیمار ہو جانے سے صحیح بخاری اور مسلم شریف کا درس بند ہو جاتا ہے۔ یہ شوال ۱۹۵۵ء کی بات ہے۔تب اس کے لئے آپ (حضرت والد ماجد سے) خواہش کی جاتی ہے کہ شاہ صاحب کی صحت بحال ہونے تک یہ سبق پڑھا دیئے جائیں چنانچہ یہ سلسلہ پانچ سال تک قائم رہا۔'' (23)

اس زمانے میں ملک کے حالات اسلام اور مسلمانوں کے حق میں اس قدر تشویشناک تھے کہ ان حالات میں مولانا مرحوم جیسے حساس اور دعوت و تبلیغ کا ذوق و مزاج رکھنے والے کے لئے مدرسہ کی چار دیواری میں محصور ہو کر صرف درس و تدریس پر قناعت کر لینا مشکل تھا۔اس لئے وہ تعلیمی و تدریسی مشغلہ تادیر قائم نہ رکھ سکے۔

جتنا عرصہ انہوں نے تدریس کا فریضہ انجام دیا اس میں ان کا طریقہ کار کیسا رہا اور اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے تھے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

فصل دوم درس وتدریس کا انداز اور اس کے اثرات

طریقۂ تدریس:۔

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی چیرمین، ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مولانا منظور نعمانیؒ کے ندوۃ العلماء میں تدریس کے ایام کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ہمیں نہیں معلوم اور نہ اس کی ضرورت ہے اس زمانے میں حضرت مولانا نعمانی مرحوم کا سرکاری ومنصبی مرتبہ ومقام ندوۃ العلماء میں کیا تھا، البتہ یہ یاد ہے اور پکا تجربہ بھی کہ مولانا موصوف کو شیخ کل اور شیخ المشائخ کا منصب عالی حاصل تھا۔ وہ ناظم ندوۃ العلماء کے معتمد ہوں نہ ہوں مگر معتمد دارالعلوم کے دست راست اور معتمد خاص تھے۔ غالباً اس حیثیت سے اور اپنے علمی وفنی جلال و جمال کے سبب بھی وہ استاذ نگراں اور شیخ وقت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ ان کے اس کار منصبی یا منصب علمی پر نکتہ چینی بھی ہوتی تھی اور بعض خاص فکری حلقے نالاں بھی تھے۔ ہمارا مولانا مرحوم سے اس روپ میں جو تعلق تھا وہ حلقۂ درس اور غرفۂ تعلیم تک محدود تھا۔

اس زمانے میں وہ ہمارے باقاعدہ استاذ نہ تھے لیکن کبھی کبھی کسی باقاعدہ استاذ کے درس دیتے وقت تشریف لے آتے۔ معلوم نہیں استاذ کی تربیت کے لئے یا ہمارے افادۂ خاص کے لئے، لیکن ان کی آمد ہماری خوشی بلکہ سرمستی کا باعث بن جاتی۔ تکریم و اکرام کے چند لمحات گریز اس کے بعد مولانا مرحوم کچھ دیر ہی سکوت فرماتے، استاذ درس کے کلام و بیان کے دوران ہی کسی مناسب و برمحل موقع پر سلسلہ کلام اور زمام تدریس اپنے مشاق ہاتھوں میں لے لیتے۔ ہمارے باقاعدہ استاذ فن ومعلم کتاب ہمارے ہم سبق وہم درس بن جاتے کہ ہمارے ساتھ وہ بھی شیخ کل کی تدریس وتعلیم کے وقت سراپا گوش ہوتے۔ اس انتقال معلّمی کے اولین لمحات ہماری سرخوشی وسرشاری کے ہوتے کہ وہ محظوظ ومسرور کرتے۔ لمحہ سرشاری کے بعد جب گوش ونظر شیخ کل کی تدریس وتعلیم کے فنی نکات، علمی جہات اور درسی نقاط کی طرف جاتی تو پھر علم وفکر کے بہتے سر چشموں سے استفادہ ہوتا۔

مولانا مرحوم بالعموم حدیث شریف کے اسباق و درس کے دوران ہی قدم رنجہ فرماتے تھے۔ شاید اس لئے کہ اس فن عظیم سے ان کو مناسبت خاص تھی یا اس استاذ گرامی سے تعلق خاطر۔ اصل بات جو بھی رہی ہو، ہم طلبہ نے مولانا مرحوم کے ان ''دخل در

درسیات'' خطبات سے بہت استفادہ کیا۔ نئے نئے گوشے سمجھے اور شاید فنی سمجھ بوجھ پیدا کی۔ ان کی تدریس وتعلیم کے انداز سے شاید ہمارے باقاعدہ استاذوں نے بھی بہت کچھ سیکھا کہ ظاہری اکرام وتکریم کی پرتصنع علامات کے علاوہ چہرہ وبشرہ کی ریکھائیں اور چشم ونگاہ کی چمک ان کے اور قلب ودل کی آئینہ دار ہوتی تھیں۔''(24)

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی چیرمین ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ مولانا نعمانی کے طریقہ تدریس کے حوالے سے ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے ان الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں۔

''ایک حادثہ فاجعہ کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ بظاہر وہ ناگوار واقعہ نظر آتا ہے مگر بباطن آدم گری کا حامل ہے۔ ہمارے ایک استاذ حدیث مولانا مرحوم کے پروردہ وساختہ اور ان ہی کے لائے ہوئے تھے۔ ہمیں وہ مشکوٰۃ شریف کا درس دیتے تھے۔ قدم رنجہ فرماتے ہی اور شاید اس سے قبل ہی وہ اپنے چہرے پر خشونت طاری کر لیتے تھے۔ ہمارا یہ تأثر یوں سچا ہے کہ وہ عام حالات میں اور مخصوص لوگوں کے لئے سراپا محبت و لطافت ہوتے تھے۔ ہمارے استاذ محترم اس راقم آثم پر توجہ خاص رکھتے تھے۔ میری طالب علمانہ شوخی، دوران تعلیم وتدریس سبق پڑھنے میں عجلت اور سوال و جواب کی بے مہار عادت سے شاید نالاں تھے۔ میرے تمام ہم سبق وہم درس میرے دمساز ورفیق ہی نہ تھے بلکہ مجھے اپنا نمائندہ اور سرخیل بھی بنا کر میدان جنگ میں اتار دیتے تھے۔ استاذ گرامی قدر کا ہرگز کوئی قصور نہ تھا۔ میری ہی تقصیرات طالب علمانہ تھیں۔ اور چیزوں کے علاوہ استاذ گرامی کا ایک طریقہ ہماری فہم وتعقل سے بالاتر تھا۔ وہ متن حدیث کا ٹھیٹھ ترجمہ کرواتے تھے۔ ریاض الصالحین اور دوسری درسی کتب کی تعلیم کے دوران ہماری عادت بامحاورہ اردو ترجمہ وتشریح کی پڑ چکی تھی۔ وہ اتنی پختہ ہو چکی تھی کہ ہم ہزار کوشش کے باوجود لفظی ترجمہ کے عظیم الشان کام کو انجام دینے سے قاصر رہے۔ پھر کچھ طالب علمانہ ہٹ دھرمی اور استبدادانہ اصرار کا بھی معاملہ تھا، لفظ و محاورہ کی کشاکش جب ناگوار صورت وآہنگ اختیار کر گئی تو اس کی گونج ایوان بالا تک جا پہنچی۔ صاحبان اقتدار نے بڑی دور اندیشی کا ثبوت دیا اور اچانک ایک دن استاذ گرامی قدر کی جگہ حضرت مولانا نعمانیؒ بحیثیت حکم وثالث درجہ میں تشریف لائے۔ اس دن سبق پڑھایا، مسائل پوچھے اور اشارہ کنایہ ہی میں نہیں صراحت و وضاحت کے ساتھ لفظی اور بامحاورہ ترجمے کے فضائل ومناقب بیان کرنے میں اصول تطبیق اور وجوہ

تلفیق سے کام لیا۔ استاذ گرامی کی تصویب و تائید کی تو طلبہ و تلامذہ کی تغلیط بھی نہ کی۔ مولانا مرحوم نے غالباً استاذ مکرم کو بھی نصیحت کی تھی۔ بعد کے دروس مشکوٰۃ میں انہوں نے ہمارے با محاورہ ترجمے کو بخوشی انگیز کیا اور ہم نے ان کے لفظی ترجمہ کو۔ کچھ دنوں کی افہام و تفہیم کے بعد درس حدیث ایک دوسرے استاذ مکرم کے حوالے کر دیا گیا۔ غالباً اس میں بھی حکمت نعمانی کو پورا پورا دخل تھا۔ مولانا مرحوم کے ایسے حکیمانہ انداز تربیت اور ماہرانہ طریقۂ تعلیم کا باب کافی وسیع ہے۔'' (25)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ بحیثیت مدرس حدیث:

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی، چیرمین ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ندوۃ العلماء کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

''حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کو جزءوقتی تدریس کی سعادت بار بار ملتی رہی تھی مگر وہ خلاؤں کو پر کرنے کے مترادف تھی۔ ان کی مستقل تعلیم سے بہرہ مند ہونے کی سعادت بہت دیر میں ملی لیکن بہر حال ملی۔ فضیلت اوّل میں حضرت مولانا مرحوم ''صحیح مسلم'' پڑھانے پر مامور کئے گئے۔ ہم نے جذبات تشکر و امتنان کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا اور ان کے تقرر کو اپنی خوش بختی پر محمول کیا۔ ان کا طریقۂ تعلیم بہت دلچسپ تھا۔ حسب دستور مولانا اپنے خاص انداز سے بالکل صحیح وقت پر درجہ میں تشریف لاتے، مسند درس سنبھالتے، کسی ایک طالب علم کو متن کتاب پڑھنے کا حکم دیتے، متن کی تشریح و تعبیر کرتے، دوران تفسیر کتاب بار بار عینک چہرے سے اتارتے اور لگاتے رہتے۔ اس دوران بالعموم داہنی آنکھ پرنم ہو جاتی اور کبھی کبھی آنسو کے موتی چہرہ مبارک پر ڈھلک جاتے۔ بسا اوقات رقت شدید ہو جاتی اور درجہ میں بالعموم ماتمی فضا سی چھا جاتی۔'' (26)

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی، چیرمین ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مولانا نعمانیؒ کے درس و تدریس کے حوالے سے اہم نکات کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''درس و تدریس اور تعلیم و تعلم میں ہر ایک کی شراکت ضروری ہے ورنہ چند طلباء دوسروں کے حقوق پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ محرومی خواہ خود ساختہ و اختیار کردہ ہو ان کو مقام حرکیت و اقدام سے پیچھے دھکیل دیتی ہے اور وہ آہستہ آہستہ مجہولیت و انفعالیت کے خول میں بند ہوتے جاتے ہیں، پھر ان کی صلاحیتوں کو زنگ لگنا شروع ہوتا ہے تا آنکہ وہ بالکل مردہ ہو جاتی ہیں۔ اس طریقۂ استادی میں کسی ذاتی رنجش یا صفاتی پرخاش کا دخل نہ تھا۔ استاذ مکرم کی دلیلوں اور توجیہوں نے دماغ و ذہن کو پوری طرح سے متاثر کیا مگر دل کے کونے میں ایک پھانس تھی جو لگی رہی۔ بلاشبہ افادہ' استاذ کا باب کھلا رہا

مگر استفادہ کا دروازہ کھلتا بند ہوتا رہا۔ اس ضمن میں ایک حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ جس دن طرفین کے درمیان صلح کل سے زیادہ مہر و محبت کا تعلق ہوتا، اس دن استاذ مکرم حدیث کی تشریح و تعبیر کا نیا باب رقم کرتے۔ فنی و علمی نکات کا دریا بہا دیتے، شاید انہی لمحات نادرہ کی مسیحائی ہے کہ فن حدیث شریف میں کچھ شد بد پیدا ہوئی۔ اب کف افسوس ملتے ہیں کہ صاحب معارف الحدیث سے صحیح کسب فیض کیا ہوتا تو یہ احساس محرومی نہ ہوتا۔'' (27)

خلاصۂ کلام

دوران تدریس مولانا محمد منظور نعمانیؒ درج ذیل طریقہ کار مدنظر رکھتے تھے۔

۱۔ کلاس میں پہنچنے کے بعد کچھ دیر سکوت فرماتے، استاذ درس کے کلام و بیان کے دوران ہی کسی مناسب و برمحل موقع پر سلسلہ کلام اور زمام تدریس اپنے مشاق ہاتھوں میں لے لیتے۔

۲۔ باقاعدہ استاذ فن و معلم کتاب طلباء کے ہم سبق و ہم درس بن جاتے۔

۳۔ طلباء کو اس انداز سے سمجھاتے کہ وہ اپنے اندر آسانی سے فنی سوجھ بوجھ پیدا کر لیتے۔

۴۔ ان کا چہرہ دوران تدریس تصنع و بناوٹ سے عاری ہوتا تھا۔

۵۔ وقت کی ہمیشہ سختی سے پابندی کرتے۔

۶۔ مسند درس سنبھالتے، کسی ایک طالب علم کو متن کتاب پڑھنے کا حکم دیتے، متن کی تشریح و تعبیر کرتے، دوران تفسیر کتاب بار بار عینک چہرے سے اتارتے اور لگاتے رہتے۔ اس دوران بالعموم داہنی آنکھ پرنم ہو جاتی اور کبھی کبھی آنسو کے موتی چہرہ مبارک پر ڈھلک جاتے۔ بسا اوقات رقت شدید ہو جاتی اور درجہ میں بالعموم ماتمی فضا سی چھا جاتی۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا یہ طریقۂ تدریس طلباء کو نہ صرف علمی سمجھ بوجھ عطا کرتا بلکہ ان کے اخلاقیات کی تربیت میں بھی اہم کردار ادا کرتا تھا۔ عام طور پر طلباء ان کے درس سے دیگر اساتذہ کے مقابلے میں زیادہ محظوظ ہوتے اور زیادہ سیکھتے۔ اس کا اظہار ان کے مختلف تلامذہ نے بھی کیا ہے۔

<-----☆---->

﴿حوالہ جات: باب دوم﴾

1۔القران،۹۶:۱تا۵

2۔محمد شفیع،مفتی،معارف القران،کراچی،ادارۃ المعارف،۱۹۹۰ء،ص۷۷۰۸،جلد۸

3۔ Al-Abrashi,Atiya.Education in islam translated to ismail kashmiri.pub.the supreme council for islam affairs,Cairo,Egypt,1967

4۔القرآن،۵۸:۱۱

5۔ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی،ابن ماجہ،السنن دار المعرفہ،بیروت،جلد۱،ص۷۹

6۔سلیمان بن اشعث السجستانی،ابوداؤد،سنن ابوداؤد،کتاب الفرائض،مترجم،خورشید عالم،کراچی،دارالاشاعت،سن ندارد

7۔الغزالی،ابوحامد،احیاء العلوم الدین،بیروت،دارالمعرفتہ،س ن،جلد اول،ص۲۴۲

8۔القران۲:۱۵۱

9۔شبیر احمد،سید،مولانا،ترجمہ قرآن حکیم کامل،لاہور،قرآن آسان تحریک،۲۰۰۴ء،ص۳۷

10۔القران۳:۱۴۶

11۔پانی پتی،عثمانی،مجددی،محمد ثناءاللہ،علامہ،قاضی،تفسیر مظہری اردو،کراچی دارالاشاعت،۱۴۱۱ھ،ص۴۰۴،جلد۲

12۔اعظمی،ظہور الباری،مولانا،تفہیم البخاری ترجمہ وشرح صحیح البخاری،کراچی،دارالاشاعت،۱۹۸۵ء،ص۸۹،جلد۲

13۔ایضاً،ص۱۰۵،جلد۲

14۔ایضاً،ص۹۲،جلد۲

15۔نعمانی،شبلی،مولانا،ندوی،سید سلیمان،سیرۃ النبی،کراچی،دارالاشاعت،۱۹۸۵ء،ص۱۹۶،جلد۱،۲

16۔ماہنامہ بینات اشاعت خاص بیاد شہید ختم نبوت مولانا محمد جمیل خان،کراچی،فیروز ز کی مطبع ایجوکیشنل پریس،جلد نمبر۶۸،شمارہ نمبر۹ تا۱۲ نومبر۲۰۰۵ تا فروری۲۰۰۶ء،ص۸۰۵

17۔محمد منظور نعمانی،مولانا،(ترتیب: عتیق الرحمن سنبھلی) تحدیث نعمت آپ بیتی،لاہور،قریشی پبلشرز،۱۹۹۷ء،ص۳۷

18۔ایضاً،ص۳۴۰

19۔ماہنامہ الفرقان لکھنؤ،اشاعت خاص (بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)،ص۱۰۳

20۔محمد منظور نعمانی،مولانا،(ترتیب:عتیق الرحمن نعمانی)تحدیث نعمت آپ بیتی،محولہ بالا،ص۳۰۲تا۳۰۵

21۔ماہنامہ الفرقان لکھنو،اشاعت خاص(بیاد مولانا محمد منظور نعمانی)،ص۶۵۶

22۔ایضاً،ص۶۵۵

23۔ایضاً،ص۶۵۴

24۔ایضاً،ص۱۳۱

25۔ایضاً،ص۱۳۲

26۔ایضاً،ص۱۳۳

27۔ایضاً،ص۱۳۴

باب سوم: مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی تبلیغی و اصلاحی خدمات

گذشتہ ابواب میں مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے حالات زندگی، تعلیم سے فراغت اور پھر درس و تدریس کی سر گرمیوں کا تذکرہ و تحقیق پیش کی گئی۔ مولانا موصوف دینی علوم و فنون میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ جہاں رہے، لوگ ان کی صلاحیتوں اور کردار کے معترف رہے۔ مولانا موصوف انتہائی اخلاص اور جذبہ دینی کے تحت درس و تدریس کے ساتھ کچھ عرصہ منسلک رہے لیکن ان کے اندر دین کی خدمت اور اس کی بقاء و فلاح کا جو جذبہ دعمل موجزن تھا وہ انہیں فقط چار دیواری کے اندر علمی سرگرمیوں تک محدود رہنے کے بجائے میدان عمل میں لانے کا باعث بن گیا اور معاشرے کی اصلاح و احوال کے لئے مدرسے کے بجائے پورے معاشرے کی اصلاح کے کام میں لگ گئے۔

آئندہ صفحات میں مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی تبلیغی و اصلاحی خدمات کا تحقیقی جائزہ پیش خدمت ہے۔

فصل اول: مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی دعوت و اصلاح کا طریقہ اور اس کے اثرات۔

مفتی جمیل خان مرحوم مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے تبلیغی و اصلاحی کام میں شمولیت کے حوالے سے تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور مولانا محمد منظور نعمانیؒ تالیف کے میدان میں ایک دوسرے کے رفیق رہے۔ اس دوران آپ پر اسلام اور اہل حق کی حقانیت کے لئے مناظروں کا جذبہ پیدا ہوا اور ہندوستان میں آپ ایک عظیم مناظر کی حیثیت سے متعارف ہوئے، لیکن کچھ عرصہ بعد آپ نے محسوس کیا کہ مناظروں کے ذریعہ اصلاح کا پہلو زیادہ موثر نہیں۔ اس لئے ان سے آپ کی طبیعت اچاٹ ہوگئی اور آپ نے اپنی تمام تر توجہ تا مات اور امت کی اصلاح کی طرف لگا دی۔ اس دوران حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے وقت جن علماء کرام سے آپ کو قرب حاصل ہوا، ان میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی شامل تھے اور حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ کی جانشینی میں آپ کا مشورہ بھی شامل تھا۔ بعد ازاں حضرت مولانا یوسفؒ کی معیت میں تبلیغی کام سے متعلق رہے اور آپ کی وفات تک یہ سلسلہ جاری رہا۔''(1)

مزید لکھتے ہیں۔

> ''دراصل مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے ذہن میں نوجوان نسل کی اصلاح کے لئے بہت زیادہ احساس تھا، اس بنا پر آپ نے تبلیغی کام کے ساتھ دنیا کی ہر اسلامی تحریک کا

مطالعہ کیا اور جس تحریک کو مناسب سمجھا، اس کے ساتھ بھر پور تعاون کیا۔ اس احساس اور آپ کی عالمگیر فکر کی وجہ سے رابطہ عالم اسلامی میں آپ ابتدا سے شامل رہے اور رابطہ عالم اسلامی کے ذریعہ پوری دنیا میں آپ نے تبلیغ دین کی اشاعت کی۔ اس طرح دنیا کی بے شمار اسلامی تحریکات کے آپ تاسیسی رکن تھے۔'' (2)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی اصلاحی جدوجہد کا دائرہ پورے معاشرے تک محیط تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان بچے اور بچیاں اسلامی تعلیم سے بہرہ مند ہو کر اچھے مسلمان بنیں۔ ہندوستان میں اس وقت کے حالات کافی خراب تھے۔ ایک طرف غیر مسلم قوتوں کی یلغار، پھر خود مسلمانوں میں فرقوں کی بہتات اور اوپر سے انگریزوں کا لایا ہوا تعلیمی نظام جس نے رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔ خدشہ تھا کہ نوجوان نسل دین کی حقیقی تعلیمات سے دور ہو رہی ہے لہذا مولانا موصوف نے اس حقیقت کا ادراک کرتے ہوئے ہمہ وقت کوششیں جاری رکھیں۔ اسی حوالے سے ایک کوشش مسلمان بچوں کے لئے دینی تعلیم کا بندوبست کرنا تھا اس کے لئے باقاعدہ ایک تحریک شروع کی گئی۔ اس کا احوال بیان کرتے ہوئے خود مولانا محمد منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں۔

''۱۹۴۷ء میں ملک کی تقسیم کے بعد ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کے لئے جو مسائل پیدا ہوئے ان میں ایک نہایت سنگین مسئلہ یہ بھی تھا کہ ایک طرف تو تعلیم لازمی کی جارہی ہے جس کے مطابق ہر بچے کا سرکاری اسکول یا سرکار سے منظور شدہ اسکول میں داخل ہو کر پڑھنا لازم تھا۔ دوسری طرف اردو کی تعلیم ختم کر دی گئی تھی اور پھر جو کچھ پڑھایا جارہا تھا اس میں ہندو دیو مالا خوب خوب شامل کی گئی تھی۔ جس کی بنیاد سراسر شرک اور توہم پرستی پر تھی۔ اس صورتحال نے ان تمام مسلمانوں کو بے چین کر دیا تھا جو اس کے نتائج کا اندازہ کر سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے قاضی عدیل احمد عباسی ایڈووکیٹ (متوفی ۱۹۸۰ء) کو کہ انہوں نے اس خطرناک صورتحال سے نپٹنے کے لئے ایک عملی اسکیم تیار کر کے اپنے ضلع بستی (یوپی) میں اس کے مطابق کام شروع کر دیا۔ اسکیم یہ تھی کہ جہاں بھی مسلم آبادی ہے وہاں ابتدائی تعلیم کے اپنے مکتب قائم کئے جائیں۔ جن میں خصوصیت سے قرآن مجید ناظرہ اور اردو زبان میں دینیات کی تعلیم ہو اور ضروری حد تک پرائمری درجات کے دیگر مضامین حساب اور تاریخ وغیرہ کا بھی بندوبست کیا جائے اور ان مکاتب کے مصارف کی ذمہ داری بستی کے مسلمان اپنے اوپر بالکل اس طرح لیں جس طرح اپنے بچوں کے شادی بیاہ کی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ اس سلسلے میں قاضی صاحب نے ایک بہت سہل العمل متعین طریق کار کی تجویز بھی

رکھی اور اپنے علاقے میں اس کی کامیابی کا تجربہ بھی کیا۔ جس سے ان کے مکاتب ایک طرح سے خود کفیل ہوئے۔ وہ تجویز یہ تھی (جس میں خاص طور سے دیہات کے مسلمانوں کو سامنے رکھا گیا ہے) کہ ہر گھر میں ایک برتن رکھ دیا جائے اور جس وقت بھی روٹی پکنے کے لئے آٹا نکالا جائے ایک چٹکی آٹا اس مکتب کے برتن میں ڈال دیا جائے، جسے انہوں نے چٹکی اسکیم کا نام دیا تھا۔ اور اسی طرح کھلیان کے زمانے میں کھلیان سے تھوڑا سا غلہ مکتب کے لئے نکال دینے کی تجویز رکھی اور اس کو کھلیانی کا نام دیا۔

مرحوم قاضی صاحب نے یہ کام لگ بھگ ۵۱ء میں شروع کیا تھا۔ ۵۳ء یا ۵۴ء میں انہوں نے اس سلسلے میں اپنے شہر بستی میں ایک جلسہ کیا۔ اس میں شرکت کے لئے مجھے بھی مدعو کیا۔ میں ان کی اس تحریک کے بارے میں کچھ سن چکا تھا لیکن پوری بات سامنے نہیں آئی تھی۔ بستی کے اس جلسے میں جس میں میں ان کی دعوت پر شریک ہوا تھا، قاضی صاحب نے اس کام کی اہمیت وضرورت اور اس کے طریق کار پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور جو مکاتب قائم ہو چکے تھے ان کا کچھ حال بیان کیا۔ میرے سامنے اب پوری بات آئی۔ جس سے میں متاثر ہوا اور مجھے محسوس ہوا کہ ملک کے موجودہ حالات میں یہ ہماری نئی نسل کے دین کی حفاظت کا انتظام ہے اور اللہ کی طرف سے قاضی صاحب کو خاص طور پر اس کام کی توفیق عطا ہوئی ہے۔ وہ ایک مرد مخلص تھے۔ ان کی زندگی میں قوم وملت کی خدمت کو ابتدائے عمر ہی سے نہایت اہم جگہ حاصل رہی۔ اپنے ضلع کے وہ کانگریسی لیڈروں میں بھی تھے۔ کافی دنوں تک یوپی اسمبلی کے ممبر بھی رہے تھے اور اس طرح ان معاملات سے واقفیت کے ان کو زیادہ مواقع حاصل تھے جن کا تعلق سرکاری محکموں اور سرکاری اسکیموں سے تھا۔ غالباً اسی چیز نے ان کو آزاد مکاتب کی اس تحریک کی طرف متوجہ کیا۔

بہر حال جلسے کے بعد اگلے دن جب اطمینان سے گفتگو کا موقع ملا تو میں نے قاضی صاحب سے کہا کہ آپ اس کام کے دائرے کو وسیع کریں۔ اور فی الحال اگر پورے ملک کو نہیں تو اپنی ریاست اتر پردیش کو اپنا میدان کار بنالیں۔ مگر قاضی صاحب باوجود میرے اصرار کے اس وقت آمادہ نہ ہو سکے اور ان کا کہنا یہ تھا کہ راستہ معلوم ہو گیا ہے اور تجربہ بھی ہو گیا ہے۔ ہر ضلع کے لوگ اپنی اپنی جگہ پر اسی طرح کام کریں۔ میں بس

اپنے ضلع ہی کے کام کو سنبھال سکتا ہوں۔

لکھنؤ واپس آ کر میں نے رفیق محترم مولانا علی میاں سے یہ سب ذکر کیا۔ تو ہم دونوں نے یہ سوچ کر کہ بظاہر قاضی صاحب کے سامنے مسئلہ یہ ہوگا کہ وہ کام کا دائرہ پھیلا کر اپنا ذریعہ معاش وکالت برقرار نہ رکھ سکیں گے اس لئے ہم لوگوں نے ان کے لئے ایک انتظام کی فکر کی اور وہ ہو گیا، مگر قاضی صاحب اسے قبول کرنے کے لئے اپنے آپ کو آمادہ نہ کر سکے۔ پھر بھی میرا اور علی میاں کا ان سے اصرار جاری رہا کہ وہ یو پی کی سطح تک کام کو پھیلانے پر بہرحال غور کریں اور بالآخر ایک وقت آیا کہ انہوں نے کام کے اس پھیلاؤ کے لئے ہمت کر لی۔ یہ ۵۹ء کی بات ہے۔ اس سلسلے کے آغاز کے لئے ان کے شہر بستی میں ریاستی سطح کی ایک کانفرنس دسمبر ۵۹ء میں بلائی گئی اور اس کانفرنس میں ''دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش کا قیام عمل میں آیا۔ مولانا علی میاں کو کونسل کا صدر منتخب کیا گیا اور قاضی صاحب نے جنرل سیکریٹری کی ذمہ داریاں قبول کر لیں۔ اس کونسل کے ماتحت یو پی کے اضلاع میں ''انجمن تعلیمات دین'' کے نام سے شاخیں قائم کی گئیں اور ہزاروں کی تعداد میں مسلمانوں کے اپنے مکاتب کا قیام عمل میں آ گیا۔ یہ عاجز تو اب ایک عرصہ دراز سے اپنی معذوریوں کی بنا پر کونسل کے کاموں میں شرکت سے معذور ہے۔ قاضی صاحب بھی ۸۰ء میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور اس کام میں قاضی صاحب کے دست راست اور نہایت اہل اور مستعد ان کے قریبی عزیز مولوی محمود الحسن جو کونسل کے آرگنائزر تھے، وہ بھی رخصت ہوئے، مگر الحمدللہ مولانا علی میاں موجود ہیں اور قاضی صاحب کی جگہ ہمارے ایسے کاموں کے پرانے ساتھی اور اپنی لگن اور مستقل مزاجی کے ممتاز ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی اب کونسل کے سیکرٹری جنرل ہیں۔ مسلمان بچوں کو دینی تعلیم اور ان کے ایمان وعقائد کے تحفظ کی اس تحریک میں اپنے حصے کو میں اللہ کی ایک بڑی نعمت ہی سمجھتا ہوں اور اس کے لئے شکر گزار ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کام کے موجودہ ذمہ داروں اور کارکنوں کی ہر طرح مدد فرمائے اور یہ نہایت ضروری کام اطمینان بخش پیمانے پر جاری رہے۔''(3)

مولانا منظور نعمانیؒ کی دعوت واصلاح کا طریقہ کار ہر سطح پر منفرد رہا۔ کبھی تو انہوں نے بچوں کی دینی تربیت کے حوالے سے اپنا حصہ ڈالا، تو کبھی اپنی تحریر وتقریر سے اس کام کو آگے بڑھایا۔ انہیں مسلمانوں کی اصلاح اور ترقی و بہتری کی ہمیشہ فکر رہی اور اسی حوالے سے انہوں نے حسب استطاعت کام کو جاری رکھا۔ اسی اصلاحی سلسلے کی ایک

کڑی ان کے اخبار ندائے ملت کا اجراء بھی ہے۔ مولانا موصوف خود اپنی آپ بیتی میں اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''۱۹۴۷ء میں ملک کی آزادی اور تقسیم نے مسلمانان ہند کے لئے ان کے دین کی سلامتی اور بقاء سے بھی پہلے ان کے جان و مال کی سلامتی کا مسئلہ کھڑا کر دیا تھا۔ مگر اس عاجز کے اور اس کی طرح سوچنے والوں کے خیال میں یہ عارضی اور وقتی صورت حال تھی اور مسلمانوں میں دینی اور ایمانی شعور بیدار کرنے کی جدو جہد بجائے خود اس صورتحال کی تبدیلی کے لئے کافی ہونے والی چیز تھی۔ اس لئے بہت کچھ یکسوئی کے ساتھ اور کچھ زیادہ ہی جوش اور جذبے کے ساتھ اپنے آپ کو اسی دینی دعوت کے شغل میں لگائے رکھا (یعنی تبلیغی کام)......اگرچہ ذہن اس بات سے غافل کبھی نہیں رہا تھا کہ معاملات کے دینی پہلوؤں پر بھی مسلمانوں کو اچھی رہنمائی کی ضرورت ہے مگر اپنے لئے خالص دینی خدمت ہی کو قابل ترجیح سمجھا لیکن تقریباً بیس سال کے بعد یعنی ۱۹۶۱ء میں ملک میں مسلم کشی کا ایک بھیانک سلسلہ آناً فاناً شروع ہوا جس کے تیور بتا رہے تھے کہ یہ کوئی ۴۷ء کی طرح کا کوئی ابال نہیں ہے بلکہ قابل فکر چیز ہے۔ پس اس کے نتیجے میں وہ یکسوئی محال ہوگئی اور اپنا فرض محسوس ہونے لگا کہ ملت کے جان و مال کی سلامتی کے لئے بھی کچھ مستقلاً کیا جائے۔ خاص کر اس لئے کہ یہ کام کسی بھی اور جگہ سے اطمینان بخش طریقے پر نہیں ہو رہا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ الفرقان کی ذمہ داری میری طرف سے مولوی عتیق الرحمن نے اٹھا رکھی تھی اور وہ اس زمانہ میں ان نئے حالات کے زیر اثر الفرقان کے اداریوں میں مسلسل اسی موضوع پر لکھ رہے تھے۔ اب کچھ اس سلسلے میں مستقل طور سے کرنے کے بارے میں عزیزوں اور رفیقوں کے مشورے سے طے ہوا کہ سب سے پہلے قدم کے طور پر ایک ہفتہ وار اخبار اس سلسلے میں جاری کیا جائے۔ چنانچہ اسی فیصلے کے ماتحت ایک اعلان اور اپیل اشاعت الفرقان (بابت جمادی الاخریٰ ۱۳۸۱ھ مطابق دسمبر ۱۹۶۱ء میں بایں الفاظ کی گئی۔

ایک ہفت روزہ اخبار کی ضرورت:۔

آزادی کے بعد سے مسلمانوں کے لئے جو حالات و مسائل پیدا ہوئے ہیں ان کے پیش نظر عرصہ سے رہ رہ کر خیال ہوتا رہا ہے کہ ایک ایسا بلند پایہ (اردو) اخبار نکلنے کی کوئی صورت ہو جاتی جو مسلمانوں کے زیادہ سے زیادہ افراد تک پہنچتا اور موجودہ حالات و مسائل میں ان کی ایسی صحیح رہنمائی کرتا جس کی ان کو فی الواقع ضرورت ہے اور

مسلسل وہ پیام ان کو دیتا جو ان کو موجودہ حالات ومسائل سے نپٹنے کا اہل بنا سکے۔

ہمارے اخبارات بہت سے نکل رہے ہیں مگر کسی کی یہ واحد اور خاص مہم نہیں ہے کہ مسلمانوں میں ان نئے مسائل اوران سے نپٹنے کے صحیح طریقہ کار کا شعور اوراس پر کاربند ہونے کا حوصلہ اور لگن پیدا کی جائے۔ یہ کمی اوراس کو پورا کرنے کی ضرورت جیسا کہ عرض کیا گیا اس چودہ سال کے عرصہ میں برابر رہ کر محسوس ہوتی رہی ہے حتیٰ کہ بعض دفعہ یہ خیال بھی ہوا کہ الفرقان ہی کو ہفتہ وار کی شکل دے دی جائے مگر اس کے حق میں نہ اپنی ہی طبیعت مطمئن ہوسکی اور نہ دوسرے اہل الرائے نے اس کے حق میں رائے دی۔

ادھر کے چند مہینوں میں جو خصوصیت سے وہ واقعات اوران کے نتیجے میں وہ حالات رونما ہوئے جن پر دو تین مہینے سے الفرقان میں لکھا جارہا ہے تو طبیعت اس ضرورت کے لئے انتہائی حد تک بے چین ہوئی۔ کچھ دردمند اور ہوش مند دوستوں سے ذکر کیا جنہوں نے اس ضرورت اور مقصد سے پورا اتفاق کرتے ہوئے گرمجوشی کے ساتھ اس کام کوانجام دینے کا بیڑا اٹھالیا۔ طے یہ پایا کہ اس مقصد کے لئے فی الحال سب سے زیادہ مفید شکل ہفت روزہ اخبار ہی کی ہوسکتی ہے، جسے جلد سے جلد ایک اجتماعی انداز پر جاری ہونا چاہئے۔ اجتماعی انداز کا مطلب یہ ہے کہ اخبار کسی کی شخصی ملکیت اور شخصی نقطہ نظر کا ترجمان نہ ہو بلکہ ہم مقصد اور ہم خیال اشخاص کا ایک بورڈ اس کا متولی اور پالیسی کا ذمہ دار ہو اور ابتدائی سرمایہ ان صاحب استطاعت افراد کے عطیوں سے حاصل کیا جائے جو اس مقصد سے ہمدردی رکھتے ہوں۔

چنانچہ ایک ایسے بلند پایہ ہفت روزہ کا ہر پہلو سے مکمل اور اطمینان بخش خاکہ بنانے کے بعد جو قبول عام کی صلاحیت اپنے اندر رکھتا ہو اور کم سے کم مسلمانوں کے اکثر طبقات میں وقعت اور عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے، سرمایہ کی تحصیل کا کام اور دیگر انتظامات شروع کردیئے گئے ہیں اور امید ہے کہ جلد ہی اس اخبار کے اجراء کا اعلان کیا جا سکے گا۔

قدرتی طور پر سب سے زیادہ ناظرین الفرقان ہی سے امید ہے کہ وہ اس منصوبے کو کامیاب بنانے کے لئے ہرممکن جدوجہد فرمائیں گے اور خود ان میں سے اوران کے ذریعہ سے دوسرے صاحب استطاعت حضرات سے فراخدلانہ مالی تعاون بھی منتظمین اور محرکین کو حاصل ہوگا۔

مختلف سہولتوں اور مصلحتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے کم سے کم سو روپے کا عطیہ اس سلسلے میں مقرر کیا گیا ہے......ترسیل زر کا پتہ حسب ذیل ہوگا۔

جناب ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی کرامت منزل، اکبری گیٹ، لکھنؤ

ناچیز

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ۔

یہ اخبار جو ندائے ملت کے نام سے نکلا، اس فکری بنیاد پر نکالا گیا تھا کہ ہندوستان کے مسلمان احساس کمتری کا شکار ہیں۔ انہیں سب سے پہلے اخلاقی جرأت اور حوصلے کی خوراک چاہئے اور ثانیاً سیاسی شعور کی۔ جہاں تک سیاسی شعور کا تعلق ہے افسوس ہے کہ اس کا پیدا کرنا آسان ثابت نہ ہو سکا۔ اس لئے کہ آزادی سے پہلے کی ہندو مسلم کش مکش کے اثرات اور آزادی کے بعد کے مخالف حالات کے کچھ کے عام مسلمانوں کے لئے غیر جذباتی انداز سے معاملات کو سوچنے کا موقع ہی نہیں آنے دیتے تھے۔ البتہ جرأت و حوصلہ کی روح پھونک دینے اور احساس کمتری دور کرنے میں اس اخبار کو جو کامیابی حاصل ہوئی وہ ایک تاریخ ساز درجے کی کامیابی تھی۔'' (4)

مسلمانوں کی اصلاح وترقی کے لئے ایک اور اجتماعی کوشش کی روداد بیان کرتے ہوئے مولانا بیان کرتے ہیں۔

مجلس مشاورت کا قیام۔

''مسلمانوں کی حیات وبقاء اور ان کے جان ومال کی حفاظت کے لئے فکر اور جدوجہد کے سلسلے کا دوسرا کام جس کی توفیق اس عاجز کو میسر آئی وہ ''مسلم مجلس مشاورت'' کو وجود میں لانے کی جدوجہد میں شرکت تھی۔ اس مجلس کا بنیادی تخیل ایک پرانے نیشنلسٹ لیڈر ڈاکٹر سید محمود کی طرف سے ان دنوں میں سامنے آیا جبکہ جنوری ۱۹۶۴ء میں بنگال، بہار اور اڑیسہ تین صوبوں میں پھیلی ہوئی چار سو میل کی پٹی میں اس درجے کا بھیانک مسلم کش فساد ہوا کہ جس کا کوئی تصور انسانوں کی بستی میں نہیں کیا جا سکتا۔ اس دلدوز مناظر کی تاب لانا آدمی کو مشکل تھا۔ ندائے ملت کا سلسلہ جاری تھا اور ذہن اس طرح کے معاملات کی طرف پوری طرح متوجہ تھا۔ فساد زدہ علاقے میں جا کر اپنی آنکھوں سے حالات دیکھے بھی تھے۔ ڈاکٹر صاحب کا تخیل سامنے آیا تو دل نے اسے قبول کیا۔ یہ نہایت تعمیری ہونے کے ساتھ ایک انقلابی تخیل بھی تھا۔ دل ودماغ نے جب اس سے اتفاق کیا تو اپنی افتادِ طبع کے مطابق اسے اوڑھ ہی لیا اور شعور کی حد تک آخرت کے اجر وثواب کی امید ہی میں اوڑھا اور یہی چیز اس معاملہ میں اللہ کا وہ احسان اس عاجز کو معلوم ہوتی ہے کہ اس کا اظہار اور اس پر شکر کیا جائے۔

۹ اگست ۶۴ء کو لکھنؤ میں ایک نمائندہ اجتماع کے ذریعہ یہ مجلس وجود میں آئی اور مسلم مجلس مشاورت اس کا نام طے ہوا۔ ڈاکٹر سید محمود جنگ آزادی میں قربانیاں دینے والی پرانی

نسل سے تھے اور کانگریس کے پلیٹ فارم سے ہندو لیڈروں کے شانہ بشانہ رہے تھے۔اس لئے آزادی کے بعد کی مسلم آزاد فضا سے بے حد ملول اور متفکر رہنے والے مسلم لیڈروں میں تھے۔۶۱ء میں جو بڑے فسادات ہوئے تھے،جن کے نتیجے میں ہم لوگوں کو ندائے ملت نکالنے کا تقاضہ ہوا تھا،ڈاکٹر محمود صاحب نے انہیں فسادات کے سلسلے میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب وغیرہ کی معاونت سے ایک بڑا کنونشن ملک کی سیکولر طاقتوں کو فسادات کی سیاست کے خلاف جمع کرنے کے لئے منعقد کیا تھا۔۶۴ء کے فساد نے ان کو مسلمانوں کے ایک اتحاد کا خیال دیا جو اس بنیاد پر عمل میں آئے کہ فسادات کے اس شرمناک سلسلے میں مسلمانوں کی تباہی و بربادی ہی قابل توجہ نہیں ہے بلکہ اس میں ملک کی اکثریت کی جو بے حسی اور اخلاقی وروحانی مفلسی الم نشرح ہے اس کو بھی قابل توجہ سمجھ کر وہ طریق کار اختیار کرنے کی ضرورت ہے جس کے ذریعے ہندو عوام تک پہنچا جا سکے اور ان کی اخلاقی حس کو بیدار کرنے کی کوشش کی جا سکے۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم کا خیال واقعی ایک بلند پایہ خیال تھا مگر افسوس کہ یہ فکر وخیال اچھی طرح تجربے میں نہ آسکا۔اس کے لئے جس ذہنی صفائی اور جس اسپرٹ کی ضرورت تھی وہ شاید ڈاکٹر صاحب کے سوا ہم میں سے اکثر میں موجود نہ تھی اور اس لئے ہم نے داعی کی اصل بات میں زیادہ دلچسپی رکھے بغیر محض ''مسلم اتحاد'' سے دلچسپی رکھتے ہوئے اس کی دعوت قبول کر لی۔اس سے زیادہ افسوسناک بات یہ کہ دو تین سال بعد جو جنرل الیکشن کا زمانہ آ گیا تو ہم سے کتنوں ہی نے اس اتحاد کو اپنے سیاسی خیالات ورجحانات کی سواری بنانے میں بھی تکلف نہ کیا اور نتیجے میں یہ اتحاد بس ایک بالکل نام نہاد اتحاد بن کر رہ گیا اور سچ یہ ہے کہ یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جس کا اندیشہ نہ رہا ہو۔مجلس کے تاسیسی اجلاس کا مرحلہ بخیر طے ہو جانے پر اپنی خوشی کا جو اظہار الفرقان کے صفحات میں کیا گیا تھا وہ اظہار بھی مایوسی کے اندیشے سے آزاد رہ کر نہ کیا جا سکا تھا۔اس لئے کہ مسلمان قوم میں اجتماعی کاموں کی صلاحیت ایک عرصہ دراز سے مفقود ہے۔چنانچہ اس تجربے کے بعد کسی نئے اجتماعی کام میں اپنا وقت صرف کرنے کی ہمت ہی نہ رہی۔''(5)

مندرجہ بالا حالات وواقعات سے یہ حقیقت سامنے آئی کہ مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے معاشرے کی اصلاح وتبلیغ کے جس طریقہ کار کو اپنایا اس میں ہمیشہ اجتماعی نقطہ نظر کو مدنظر رکھا۔جب سوچا پورے معاشرے کے لئے سوچا۔ذاتی یا گروہی مفادات سے نکل کر کل مسلمانوں کی فلاح کے لئے کام کیا۔لہٰذا اس کے لئے انہوں نے ایک

طرف اپنی تحریر وتقریر کو ذریعہ بنایا اور دوسری طرف ایسے اداروں اور تحاریک کا ساتھ دیا جو دینی علوم کے فروغ اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے کام کر رہی تھیں۔اسی سوچ کے مطابق انہوں نے اپنی کاوشوں کو جاری رکھا۔ملک کے تمام اہل علم اور فن سے رابطے استوار رکھتے اور اس اجتماعی اصلاحی عمل کے لئے ان سے استفادہ کرتے اور ان تک اپنا نقطہ نظر بھی پہنچاتے۔ذیل میں ہندوستان کے نامور مشاہیر کو ان کے لکھے جانے والے خطوط اس حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہیں۔ملاحظہ فرمائیں۔

فصل دوم: نامور ومشاہیر حضرات کے نام خطوط

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے حالات زندگی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ہمیشہ جس بات کو حق سمجھا، اس کا ساتھ دیا اور اس کی تبلیغ واشاعت کے لئے جان جوکھوں میں ڈال دی۔کہیں قلم کی طاقت سے لڑے اور کہیں تقریر کی صلاحیت سے۔انہوں نے وقت کے بڑے علماء اور مشائخ کو بھی اپنے مشوروں میں ہمیشہ شریک کیا اور اپنا نقطۂ نظر ان تک پہنچایا اور اجتماعی دینی جدوجہد میں ان کی حمایت اور مدد حاصل کرنے کی کوشش بھی کی۔بعض اوقات ان کی رائے سے اختلاف بھی کیا اور اپنا نقطۂ نظر بھی واضح کیا۔اس کے لئے انہوں نے بے شمار خطوط لکھے۔ذیل میں ان کے خطوط کا جائزہ پیشِ خدمت ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نام خط۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے ''سیف یمانی'' نامی کتاب لکھی، جس میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کا دفاع کیا گیا اور ان کے خلاف ہونے والے بریلوی مکتبہ فکر کی طرف سے طعن وتشنیع کا جواب دیا گیا۔مولانا موصوف نے یہ کتاب بغرض مطالعہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کو ارسال کی اور ساتھ ایک خط بھی تحریر کیا۔اس خط کے بارے میں مولانا خود تحریر کرتے ہیں۔

> ''کتاب سیف یمانی کے تیار ہو جانے پر میرا جی چاہا کہ حضرت تھانوی سے کوئی تعارف نہ ہونے کے باوجود گذارش کروں کہ وہ اس کو ملاحظہ فرمالیں اور اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔میں نے سنا تھا کہ حضرت حکیم الامت کتابت میں بھی بے ضرورت طوالت اور تکلف وتصنع کو بہت ناپسند کرتے ہیں۔چاہتے ہیں کہ جو کوئی بات کرے یا خط لکھے تو ضرورت کے مطابق مختصر الفاظ میں صاف اور سیدھی بات کہے۔میں نے حضرت کی خدمت میں ''سیف یمانی'' کا ایک نسخہ ڈاک سے بھیجا اور اس کے ساتھ عریضہ بھی لکھا۔جس کا مضمون تعظیمی خطاب اور خیریت مسنونہ کے بعد یہ تھا۔
>
> ''مجھے حضرت سے تعارف کی سعادت حاصل نہیں ہے۔اس لئے غالباً حضرت مجھ سے

بالکل واقف نہ ہوں گے۔ میں دارالعلوم دیوبند کا چند سال پہلے کا ایک طالب علم ہوں۔آج کل امروہہ کے مدرسہ اسلامیہ (محلّہ چلہ) میں کچھ اسباق پڑھاتا ہوں۔ بریلوی جماعت نے ہمارے اکابر کے خلاف جوطوفانی فتنہ آج کل برپا کر رکھا ہے ایک ضروری خدمت سمجھ کر اس کی تردید و مدافعت کا کچھ کام بھی اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق سے کر لیتا ہوں۔اسی سلسلہ میں ایک کتاب ''سیف یمانی'' حال ہی میں لکھی ہے۔اس کا ایک نسخہ آج ہی ڈاک سے ارسال خدمت کیا ہے۔اگر حضرت کے اوقات واشغال میں گنجائش ہو اور زحمت نہ ہو تو میرا جی چاہتا ہے کہ حضرت والا، اس کتاب کو یا کم ازکم اس کی صرف اس بحث کو جو حضرت ہی کے متعلق ایک صاحب کے مشہور خواب کے بارے میں کی گئی ہے اور جو کتاب کے فلاں صفحہ سے فلاں صفحہ تک ہے، ملاحظہ فرما لیں اور اگر اصول کے خلاف نہ ہو اور کسی قسم کی گرانی اور زحمت نہ ہو تو حضرت اپنی رائے گرامی سے بھی مطلع فرمادیں۔لیکن اگر اوقات میں گنجائش نہ ہو یا کسی وجہ سے اس کا ملاحظہ کرنا باعث زحمت ہو تو مجھے بالکل اصرار نہیں ہے، اور اس صورت میں بھی کتاب کی واپسی زحمت فرمانے کی ضرورت نہیں۔ میں نے محض ہدیہ کی نیت سے یہ کتاب حضرت کی خدمت میں بھیجی ہے۔اگر قبول فرمالی جائے تو میرے لئے باعث منت وسعادت ہوگا ورنہ کسی کو بھی عنایت فرمادی جائے۔''

حضرت حکیم الامت کی خدمت میں میرا یہ سب سے پہلا عریضہ تھا۔ میں نے جواب کے لئے لفافہ بھی رکھ دیا۔ چوتھے پانچویں دن حضرت کا جواب آیا۔اپنے عام اصول و معمول کے مطابق میرے اس خط ہی پر جواب تحریر فرمایا تھا۔اس جواب کے جو قابل ذکر اجزاء یادرہ گئے ہیں وہ یہ تھے۔

''آپ کا خط پڑھ کے اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے بغیر کسی تکلف کے اپنی بات صاف سیدھے انداز میں لکھ دی اور میرے اوقات اور اصول ومزاج کی پوری رعایت کی۔اس پر دل سے دعا نکلی۔ میں آپ سے ناواقف نہیں ہوں۔آپ کا اور آپ کے کاموں کا ذکر سنتا رہا ہوں، اس لئے آپ سے غائبانہ محبت وتعلق ہے اور دعا کرتا ہوں۔آپ کی تطییب خاطر کے لئے لکھتا ہوں کہ میں نے آپ کے ہدیہ کو دل سے قبول کیا۔کتاب کو اس ارادہ سے کھولا کہ جستہ جستہ اس پر نظر ڈالوں گا اور خواب والی بحث کے لئے آپ نے خاص طور سے لکھا تھا، اس کو پورا پڑھوں گا لیکن جب کتاب پڑھنی شروع کی تو اس کے کسی حصے کو بھی چھوڑنے کو جی نہ چاہا اور جب تک پوری کتاب ختم نہ

کرلی، اپنے مقررہ ضروری کاموں کے سوا کوئی دوسرا کام درمیان میں نہیں کیا۔ پوری کتاب سے جی بہت ہی خوش ہوا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ خواب والی بحث کو خاص طور پہ پڑھا۔ بے تکلف لکھتا ہوں کہ اگر میں خود کوشش کرتا تو مسئلہ کی ایسی اطمینان بخش وضاحت نہ کرسکتا۔ بارک اللہ تعالیٰ فی عمرکم وعلمکم وعملکم۔ حضرت نے اپنے معمول کے مطابق یہ جواب میرے عریضہ ہی پر لکھا تھا۔ افسوس ہے کہ وہ خط محفوظ نہیں رہا لیکن اپنے عریضہ کا مضمون اور حضرت کے جواب کے یہ اجزاء اچھی طرح یاد ہیں اور حافظہ کی مدد ہی سے یہاں لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت نے الگ سے ''سیف یمانی'' پر مختصر تقریظ بھی تحریر فرمائی جو اس کے ساتھ اسی وقت چھپ گئی تھی'' (6)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے نام خط۔

یہ بہت اہم خط ہے اور اس کی حیثیت سیاسی ہے۔ یہاں مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی سیاسی بصیرت اور ان کی فکر کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اس خط میں انہوں نے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو مسلم لیگ کے کردار کے بارے میں نہایت دردمندی سے آگاہ کیا، اور انہیں بتایا کہ اگر اسلام اور مسلمانوں کی بقاء مدنظر ہے تو اپنا نقطۂ نظر مسلم لیگ کے حوالے سے بدلنے کا مشورہ دیا، نیز جمعیۃ العلماء ہند کے نقطۂ نظر کو پیش کیا۔ ذیل میں خط ملاحظہ فرمائیں۔

''دفتر الفرقان بریلی۔ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ۔

حضرت مخدومنا۔ دامت برکاتکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

خدا کرے مزاج گرامی بخیر و عافیت ہو، یہ عریضہ ایک نہایت گہرے تاثر سے لکھ رہا ہوں۔ امید ہے کہ غور سے ملاحظہ فرما کر جواب سے سرفراز فرمایا جائے گا۔

۱۔ حضرت کو غالباً علم ہوگا کہ ۱۹۳۶ء میں جنرل انتخابات کے بعد جب کانگریس نے وزارتیں قبول کرلیں اور اس کے بعد جو خاص نہج پر ایک سیاسی آویزش شروع ہوئی اور ہمارے بزرگان جمعیۃ نے جو راہ عمل اپنے صوابدید پہ اختیار کی تو یہ عاجز اس سے متفق نہ رہ سکا اور جب اس پالیسی میں ترمیم وتبدیلی سے مایوسی ہوگئی تو جمعیۃ کے نظام سے بھی الگ ہوگیا اور عمومی رکنیت سے بھی معذرت کردی اور اب تک بھی الگ ہی ہوں۔

۲۔ مسلم لیگ کی سیاست بھی کسی دن دل کو نہیں لگی اور اس لئے اس میں بھی کسی طرح کا کوئی عملی حصہ نہیں لے رہا ہوں۔

۳۔ اس انتخابی ہنگامے میں مسلمانوں کے دین واخلاق کا جو خون ہو رہا ہے اور دیانت و

آدمیت جس بری طرح پامال اور ذبح کی جا رہی ہے اور شیطنیت و درندگی کے تمام اوصاف جس وسیع پیمانے پر امت میں اس وقت فروغ پا رہے ہیں، اخباروں میں اس کا حال پڑھ کر اور مقامی حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ دیکھ کر مجھ جیسے ایک عامی اور سیاہ کار کے دل پر بھی جو کچھ گذر رہی ہے، لفظوں میں اس کی تعبیر سے عاجز ہوں۔ میں اپنے تأثر واحساس پر قیاس کر کے قسم کھا سکتا ہوں کہ اگر جناب رسول اللہ ﷺ ہماری اس دنیا میں تشریف لے آئیں اور ہمارے اس الیکشنی ہنگامے اور اس کے سلسلے میں جو کچھ ہو رہا ہے اس سب کو دیکھیں تو یقیناً آپ کو اتنا عظیم صدمہ ہوگا کہ اس سے پہلے شاید ہی کوئی سانحہ اتنا تکلیف دہ نہ ہوا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ لاکھوں مسلمانوں کا کافروں کی تلواروں سے شہید ہو جانا اور بڑے بڑے ملکوں کا مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر کافروں کے ہاتھ میں چلا جانا بھی مزاج نبوی کے لئے اتنا تکلیف دہ نہیں جتنا کہ مسلمان قوم کا دین اور اخلاق آدمیت کو خیر باد کہہ کر شیطان درندہ بن جانا اور صرف سیاسی اختلاف رائے کی وجہ سے خصوصاً صلحاء وعلماء کی آبروؤں اور جانوں کے درپے ہو جانا۔

۴۔ اخباری اطلاعات اور دیگر نجی ذرائع سے جو کچھ علم میں آتا ہے اور یہاں بریلی میں جو کچھ خود دیکھ رہا ہوں اس کی بنیاد پر بھی یقین پیدا ہو گیا ہے کہ شیطنیت و درندگی کا یہ فروغ اس وقت تک یک طرفہ سا ہے یعنی اس بارہ میں جو ترقیاں ہو رہی ہیں وہ عموماً لیگ والوں میں ہی ہو رہی ہیں۔ ممکن ہے کہ بعض مقامات پر ایسا نہ ہو یا کہیں اس کے بر عکس بھی ہو، لیکن جہاں تک میرا علم و مشاہدہ ہے وہ یہی ہے کہ لیگی کیمپ ہی اس وقت دین واخلاق کا مذبح بنے ہوئے ہیں اور ظلم وعدوان اور غنڈہ پن کو انہوں نے اپنا ہتھیار بنالیا ہے کہ جہاں وہ موقع مناسب دیکھتے ہیں اس ہتھیار کو ضرور استعمال کرتے ہیں۔

۵۔ ۱۹ نومبر ۱۹۴۵ء کو یہاں بریلی میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی تشریف لائے تھے۔ میں چونکہ اس الیکشن سے بالکل یک سو اور غیر متعلق ہوں اس لئے مجھے مولانا کی تقریر تو سنی نہ تھی البتہ حالات کا مطالعہ کرنے کے لئے اور اس واسطے کہ اخبارات وغیرہ سے مسلمان قوم کے فساد مزاج کا جو عمومی اندازہ مجھے ہو رہا ہے مشاہدہ سے اس کی تصحیح کر سکوں، میں بھی چلا گیا اور خاص جلسہ گاہ میں بیٹھنے کے بجائے الگ ایک ایسے مقام پر کھڑا ہو گیا کہ سب کچھ وہاں سے دیکھ سکوں۔ پھر بدنصیبی نے جو کچھ

دکھایا زبان یا قلم سے کسی طرح بھی اس کو ادا نہیں کیا جا سکتا۔ گالیوں اور بدتمیزیوں کا ایک عجیب وغریب طوفان تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب کے سب نہ صرف دین واخلاق ہی کو خیر باد کہہ کہ آئے ہیں بلکہ ادنیٰ درجہ کی انسانیت کا جامہ بھی اتار کے بھوت اور درندے ہو گئے ہیں۔ غدار کہہ کہہ کر کسی کے خلاف نعرے لگانا تو آج کل کا عام فیشن ہے اس کا تو ذکر ہی کیا لیکن اس کے علاوہ جو سخت متعفن اور گندی غلیظ گالیاں ان لوگوں نے بکیں اور خالص حیوانیت وشیطانیت کے جو شرمناک اور انسانیت سوز مظاہرے کئے اور جوتے، ڈنڈے اور ہاکیاں دکھا دکھا کے جس اخلاق باختگی کا نمونہ دکھایا اور پھر آخر میں جس بے دردی کے ساتھ سارے جلسہ پر پتھراؤ کیا، جس سے قریباً پچاس ساٹھ یا اس سے بھی زیادہ آدمی زخمی ہوئے اور جن میں بعض رات بھر بے ہوش رہے۔ جلسہ گاہ کے اردگرد کئی جگہ سڑک کوٹنے کے لئے پتھروں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے، صرف میرے قریب والے ایک ڈھیر سے پتھر اٹھا اٹھا کر جو لوگ بلا توقف اور مسلسل برسا رہے تھے ان کی تعداد میرے اندازے میں سو کے قریب ہوگی۔ مجھے تو حیرت ہے کہ جلسہ کا کوئی آدمی بھی کیوں کر صحیح سالم رہا۔ بہر حال شیطنت اور درندگی کا یہ منظر جن لوگوں نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا یہ واقعہ ہے کہ وہ کبھی بھی اس کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے۔ پھر یہ حرکتیں کرنے والے محض جاہل عوام ہی نہ تھے بلکہ اس کی قیادت کالجوں اور اسکولوں کے وہ تعلیم یافتہ اور وہ زیر تعلیم طلبہ کر رہے تھے جو اس وقت مسلم لیگ کی روح حیات اور اس کے جسم کا خون بنے ہوئے ہیں بلکہ کہنا چاہئے کہ مسلم لیگ اسی طبقہ کا نام ہے۔ اس یورش کے کرنے والے کئی سو لیگی تھے جن میں غالب تر تعداد ان تعلیم یافتوں ہی کی تھی۔ سب سے زیادہ تاریک اور اہل دین کے لئے قابل غور پہلو اس مظاہرہ کا یہ تھا کہ ہندو یا کانگریس کے بجائے ان تمام گندگیوں کا نشانہ صرف مولیت اور ملائیت اور اس کے لوازم کو بنایا جا رہا تھا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ اس سارے لشکر کو اصل غیظ صرف مولوی اور ملا اور اسلامیت کے ان بچے کھچے نشانات سے ہے جن کا حامل بے چارہ مولوی رہ گیا ہے۔ پھر یہ سارا طوفان بدتمیزی کسی تقریر پر مطلق نہ تھا بلکہ صرف مولانا کی آمد پر اس انداز سے گویا استقبال کیا گیا تھا۔ تقریر کی تو نوبت ہی نہیں آئی۔

اس طرح کا منظر دیکھنے کا میرے لئے یہ پہلا موقع تھا اور اب میں اس یقین کو با آسانی اپنے دل سے نہیں دھو سکتا کہ ان لیگی عناصر کے ہاتھ میں کسی اقتدار کا آنا بدترین دشمن

دین طاقت کے پاس اقتدار جانے کے مترادف ہے اور دین واہل دین کو جونقصان اس اقتدار سے پہنچ سکے گا غالباً انگریز اور ہندو نہ پہنچا سکے گا۔اگر یہ اپنی خواہشات کے مطابق دین کا مثلہ بھی کرنا چاہیں گے اور اہل دین کو اگر پھانسیاں بھی دیں گے تو اسلامی مفاد کا نعرہ لگا کر غدار غدار کا شور مچا کر دین کے اور مسلم قوم کے مفاد کے نام پر عوام مسلمانوں کو بھی اتنا گمراہ کرسکیں گے کہ پھر رائے عامہ ان سے کوئی احتساب نہ کرے گی۔انگریز یا ہندو کو کبھی یہ بات حاصل نہیں ہوسکتی۔کئی سال ہوئے ایک بہت بڑے مسلمان سرکاری عہدیدار نے (جو غالباً سر کا خطاب بھی رکھتے ہیں) مجھ سے دوران گفتگو کہا تھا کہ آپ لوگ اور آپ کے یہ مذہبی گھر وندے (مدرسے اور خانقاہیں) صرف اس لئے ہندوستان میں باقی ہیں کہ انگریزی حکومت کی پالیسی ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے۔جس دن پالیسی بھی ہمارے ہاتھ میں آجاویگی ہم آپ لوگوں کو اور آپ کے ان اڈوں کو ختم کردیں گے اور مداخلت فی الدین کے نعروں سے آپ عوام میں جو ہیجان انگریز یا ہندو کے خلاف پیدا کردیتے ہیں ہمارے خلاف پیدا نہیں کرسکیں گے۔ہم جو کچھ کریں گے مسلمان قوم کو ساتھ لے کر کریں گے اور رائے عامہ کو اتنا زیادہ تیار کریں گے کہ وہ آپ لوگوں کو اپنے مفاد کا دشمن اور قابل قتل سمجھنے لگیں گے جیسا کہ ٹرکی میں ہو چکا ہے۔بریلی میں جس دن یہ ہنگامہ دیکھا ہے مجھے برابر ان صاحب کی یہ گفتگو یاد آتی رہتی ہے۔

جس دن سے بریلی میں یہ واقعہ میری آنکھوں نے دیکھا ہے میں دین اور اہل دین کے مستقبل کے بارہ میں سخت فکر مند ہو گیا ہوں۔یہ واقعہ ہے کہ سیاست ملکی میں عدم توافق کے علاوہ یوں بھی حضرت مولانا مدنی سے میرا ایسا خاص تعلق نہیں ہے جیسا ان کے خواص کو ہوگا اس لئے میرے یہ تأثرات محض ان کی شخصیت کی وجہ سے نہیں بلکہ میرے نزدیک یہ معاملہ دین اور اہل دین کا ہے اور سب سے زیادہ ہمارے ان حضرات کی توجہ کا مستحق ہے جو لیگ کی حمایت فرما رہے ہیں۔میرے نزدیک اس صورت حال کی اصلاح کے لئے یہ بالکل ناکافی ہے کہ کبھی بھی کسی بیان کے ضمن میں اس کے متعلق چند لفظ لکھ دیئے جائیں بلکہ ضرورت ہے کہ اس مسئلہ کی واقعی ضرورت کو محسوس کر کے اس کو اپنی توجہ اور کوشش کا خصوصی مرکز بنایا جائے۔ہمارے جو بزرگ لیگ کی حمایت میں خیر کا یقین رکھتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ لیگ کے لئے وہ

اتنا زیادہ کام عوام میں آ کر کریں کہ عوام سب سے زیادہ ان سے متأثر ہوں۔ آزاد خیال مسلمانوں کے طبقے میں اپنی بے انتہا جدو جہد کی وجہ سے حضرت مدنی کو جو مقام حاصل ہے اگر آپ حضرات ایسی ہی بے تحاشہ کوشش سے لیگ کی دنیا میں ایسا ممتاز مقام حاصل نہیں کرتے تو آپ کی موجودہ طرز کی کاغذی حمایت کا نتیجہ ایک بدترین دشمن دین وانسانیت عنصر کو مزید قوت پہنچانے کے سوا اس نیاز مند کے نزدیک تو کچھ بھی نہ ہوگا۔ لہٰذا میں اپنی کمترینی کا پورا احساس کرتے ہوئے اتنا عرض کرنے کی جسارت کرنے پر مجبور ہوں کہ جناب والا یا تو حضرت مدنی کی طرح لیگ کے کام کے لئے کمر بستہ ہوں اور کم سے کم آنے والے صوبہ جاتی انتخابات تک جناب کے بھی مسلسل طوفانی دورے ہوں۔ تاکہ لیگ کی دنیا میں آپ حضرات کا اثر و رسوخ ہو اور دین کی باتوں کے لئے وہاں امکانات پیدا ہوں اور شیطنیت کا جو طغیان اس میں اٹھ رہا ہے اس کا انسداد ہو سکے۔ اور اگر طبع سامی اس کے لئے آمادہ نہ ہو تو لیگ کی موجودہ ہیئت اجتماعیہ ہرگز، اس لائق نہیں ہے کہ بیانات سے اس کی تائید کر کے اس کو تقویت پہنچائی جائے۔ مجھے معلوم ہے کہ اس طرز کے حمایت کرنے والے حضرات کو لیگی زعماء اپنے آلہ کار سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے اور ان کو کوئی وقعت نہیں دیتے بلکہ مجھے تو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ ان کی حمایت کو بھی مخلصانہ اور بے غرض نہیں سمجھتے۔ میں نے خاص تأثر کی حالت میں یہ عریضہ لکھا ہے اور اندازہ ہے کہ اپنے منصب سے یہ میرا تجاوز ہے۔ اس کے علاوہ بھی نہ معلوم کیا کیا بے اعتدالی سرزد ہوگئی ہو، اس لئے استدعا معافی پر ختم کرتا ہوں۔ آخر میں پھر مکرر معروض ہے کہ امت اس وقت جس ابتلا میں ہے اس کے لئے دعائیں بھی فرمائیں اور اصلاح حال کے لئے سعی بھی۔ والسلام

خادمکم۔

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ۔" (7)

مندرجہ بالا خط مولانا نعمانیؒ کی ہندوستانی سیاست، مسلمانوں کی حالت زار اور مستقبل کے حوالے سے پیش بینی کی تصویر پیش کرتا ہے۔ نیز اس خط میں انہوں نے درست سیاسی حکمت عملی کے لئے جو تجاویز پیش کیں، وہ یقیناً قابل تعریف تھیں اور مسلمانوں کی بقاء کے لئے انتہائی فائدہ مند تھیں۔ جس کا اندازہ آنے والے حالات میں ہو گیا کہ مسلم لیگ نے کیا کردار ادا کیا اور پاکستان بنانے کے بعد بھی اسلامی نظام صرف نعرے کی حد تک موجود ہے۔ نصف صدی گذرنے کے بعد بھی اسلامی نظام کے جس نعرے پر مسلم لیگ نے علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا تھا ہنوز اس

پر عمل درآمد باقی ہے۔

مولانا تقی عثمانی مدظلہ العالی کے نام خط:۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا ایک اہم میدان مناظرہ بھی تھا جس کے ذریعے وہ اپنے مسلک کا دفاع کرتے تھے اور اسلام کے نام پر وجود میں آنے والے دیگر فرقوں سے مناظرہ کرتے تھے۔ جو ان کے خیال میں فتنے تھے۔ اس سلسلے میں سرفہرست بریلوی، شیعہ اور قادیانی ہیں۔ اس کے علاوہ ہندوؤں کی مختلف تحریکوں کے خلاف ان کی کاوشیں موجود ہیں۔ زیر نظر خط مولانا تقی عثمانی کو لکھا گیا ہے جس میں بریلویوں کی کتابوں کے تذکرے اور ان کے خلاف کام کی حکمت عملی وحالات زیر بحث لائے گئے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

برادرم محترم ومکرم جناب مولانا محمد تقی عثمانی صاحب!

احسن اللہ تعالیٰ الیکم والینا۔

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا نامہ اخلاص واخوت (مورخہ ۶ ربیع الاول) موصول ہوا اور کسی کے قلم سے لکھائے ہوئے الفاظ سے آپ کو اندازہ نہیں کرا سکتا کہ اس کی بعض باتوں سے کتنی خوشی ہوئی۔ خط وکتابت سے مجھے فطری مناسبت نہیں ہے اس لئے آنے والے خطوط میری طبیعت پر بوجھ بن جاتے ہیں لیکن آپ کا مکتوب محبت طویل ہونے کے باوجود میرے لئے راحت وفرحت کا باعث بنا۔

آپ سے اصل واقفیت ''البلاغ'' ہی کے ذریعہ سے ہے اور دل میں آپ کی خاص قدر وقیمت ہے۔ حرمین شریفین کی ملاقاتوں میں آپ کو بس دیکھ لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کی ترقیات سے نوازے۔ اب چند باتیں نمبروار لکھتا ہوں۔

۱۔ علمائے دیو بند اور حسام الحرمین'' کا کوئی نسخہ ڈاک سے یہاں نہیں پہنچا۔ آپ نے دستی بھیجنے کے لئے لکھا ہے میں منتظر رہوں گا (ایک صورت یہ بھی ہے کہ آپ تبلیغی مرکز (مکی مسجد) والوں کے سپرد کر دیں۔ وہاں سے کسی کے ذریعہ دہلی پہنچ کر مجھے ان شاء اللہ مل جائے گا۔

۲۔ ''الشہاب الثاقب'' اپنے مواد کے لحاظ سے بڑی قیمتی کتاب تھی۔ ''رجوم المذنبین'' کے ابتدائی واقعاتی حصہ کے علاوہ آگے جوابی حصہ میں ہمارے بزرگوں کے جو واقعات اور قصائد وغیرہ نقل کئے ہیں وہ مقصد کے لئے بہت مفید ہیں لیکن اس کی

زبان اور حضرت مولانا کی غیر معمولی مزاجی شدت کی وجہ سے اس سے زیادہ فائدہ نہیں ہوسکا۔اس کے علاوہ اس میں ایک خاص کمزوری یہ ہے کہ اس میں ''سیف النقی'' کے اعتماد پر ۲ حوالے غلط دے دیئے گئے ہیں۔(یہ ''سیف النقی'' ''حسام الحرمین'' کے جواب میں اسی زمانے میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں مولوی احمد رضا خان کے باپ، دادا، پیر، دادا پیر حتیٰ کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے نام سے کتابیں گڑھ گڑھ کے ان کے صفحات اور مطابع کے ساتھ حوالے دیئے گئے تھے (اور یہ سب حوالے بالکل بے اصل تھے) یہ کتاب کسی نے لکھ کر دیو بند بھیجی تھی اور اسی زمانہ میں (غالباً حضرت میاں صاحبؒ کے کتب خانہ کی طرف سے) چھپ کر شائع ہوئی تھی، بعد میں جب مولوی احمد رضا خان نے گرفت کی اور حوالوں کو چیلنج کیا تو معلوم ہوا کہ یہ کسی دشمن کی حرکت تھی۔اس کا مصنف (محمد نقی اجمیری) نامعلوم تھا۔جب وہ چھپی تھی تو ہمارے حلقہ میں ہاتھوں ہاتھ لی گئی اور اسی زمانہ میں حضرت مولانا مدنیؒ نے ''الشہاب الثاقب'' لکھی تو اس کے اعتماد پر ۲ حوالے دے دیئے۔اس غلطی نے ''الشہاب الثاقب'' کی افادیت کو بہت نقصان پہنچایا۔(مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ کا خیال تھا کہ یہ غالباً بریلی ہی سے پھینکا ہوا جال تھا، ناواقفی سے ہمارے حضرات اس میں پھنس گئے) واللہ اعلم۔

آپ کے مکتوب سے یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے ''الشہاب الثاقب'' کا ابتدائی واقعاتی حصہ زبان کی تبدیلی کے ساتھ اس کتاب میں شامل کر دیا ہے۔میں نے ''سیف النقی'' والی بات اس لئے لکھ دی کہ آپ کے علم میں رہے۔حال ہی میں سنا ہے کہ ناواقفی کی وجہ سے دیو بند کے کسی کتب خانے نے وہ پھر چھاپ دی ہے۔

بڑا افسوس اور قلق ہے کہ میرے لئے اب سفر بہت مشکل ہوگیا ورنہ میں چاہتا تھا کہ ایک دفعہ ہفتہ عشرہ کے لئے ادھر جاؤں، کراچی یا لاہور میں قیام کروں اور پھر ذی استعداد نو فضلا اور منتہی طلبہ کو بریلوی فتنہ سے مسلمانوں کے دین و دنیا کی حفاظت کرنے کی تیاری میں کچھ ان کی مدد کروں۔اس سے امت کی حفاظت کے لئے کچھ واقفیت کے ساتھ نئی حکمت عملی کی ضرورت ہے۔لیکن میری صحت کہ میں سفر سے معذور ہوں۔

۳۔ ''زلزلہ کا پوسٹ مارٹم'' الگ کوئی کتاب نہیں ہے ''بریلوی فتنہ'' کے دوسرے ایڈیشن میں بطور مقدمہ کے میرے ایک مضمون کا اضافہ کیا گیا ہے۔جو افادیت کے

لحاظ سے اچھا اضافہ ہے اور معمولی ترمیمیں بھی کی گئی ہیں اور ٹائٹل پر کتاب کے دوسرے نام کے طور پر ''زلزلہ کا پوسٹ مارٹم'' لکھ دیا گیا ہے۔

۴۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب اور اپنے اکابر سے متعلق جو سلسلہ جاری ہے اس کے بارے میں جس کمی اور قابل اعتراض بات کی طرف آپ نے توجہ دلائی ہے اس سے اندازہ ہوا کہ اب تک میں آپ کو (کم عمری کے باوجود) علم وفہم کے جس امتیازی مقام پر سمجھتا تھا اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت سے آپ اس سے بھی بالاتر ہیں۔ آپ کی اس بات کی میرے دل میں بڑی قدر تھی یہ نہایت ضروری اور اہم بات تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ کو عطا فرما رکھا ہے اس سے ہزاروں درجہ زیادہ اور عطا فرمائے اور علم کے ساتھ دین میں اور اپنی ذات پاک کے ساتھ خاص تعلق میں بے حساب اضافہ فرمائے...... ہمارے اکابر اور علمائے نجد کے مسلک میں بلاشبہ اختلاف بھی ہے اور اس مضمون میں اس کا اظہار بھی ضرورت تھا اور شروع ہی سے میرے خاکے میں یہ جزء بھی تھا۔ فروری کا شمارہ جس میں اس سلسلہ کی تیسری قسط شائع ہوئی ہے خدا کرے کہ آپ کی نظر سے گذر چکا ہو، اس میں یہ جزء آ گیا ہے۔ احتیاطاً وہ شمارہ مکرر روانہ کرنے کے لئے کہہ دیا ہے۔

سلسلہ کی چوتھی قسط مارچ کے شمارہ میں آ رہی ہے ان شاء اللہ وہ زیادہ خوش کن اور دلچسپ ہوگی۔ اس میں کچھ وہ تاریخی واقعات آ گئے ہیں جن کے عینی شاہد اور براہ راست واقفیت رکھنے والے اب بہت کم زندہ ہیں اور جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ کہیں محفوظ بھی نہیں ہیں اس لئے میں نے ان کو بالقصد اس سلسلہ تحریر کا جز بنا دیا ہے۔

۵۔ چوتھی قسط میں مولانا مدنی کا جو ''بیان'' شائع کیا جا رہا ہے اس کا مل جانا اللہ تعالیٰ کی خاص مدد کا کرشمہ ہے۔ مجھے یاد تھا کہ مولانا مدنیؒ نے اس زمانہ میں اس طرح کا بیان دیا تھا لیکن اس کا کوئی ثبوت میرے پاس نہیں تھا وہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص قدرت سے فراہم کرا دیا۔ فللہ الحمد ولہ الشکر

۶۔ میری رائے یہ ہے کہ جب چوتھی قسط بھی آپ کی نظر سے گذر جائے تو آپ اس مضمون کو سامنے رکھ کر ایک مستقل مضمون اسی موضوع پر ''البلاغ'' میں ضرور لکھیں۔

۷۔ یہ میرے علم میں ہے کہ یہ سلسلہ ''ترجمان اسلام'' لاہور میں شائع ہو رہا ہے۔ ایک صاحب کے خط سے معلوم ہوا تھا کہ حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب ''المنیر'' میں بھی شائع کر رہے ہیں۔

۸۔ تیسری قسط میں نواب صدیق حسن خان مرحوم کی عبارتیں ان شاء اللہ ان لوگوں کا پورا علاج کر دیں گی جنہوں نے ''الشہاب الثاقب'' اور ''التصدیقات'' کے اس موضوع سے متعلق مندرجات کو ''وہاں'' پھیلایا ہے۔ شاید آپ کے علم میں نہ ہو اب سے بہت پہلے مولانا محمد اسماعیل (گجراں والا) مرحوم کا ایک رسالہ عربی میں وہاں بہت بڑی تعداد میں شائع کیا گیا جس کے ذریعہ وہاں کے علماء اور ذمہ داروں کو شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت سے متعلق ''الشہاب الثاقب'' اور ''التصدیقات'' سے واقف کیا گیا تھا۔ صرف یہی اس کا موضوع تھا۔ مجھے یہ رسالہ گذشتہ سال وہیں سے ملا تھا اور اس نے مجھے اس موضوع پر لکھنے کی ضرورت کا احساس کرایا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا ہے کہ مرحوم نواب صدیق حسن خان اور ہمارے اکابر ایک ہی مقام پر کھڑے ہیں۔ میں نے نواب صاحب کی طرف سے بھی وہی عذر کیا ہے جو اپنے اکابر کی طرف سے کیا ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ نواب صاحب ہمارے بزرگوں کی طرح ان کی کتابوں اور دعوت سے ''بالکل ناواقف'' نہیں تھے ''اتحاف النبلاء'' نواب صاحب نے ''ترجمان وہابیہ'' سے قریباً ۲۰ سال پہلے لکھی ہے اور اس میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کے تذکرہ ہی میں ان کے فرزند شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب کے اس رسالہ کا طویل اقتباس نقل کیا ہے جس کے کچھ اقتباسات میں نے تیسری قسط میں درج کئے ہیں۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ نواب صاحب ان کے بارے میں پوری طرح مطمئن بھی نہیں تھے اور یہ بھی واقعہ ہے کہ ''ترجمان وہابیہ'' انہوں نے اپنی خاص سیاسی مصلحت یا مجبوری سے لکھی تھی جب کہ ان کو یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ انگریزی حکومت ان کے ''وہابی'' ہونے کی بناء پر ان کے بارے میں غیر مطمئن ہو جائے گی۔ ترجمان وہابیہ دیکھنے کی کتاب ہے اس کو ضرور دیکھئے۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ ۱۸۵۷ء کا غدر صرف حنفیوں نے کیا تھا۔ اہل حدیث اس سے بالکل الگ رہے...... اس پوری کتاب کا حاصل یہ ہے کہ میرا اور ہندوستان کی جماعت اہل حدیث کا محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ مقلد حنبلی ہیں اور ہم اہل حدیث ہیں اور انہوں نے جہاد کے نام سے فساد برپا کیا اور ہم ''امن پسند'' ہیں...... واقعہ یہ ہے کہ حالات کی مجبوریاں بھی عجیب چیز ہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ ہی محفوظ رکھے۔ بھائی مولانا محمد رفیع صاحب کو بھی سلام مسنون اور آپ سب حضرات

سے دعا کی درخواست۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ.............محمد منظور نعمانی''(8)

مولانا تقی عثمانی مدظلہ العالی لکھتے ہیں۔

''دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ کے موقع پر جب مجھے ہندوستان جانے کا اتفاق ہوا تو میں دیوبند کے بعد لکھنؤ بھی گیا۔ اس سفر کا بڑا مقصد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہم اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کی ملاقات تھی۔ مولانا اس وقت بہت کمزور ہو چکے تھے، لیکن احقر کو نہ صرف شرف ملاقات بخشا، بلکہ میرے استحقاق سے کہیں زیادہ شفقت اور اکرام کا معاملہ فرمایا۔ مولانا کے آخری ایام حیات کا ایک بڑا تالیفی کارنامہ مولانا کی کتاب ''ایرانی انقلاب'' ہے۔ اس موضوع پر انہوں نے ''الفرقان'' میں ایک سلسلہ مضامین سپرد قلم کیا تھا جو بعد میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔ اس موقع پر بھی حضرت مولانا نے احقر کو مندرجہ ذیل خط تحریر فرمایا۔

از محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ۔

۱۳ ذی الحجہ لکھنؤ ۱۴۰۴ھ۔

برادرم مکرم محترم جناب مولانا محمد تقی عثمانی صاحب!

زید مجدکم۔ سلام ورحمت۔

خدا کرے ہر طرح عافیت ہو۔

''البلاغ'' غالباً پابندی سے روانہ ہوتا ہو گا لیکن کبھی کبھی ہی پہنچتا ہے خدا کرے ''الفرقان'' پابندی سے پہنچتا ہو۔ معلوم ہوا ہے کہ دفتر سے پابندی سے روانہ کیا جاتا ہے۔

ایران کے انقلاب اور خمینی سے متعلق ''الفرقان'' کے تین شماروں میں جو کچھ لکھا گیا ہے خدا کرے نظر سے گذرا ہو۔ (اس کی پہلی قسط تو ذیقعدہ کے بینات میں بھی شائع ہوگئی ہے) عمر کے تقاضے سے مجھ پر ضعف کا بہت غلبہ ہوگیا ہے۔ میں اس حال میں نہیں تھا کہ کوئی ایسی چیز لکھوں جس کے لئے محنت کرنی پڑے لیکن میں نے اس کو وقت کا اہم فریضہ اور بعض خاص وجوہات سے اپنے حق میں فرض عین سمجھا اور میں نے ایک مستقل کتاب لکھنا شروع کی۔ جس کا ابتدائی حصہ ''الفرقان'' کے تین شماروں میں شائع ہوا۔ وہ کتاب بفضلہ تعالیٰ تکمیل کے مرحلہ میں ہے کتابت بھی ساتھ ہی ساتھ ہوتی

رہی۔اللہ تعالیٰ تکمیل کی توفیق دے۔اپنے بندوں کے لئے نافع بنائے اور قبول فرمائے۔تقریباً تین سوصفحات ہوں گے۔اگر باآسانی ممکن ہوتا تو میں آپ کو مکلف کرتا کہ آپ پوری کتاب کو غور سے دیکھ کر اس پر مقدمہ لکھیں، لیکن ظاہر ہے کہ یہ آسان نہیں اور اس کے لئے انتظار کرنا پڑے گا اور میں جلد سے جلد کتاب کی اشاعت چاہتا ہوں۔کتاب تیار ہو جانے پر انشاء اللہ رجسٹرڈ ارسال خدمت ہو گی۔آپ اس پر اس طرح تبصرہ کریں کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کو کتاب کا جزء بنایا جاسکے۔مجھے شبہ ہے کہ بے ادبی نہ ہو لیکن عرض کرتا ہوں ایرانی انقلاب کے نتیجہ میں خمینی اور نفس شیعیت کے بارے میں خود ہمارے حلقوں میں بھی جو حسن ظن پیدا ہوا اور خاص کر جماعت اسلامی سے متاثر ہونے والے نوجوانوں کا جو حال ہوا اسے دیکھ کر مجھ پر ایسا اثر پڑا کہ میرے لئے یہ سمجھنا آسان ہو گیا کہ قادیانیت کے فروغ کی اطلاعات سے استاذ نا حضرت شاہ صاحب کو کیسی بے چینی ہوئی ہو گی۔ہم نے ان کا حال آنکھوں سے دیکھا ہے۔

میں نے اس کتاب کے ذریعہ ایک کام شروع کیا ہے۔ضرورت ہے کہ آپ جیسے حضرات (جن کے قویٰ بفضلہٖ تعالیٰ پوری طرح ساتھ دے رہے ہیں) اس مسئلہ کی طرف پوری توجہ فرمائیں اور اس کو اپنے قلم کا خاص موضوع بنائیں۔

برادرم مکرم مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کی خدمت میں سلام مسنون اور آپ سے اوران سے دعا کی درخواست ہے۔والسلام علیکم ورحمۃ اللہ (محمد منظور نعمانی)''(9)

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے نام خطوط۔

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ بڑے جید عالم دین تھے۔ان سے مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا خاص تعلق تھا۔ان کو مولانا نعمانیؒ نے مختلف اوقات میں کئی خطوط لکھے، جن میں اپنی مصروفیات، خاص کر دارالعلوم دیوبند میں متنازعہ مسائل، مختلف تا مات، مناظروں کی روداد اوران کے اثرات وغیرہ اور دیگر ذاتی واقعات وحالات کا ذکر موجود ہے۔ذیل میں خطوط ملاحظہ فرمائیں۔

خط نمبرا: بنام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ۔

''محمد منظور نعمانی عفی اللہ عنہ۔

باسمہٖ تعالیٰ۔

صدیق المحترم حضرت مولانا محمد یوسف صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عنایت نامہ مورخہ ۲۲ محرم موصول ہوکر موجب منت ومسرت ہوا۔عریضہ کا جواب یا اطلاع رسید نہ ملنے کی وجہ سے خیال ہوگیا تھا کہ شاید وہ ڈاک سے ضائع ہوگیا آپ تک نہیں پہنچ سکا۔اب گرامی نامہ سے معلوم ہوا کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا یہ انعام ہوا تھا کہ ان دنوں آپ سفر حج میں تھے۔اب واپسی پر میرا عریضہ ملاحظہ فرمایا۔اللہ تعالیٰ آپ کے اس حج اور اس سفر کے ثمرات اور ان کے سلسلہ کے تمام مناسک وافعال اور دعوات صالحہ کو اپنی شان عالی کے مطابق قبول فرمائے اور آپ کے لئے اور آپ کے اہل تعلق کے لئے مغفرت کا وسیلہ بنائے اور اس کے انوار وبرکات آپ کی روح میں اس طرح پیوست فرمادے کہ قبر میں بھی ساتھ جائیں۔

دارالعلوم دیوبند کے المیہ کے سلسلہ میں حضرت قاری صاحب علیہ الرحمۃ کی حیات میں اوران کے حادثہ وفات کے بعد الفرقان میں جو کچھ لکھا گیا اس کے بارے میں گرامی نامہ سے جناب کی رائے اور تاثر معلوم کر کے بڑا اطمینان ہوا اور دل کی فکر وتشویش میں کمی ہوئی اور اسی کی وجہ سے دل میں کچھ عرض کرنے کا داعیہ پیدا ہوا۔ورنہ ہائی بلڈ پریشر کا مریض ہونے کی وجہ سے اب خطوط بہت مختصر ہی لکھتا یا لکھاتا ہوں۔یہ عریضہ بھی ایک عزیز سے لکھا رہا ہوں۔مولانا! واقعہ یہ ہے کہ جو مقدر تھا وہ ہو چکا لیکن خاص کر ان کی وفات کے بعد دل بہت متأثر ہے اور جب خیال آجاتا ہے تو رنج اور افسوس ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ مغفرت ورحمت کا خاص معاملہ فرمائے۔درجات بلند فرمائے اور اس سلسلہ میں جو غلطیاں ہم سے یا ان سے ہوئیں اپنی شان کرم سے ان کو معاف کردے۔انہ عفو کریم۔

مولانا! ''بل الانسان علی نفسہ' بصیرۃ'' مجھے اپنے ظاہری و باطنی عیوب ومعاصی کا علم ہے۔جو ایسے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ رحم وکرم کا معاملہ نہ فرمائے تو خیریت نہیں ہے اور قاری صاحب مرحوم مغفور کے تو صرف ان ہی اقدامات کو میں غلط سمجھتا ہوں جو دارالعلوم کے بارے میں عمر کے بالکل آخری دور میں ان کی طرف سے ہوئے۔بالخصوص دارالعلوم کے ''دستور اساس'' اور اس کی ''مجلس شوریٰ'' کو کالعدم قرار دینے کا اقدام، جو دارالعلوم کے حق میں یقیناً انتہائی درجہ کی خطرناک بات تھی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ چیز ان کی فطرت اور ان کے عمر بھر کے طرز عمل کے خلاف تھی۔کچھ

لوگوں نے ان کی فطری انتہائی درجہ نرم مزاجی اور کبرسنی کی پیدا کی ہوئی کیفیت سے فائدہ اٹھا کر اس غلط اور ناممکن بات کے لئے ان کو تیار کرلیا، وہ خودتو ایسی بات سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ یہی چیز اس اختلاف اور خلفشار کی بنیاد بنی اور ہم سب اس آزمائش میں مبتلا ہوئے۔ فی مابیننا وبین اللہ دل اس پر مطمئن ہے کہ دارالعلوم کو برے انجام سے بچانے کے لئے ہم ارکان شوریٰ نے جو رویہ اختیار کیا وہ صحیح بلکہ ہمارا فرض تھا۔ تاہم ہم بشر ہیں رائے اور فکر کی غلطی سے ہم میں سے کوئی محفوظ نہیں ہے۔

بہر حال میں تو ان کے صرف اس عمل اور اس سلسلہ کے اقدامات کو غلط سمجھتا ہوں جو رائے اور فکر کی غلطی بھی ہوسکتی ہے لیکن اس کے مقابلہ میں ان کی جن حسنات اور جن کمالات سے واقف ہوں ان کا شمار بھی مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی میں ان کو حفظ قرآن کی دولت عطا فرمائی۔ وہ زندگی بھر ان کا وظیفہ رہا، پھر وہ علم دین کی نعمت عظمیٰ سے بھی نوازے گئے۔ ہم نے آپ نے ان کو دیکھا وہ شرافت اور خلق حسن کا مجسمہ تھے۔ ان کے مواعظ حسنہ سے ہزاروں بندگان خدا کو ہدایت ملی ہوگی۔ نماز روزے کی اور ذکر وتلاوت پھر دوسرے اعمال خیر کی توفیق ہوئی ہوگی۔ اس سب کے علاوہ خود اپنی قریباً ۸۰ سال کی مختلف النوع عبادات اور دینی خدمات وحسنات کا بھی ذخیرہ اپنے ساتھ لے کر اس دنیا سے چلے گئے ہیں اور آخرت میں فیصلہ کسی ایک عمل پر نہیں بندہ کے مجموعی اعمال پہ ہوگا۔ ''فمن ثقلت موازینہ فا ولئك هم المفلحون'' اور ''فامامن ثقلت موازینه فهو فی عيشة راضية''

ظاہر ہے کہ ان کی ان بے شمار حسنات وخدمات کے مقابلہ میں دارالعلوم کے سلسلے میں اس غلطی کی کیا حیثیت ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ کا منشور رحمت ہے ''ان الحسنات یذھبن السیئات'' اس سب کو سامنے رکھ کر قریب بہ یقین امید ہوتی ہے کہ وہ انشاء اللہ اولئک ھم المفلحون اور فھو فی عیشۃ راضیۃ'' والے زمرے میں ہوں گے۔

اور اس کے برعکس یہ عاجز اپنے کو رذائل اور معاصی کا مجسمہ ہی دیکھتا اور سمجھتا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کا یہ فضل وکرم ہے کہ اپنی اس حالت کا احساس اور فکر نصیب ہے اور اسی کی طرف سے توبہ واستغفار کی توفیق بھی ملتی رہتی ہے۔ دعائے ماثور ''اللھم ان مغفرتک اوسع من ذنوبی ورحمتک ارجی عندی من عملی'' کو خاص طور سے اپنے حسب حال پاتا ہوں اس لئے غرق معاصی ہونے کے باوجود ارحم الراحمین کی رحمت کا امیدوار ہوں

اور جیسا کہ جناب نے گرامی نامہ میں تحریر فرمایا ہے، اس کی بھی امید رکھتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ رب کریم ہم کو ان بندوں میں شامل فرمادے جن کے بارے میں ارشاد ہوا ہے ونزعنا مافی صدورھم من غل اخوانا علی سرر متقابلین۔

گرامی نامہ سے معلوم ہوا اور خیال بھی یہی تھا کہ ''بینات'' وہاں سے پابندی سے ہر مہینے روانہ ہوتا ہوگا، لیکن یہاں بس کبھی کبھی پہنچتا ہے۔ آپ کا افتتاحیہ اور حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب دامت برکاتہم کے جو ارشادات وافادات ہوتے ہیں ان کو اہتمام سے پڑھتا ہوں۔ حضرت سے عقیدت واستفادہ کا تعلق آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے۔ ھنیا لکم مجھے بڑا ہی افسوس اور قلق ہے کہ تین چار سال پہلے جب کراچی جانا ہوا تھا تو حضرت کے بارے میں وہ واقفیت نہیں تھی جو بعد میں خاص کر ''بصائر'' اور ''مآثر'' کے مطالعہ سے ہوئی۔ اس لئے اس وقت حضرت کی خدمت میں حاضری سے محروم رہا۔ اب وہی مسئلہ ہے کیف الوصول الی السعادۃ...... سفر میرے لئے مشکل تو ہے لیکن ناممکن نہیں مگر قانونی مشکلات پہاڑوں کی طرح حائل ہیں۔ معلوم ہوا کہ ویزا بہت ہی مشکل سے ملتا ہے۔ اگر یہ اشکال نہ ہوتا تو خاص کر حضرت ڈاکٹر صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضری کے لئے سفر کرتا۔

حضرت کی خدمت میں حاضری ہو اور آپ مناسب سمجھیں تو اس عاجز کا سلام اخلاص و نیاز اور دعا کی درخواست عرض کردی جائے۔ محترمی مولانا مفتی احمد الرحمن صاحب اور عزیزی مولوی محمد بنوری سلمہم اللہ کو بھی سلام مسنون اور ان سے اور جناب سے بھی دعوات صالحہ کی استدعا۔

نوٹ۔ اگر اس عریضہ کے کسی حصہ کو شائع کرنے کا ارادہ فرمائیں تو میری طرف سے اجازت ہے۔

والسلام...................... محمد منظور نعمانی

بقلم: محمد حسان نعمانی (صفر المظفر ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۹۸۴ء)''(10)

خط نمبر۲: بنام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ۔

''باسمہ تعالیٰ۔

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ، لکھنو۔

برادرم محترم ومکرم جناب مولانا محمد یوسف لدھیانوی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

خدا کرے مزاج گرامی ہر طرح بعافیت ہو۔

میں اس وقت یہ عریضہ ایک خاص بات دریافت کرنے کے لئے لکھ رہا ہوں۔ غور وفکر کے بعد آپ ہی کی طرف نظر گئی۔ شاید آپ سے وہ بات معلوم ہو سکے جو معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی مرحوم کا انتقال کراچی میں ہی ۶ رمضان المبارک کو ہوا۔ غالباً آپ حضرات نماز جنازہ اور تدفین میں شریک رہے ہوں گے۔ وہ یہاں سے دسمبر میں گئے تھے۔ ان کی بڑی بیٹی جو کراچی میں ہے وہ ان کو علاج کے لئے لے گئی تھیں۔ ان کے اس سفر سے کچھ پہلے ایک ملاقات میں میں نے ان سے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی دامت برکاتہم اور ان کی اصلاحی کتابوں کا تذکرہ کیا تھا۔ انہوں نے بتلایا تھا کہ میں ایک دفعہ کراچی میں حضرت ڈاکٹر صاحب کے یہاں حاضر ہوا تھا اور مجھے انہوں نے کوئی کتاب بھی عنایت فرمائی تھی، چونکہ میرے ذہن میں کوئی زیادہ اہمیت نہیں تھی اس لئے میں نے کتاب کا مطالعہ نہیں کیا۔ اب ان شاء اللہ مطالعہ کروں گا اور اب کراچی جانا ہوگا تو خاص طور سے ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔

وہ جس حال میں یہاں سے گئے تھے اور پھر جس حال میں وہاں رہے (بلکہ جیسا کہ معلوم ہوا ہے زیادہ مدت تک وہ اسلام آباد رہے) اس کے پیش نظر مجھے اس کی امید نہیں کہ وہ حضرت ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے ہوں لیکن امکان بہرحال ہے۔ اگر وہ کبھی حاضر ہوئے ہوں گے تو آپ کے علم میں ضرور آیا ہوگا۔ اگر اس سلسلہ میں آپ کو تحقیق سے کچھ معلوم ہو سکے تو براہ کرم مجھے مطلع فرمائیں۔ آپ کو خود بھی اندازہ ہوگا مولانا مرحوم کے خیالات میں بہت آزادی رہی ہے اور ان کی تحریروں میں ایسی چیزیں آتی رہی ہیں لیکن قریباً ایک سال پہلے سے اس بارے میں ان میں بہت تبدیلی آگئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے کرم سے امید یہی ہے کہ آخری دنوں میں ان کو انابت کی پوری توفیق ملی ہوگی۔

الغرض مولانا مرحوم کی حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ کی خدمت میں حاضری کے بارے میں اور ان کے آخری ایام حیات کے بارے میں اگر جناب کو کچھ معلوم ہو تو اس سے مطلع فرمایا جائے۔

مولانا مرحوم کے مجھ پر بہت حقوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حقوق کے مطابق ان کے لئے دعا

کے اہتمام کی توفیق نصیب فرمائے۔آپ سے بھی ان کے واسطے اور اپنے واسطے بھی دعا کی استدعا ہے۔اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے بڑے انعامات سے نوازا وہی شکر کی توفیق عطا فرمائے۔اب سب سے بڑی حاجت یہ ہے کہ زندگی کے جو دن باقی ہیں ایمان و اعمال کی توفیق اور عافیت کے ساتھ پورے ہوں۔وقت موعود آئے تو ایمان کے ساتھ اور سہولت کے ساتھ اٹھالیا جائے اور رب کریم مغفرت ورحمت کا معاملہ فرمائے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے حق کے مطابق آپ کے واسطے دعا کے اہتمام کی توفیق اس عاجز کو عطا فرمائے۔بشرط یا دو سہولت مولانا مفتی احمد الرحمٰن وعزیزم مولوی محمد بنوری سلمہم اللہ تعالیٰ اور ہمارے رشید الحسن صاحب کو سلام مسنون اور سب سے دعا کی درخواست۔عاجز نے یہ عریضہ دوسرے کے قلم سے لکھوایا ہے خود پڑھ نہیں سکا ہوں۔ معذرت خواہ ہوں۔والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

محمد منظور نعمانی............................۱۰رمضان المبارک''(11)

خط نمبر۳: بنام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ۔

''باسمہ تعالیٰ۔

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ۔

برادر محترم ومکرم جناب مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب!

احسن اللہ الیکم والینا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ!

آپ حضرات کو مجھ سے زیادہ احساس ہوگا کہ ایران کے انقلاب اور خمینی کی قیادت نے شیعت کو ایک زندہ اور طاقتور دعوت وتحریک بنا دیا ہے اور تمام مما لک کے شیعوں میں ایک نئی زندگی آگئی ہے۔آپ کے ہاں جو کچھ ہو چکا ہے اس کا علم ہوتا رہا ہے اور اب فقہ جعفریہ کا مسئلہ سامنے ہے۔

آپ حضرات کو بھی احساس ہوگا کہ اس وقت اس بارے میں رائے عامہ ہموار کرنے کی شدید ضرورت ہے۔آج کی دنیا میں سب سے بڑی دلیل عوام کی اجتماعیت اور رائے عامہ کی طاقت ہے۔علمائے کرام اور عمائدین ملت غور وفکر کر کے اس کے لئے راہ عمل طے کریں۔ہمارے حضرت مولانا بنوری رحمہ اللہ علیہ ہوتے تو وہ آگے بڑھتے اب آپ حضرات اپنا فرض ادا فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے کہ میرے لئے سفر آسان نہیں ورنہ بار بار دل میں تقاضہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرات علمائے کرام اور بعض عمائدین سے اس سلسلہ میں بات کرنے کے لئے سفر کروں۔

میری رائے اور گزارش ہے کہ پہلے اپنی جماعت کے خواص اہل علم اور اہل الرائے عمائدین کو مدعو کر کے آپ مشورہ فرمائیں اور راہ عمل طے فرما کے بنام خدا قدم اٹھائیں۔اس مہم میں بھی قادیانیت کے خلاف مہم کی طرح بریلوی حضرات اور اہل حدیث حضرات کو بھی ساتھ لینا ضروری ہوگا بلکہ مناسب سمجھا جائے تو بریلوی حضرات سے کہا جائے کہ وہ آگے بڑ مد ہم ساتھ دیں گے۔

میں تو اس وقت ان سطور کے ذریعہ صرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔اس قضیہ نے دل کو سخت بے چین کر رکھا ہے۔

شیعوں کی تکفیر پر ہمارے اکابر اور بریلوی حضرات کا اسی طرح اتفاق ہے جس طرح قادیانیوں کی تکفیر پر رہا ہے۔مولانا احمد رضا خان کا رسالہ ''ردالرافضہ'' غالباً وہاں ملتا ہوگا۔

علماء اہل حدیث میں سے مولانا احسان الٰہی ظہیر صاحب کی تحریروں میں بھی وہی شدت ہے جو ہونی چاہئے ،وہ باخبر بھی ہیں۔

مئی، جون، جولائی اور اگست کے ''الفرقان'' کے شمارے خدا کرے پہنچے ہوں۔

صورتحال یہ ہے کہ غالباً تمام ہی ملکوں کے ایرانی حکومت کے سفارت خانے شیعیت کی تبلیغ کی دعوت وتبلیغ کے مراکز بھی ہیں اور ایران کی موجودہ حکومت شیعیت کی دعوت و تبلیغ اور شیعوں میں نئی زندگی پیدا کرنے پر جنگی پیمانے پر خرچ کر رہی ہے۔ہم آپ فقراء اگر اخلاص کے ساتھ اس سلسلہ میں اپنا فرض ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوں تو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت رفیق ہوگی۔

مکرم ومحترم مولانا احمد الرحمٰن اور دیگر رفقاء کی خدمت میں سلام مسنون اور مضمون واحد ،دعاؤں کا محتاج وطالب دعا گوہوں۔

والسلام.............محمد منظور نعمانی

۱۱۴کتوبر ۱۹۸۵ء یوم الجمعہ''(12)

خط نمبر۴: بنام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ۔

باسمہ تعالیٰ۔

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ۔

برادرم محترم جناب مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

خدا کرے مزاج گرامی ہر طرح بعافیت ہو۔ میرے عریضہ کے جواب میں عنایت نامہ مجھ کو مل گیا تھا۔ اس کے بعد میں نے عریضہ لکھا تھا امید ہے کہ وہ بھی ملا ہوگا۔

ماہنامہ ''بینات'' کا وہ شمارہ غالباً رمضان المبارک میں موصول ہوا تھا جس میں آپ نے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر لکھا تھا۔ بے تکلف یہ عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ اسے پڑھ کر آپ کی وہ معرفت حاصل ہوئی جو پہلے حاصل نہیں تھی اور محبت اور قلبی تعلق میں اضافہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت ڈاکٹر صاحب کا جو خاص تعلق نصیب فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص نعمتوں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ شکر کی توفیق عطا فرمائے۔

مجھے ۱۶ رجب جمعہ کے دن ایک صاحب سے معلوم ہوا تھا کہ آج صبح پاکستان ریڈیو سے حضرت ڈاکٹر صاحب کے وصال کی خبر نشر ہوئی ہے۔ میں اس سے یہی سمجھا تھا کہ غالباً کل گذشتہ ۱۵ رجب کو وصال ہوا ہوگا۔ ''الفرقان'' کے لئے میں نے یہی لکھا تھا لیکن اس کی طباعت سے پہلے مجھے مولانا محمد احمد صاحب (صاحب دروس قرآن) کا مکتوب ملا جس میں صراحت کے ساتھ لکھا تھا کہ حضرت کا وصال ۱۴ رجب چہار شنبہ کی صبح ہوا۔ پھر میں نے ان کے حوالہ سے وہی لکھا اور ''الفرقان'' میں وہی چھپا لیکن جناب کے مضمون اور دوسرے ذرائع سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت کا وصال ۱۵ رجب پنجشنبہ ہی کو ہوا۔ مجھے یاد تھا کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کا وصال بھی ۱۳۶۲ھ ۱۵ رجب ہی کو ہوا تھا۔ میں نے سمجھا کہ یہ بھی اتحادی نسبت کا ایک ظہور ہے۔ (واللہ اعلم)

اس وقت آپ کے جامعہ اسلامیہ کے ایک فارغ مولوی عبدالخالق جو گزشتہ سال ہی فارغ ہوئے ہیں، تشریف لائے ہوئے ہیں۔ انہوں نے بتلایا کہ ابھی تھوڑی دیر کے بعد ان کو ان شاء اللہ ٹرین سے دہلی کے لئے روانہ ہونا ہے۔ عجلت میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں۔ دعاؤں کا محتاج اور طالب ہوں۔ بشرط یاد وسہولت محترمی مولانا مفتی احمد الرحمٰن

صاحب زیدہ مجدہ کی خدمت میں سلام مسنون اور دعا کی درخواست۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ.........بقلم محمد حسان نعمانی۔(۱۵شوال ۱۴۰۶ھ)''(13)

خط نمبر ۵: بنام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ!

باسمہ تعالیٰ۔

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ۔

برادرم محترم ومکرم جناب مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب!

احسن اللہ تعالیٰ الیکم والینا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ!

خدا کرے آپ سب حضرات بہمہ وجوہ بخیر وعافیت ہوں۔

الفرقان کا دوسرا خصوصی شمارہ ۸ جولائی کو حوالہ ڈاک ہو گیا تھا۔ امید ہے کہ موصول ہوا ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی ایک عریضہ بھی لکھا تھا خدا کرے وہ موصول ہوا ہو۔ جس میں اطلاع دی گئی تھی کہ شمارہ کے صفحہ ۳۲ کی سطر نمبر ۱۸ کا آخری جملہ غلط لکھا گیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ''ایسے عقیدے رکھنے والے ہمارے علم میں اب دنیا میں کہیں نہیں ہیں''۔

اس وقت یہ عریضہ ایک دوسرے مقصد سے لکھ رہا ہوں۔ محترم مولانا قاضی مظہر حسین صاحب (چکوال) نے میرے پاس کسی شیعہ کا لکھا ہوا رسالہ ''احقاق الحق'' بھیجا تھا اور یہ بھی اطلاع دی تھی کہ انہوں نے آپ کو اس کا جواب لکھنے کے لئے لکھا ہے۔

میری رائے یہ ہے کہ ہم کو مستقل پالیسی اس وقت یہ اختیار کرنی چاہئے کہ اہل سنت ہی کو مخاطب بنائیں۔ شیعوں کا عام طریقہ یہ ہے کہ وہ خلط مبحث کر کے ذہنوں کو الجھانا چاہتے ہیں.........نیز ان کا یہ بھی عام رویہ ہے کہ جس کتاب یا جس مضمون کی ان پر خاص زد پڑتی ہے اس کے جوابات ان کی طرف سے ضرور شائع ہوتے ہیں اس لئے میں نے خود یہ طے کر لیا ہے کہ نہ ان کو مخاطب بنانا ہے نہ براہ راست ان کو جواب دینا ہے۔ جو کچھ لکھنا ضروری اور مناسب سمجھا جائے اہل سنت ہی کو مخاطب کر کے لکھا جائے۔ یہ میری ناقص رائے ہے باقی مقامی حالات کے لحاظ سے آپ حضرات اس سلسلہ میں جو رویہ مناسب سمجھیں وہ اختیار فرمائیں۔

دو تین ہفتے سے طبیعت زیادہ ناساز رہی اس لئے یہ عریضہ بہت تاخیر سے لکھ رہا ہوں۔

دعاؤں کا محتاج و طالب ہوں بشرط یاد و سہولت ہمارے مولانا قاری رشید الحسن، محترمی

مولانا مفتی ولی حسن صاحب، مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب دامت فیوضہم کی خدمت میں سلام مسنون اور دعا کی درخواست۔ اللہ تعالیٰ آپ سب حضرات کے حق کے مطابق اس عاجز کو دعا کا اہتمام نصیب فرمائے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

بقلم محمد ضیاء الرحمن القاسمی۔

(۲۹ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ)''(14)

خط نمبر ۶: بنام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ۔

باسمہ تعالیٰ۔

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ۔

برادرم محترم ومعظم جناب مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب!

احسن اللہ تعالیٰ الیکم والینا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

خدا کرے آپ سب حضرات ہمہ وقت ووجوہ بخیر وعافیت ہوں۔

میرے محترم بھائی! ہائی بلڈ پریشر کے عارضہ کی وجہ سے قریباً تین چار سال دفتر الفرقان میں آنے والے رسائل وجرائد میرے پاس نہیں آتے، میں نے خود منع کر دیا ہے۔ ایسی جو چیز سامنے آجائے تو پڑھنے کا مرض ہے اور زیادہ پڑھنے سے بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے اس لئے اپنے کو اس خسارہ اور محرومی پر قانع کر لیا ہے۔ دفتر کے ذمہ دار کارکن سے معلوم ہوتا رہا کہ بینات اکثر آتا ہے لیکن جیسا کہ اوپر عرض کیا دوسرے رسائل وجرائد کی طرح میں طویل مدت سے اس کے مطالعہ سے بھی محروم رہا۔ مرحوم جنرل ضیا الحق صاحب کے حادثہ کے بعد میں نے دفتر میں کہہ دیا تھا کہ اب جب بینات آئے تو میرے پاس بھیج دیا جائے۔ اسی ہفتہ اگست، ستمبر کے دو شمارے ایک ساتھ دفتر میں پہنچے، خیال تھا کہ غالباً ستمبر کے شمارہ میں مرحوم جنرل ضیاء الحق کے حادثہ کے بارے میں لکھا گیا ہو گا لیکن دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ غالباً ستمبر کا شمارہ بھی حادثہ سے پہلے مرتب اور تیار ہو گیا تھا اس لئے ان کے بارے میں تو اس میں کچھ نہیں لکھا جا سکا لیکن آپ نے مرزا طاہر کی ''دعوت مباہلہ'' کے جواب میں جو تحریر فرمایا اس کو اول تا آخیر پڑھا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد وتوفیق سے آپ نے مسلمانوں کی اور خاص کر جماعت اہل حق کی نمائندگی

کا حق ادا کردیا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ کما یلیق بشانہ۔

ماہ رواں اکتوبر کا الفرقان ان شاء اللہ امروز فردا میں حوالہ ڈاک ہو جائے گا۔ نومبر کے شمارہ کی تیاری شروع ہوگئی ہے۔ کتابت کے لئے سب سے پہلے جناب ہی کا مضمون کاتب صاحب کے حوالے ہوگا۔

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کے مدیر مولوی حبیب الرحمٰن قاسمی کو لکھ رہا ہوں کہ وہ اس سلسلہ میں اپنی طرف سے کچھ نہ لکھیں۔ نوٹ کے ساتھ آپ کا جواب ہی دارالعلوم میں شائع کردیا جائے۔

لندن کی تحفظ حرمین کانفرنس میں برادر محترم و معظم مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب کا مقالہ بھی الفرقان کے نومبر کے شمارہ میں شائع ہوگا۔ بینات کے ان دونوں تازہ شماروں کے مطالعہ سے اس کا شدید احساس ہوا کہ میں نے اپنے کو بڑے علمی اور دینی نفع سے محروم کرلیا ہے۔ اب دفتر میں کہلوادیا ہے کہ "بینات" جب آئے تو میرے پاس بھیج دیا جایا کرے۔

میرا حال یہ ہے کہ مختلف امراض وعوارض کے ساتھ ضعف کی رفتار تیز ہے۔ آنے والے خطوط پڑھوا کر سن لیتا ہوں اور جو کچھ لکھنا ہو وہ ایک عزیز سے لکھواتا ہوں۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ اس دنیا میں قیام کا کتنا وقت باقی ہے۔ اب سب سے بڑی حاجت بس یہ ہے کہ جو دن باقی ہیں ایمان، اعمال مرضیہ کی توفیق، معاصی سے حفاظت، نعمتوں پر شکر، گناہوں سے استغفار کے اہتمام اور عافیت کے ساتھ پورے ہوں۔ مقرر وقت آنے پر ایمان کے ساتھ اٹھالیا جائے اور ارحم الراحمین محض اپنے رحم وکرم سے مغفرت فرمادیں۔ آپ سے بھی اسی دعا کا طالب ہوں۔ اپنے کو بالکل خالی ہاتھ پاتا ہوں۔ جو کچھ امید ہے ارحم الراحمین کی رحمت اور اس کے مخلص ومقبول بندوں کی دعاؤں سے ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ مایوسی نہیں ہے۔

بشرط یادو سہولت حضرت مفتی ولی حسن صاحب، مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب، مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب اور مولانا ادریس میرٹھی صاحب دامت فیوضہم کی خدمت میں سلام مسنون اور دعا کی درخواست۔ عزیزم سید محمد بنوری حفظہم اللہ تعالیٰ کو بھی سلام مسنون ان سے بھی دعا کی درخواست۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

الفرقان کا مئی، جون، جولائی کا مشترک شمارہ جولائی میں شائع ہوا تھا تو اس عاجز نے

ایک عریضہ جناب کی خدمت میں لکھایا تھا۔جس میں اس خاص شمارہ کی ایک غلطی کی تصحیح کے بارے میں لکھا گیا تھا۔معلوم نہیں کہ وہ جناب تک پہنچ سکا یا نہیں؟اس میں یہ بھی عرض کیا تھا کہ الفرقان میں اور''بینات''میں خمینی اور اثنا عشریہ کے بارے میں علمائے کرام کا متفقہ فیصلہ کے عنوان سے جو مجموعہ فتاویٰ شائع ہوا تھا اس کے جواب میں کسی شیعہ کی طرف سے احقاق الحق کے نام سے جو رسالہ شائع ہوا تھا جس میں خاص طور سے آپ کو مخاطب کیا گیا تھا میں نے عرض کیا تھا کہ میری رائے یہ ہے کہ اس کو نظر انداز کیا جائے۔آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا اس میں بہت سی غیر متعلق باتیں چھیڑ کر اصل مسئلہ سے نظر ہٹانے کی کوشش کی گئی ہے۔میرے نزدیک اس سلسلہ میں ہمارا رویہ یہ رہنا مناسب ہے کہ اصل بحث اصل موضوع اثنا عشریہ کے کفر وارتداد تک مرکوز رہے۔
مولانا قاری رشید الحسن صاحب اپنی صاحبزادی کے عقد نکاح کے سلسلے میں تشریف لائے ہوئے ہیں۔غالباً لکھنؤ کل ہی تشریف لائے ہیں،لیکن ابھی تک اس عاجز سے ان کی ملاقات نہیں ہوسکی ہے۔غالباً کسی وقت تشریف لائیں گے تو یہ عریضہ انہیں کے ذریعے جناب کی خدمت میں ان شاء اللہ پہنچے گا ورنہ ڈاک ہی سے روانہ کیا جائے گا۔خط کی طوالت اور دماغی ضعف کی وجہ سے مضامین کے انتشار کے لئے معذرت خواہ ہوں اور قاری رشید الحسن سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ تقریباً ایک ماہ یہاں قیام فرمائیں گے اس لئے یہ عریضہ ڈاک ہی سے روانہ کیا جارہا ہے۔وصول یابی کی اطلاع کا منتظر رہوں گا۔

۱۶ اکتوبر ۱۹۸۸ء.................والسلام''(15)

خط نمبر ۷:بنام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ۔

باسمہ تعالیٰ۔

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ۔

برادرم محترم ومعظم جناب مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب!

احسن اللہ تعالیٰ الیکم والینا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عنایت نامہ مورخہ ۲۱ جمادی الثانی ۱۴۰۹ھ پرسوں موصول ہوا۔یہ معلوم کر کے بڑا رنج اور قلق ہوا کہ الفرقان کئی مہینے سے نہیں پہنچ رہا ہے۔میں سوچ رہا تھا کہ گذشتہ پانچ چھ

مہینے کے پرچے آپ کو رجسٹرڈ روانہ کر دیئے جائیں۔ منجانب اللہ یہ انتظام ہوا کہ آج صبح کراچی ہی کے ایک صاحب ملنے آئے۔ انہوں نے بتلایا کہ وہ کل ہی دہلی جا رہے ہیں اور دو چار روز مرکز نظام الدین دہلی قیام کر کے لاہور کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔ انہوں نے یہ بھی بتلایا کہ وہ پہلے رائے ونڈ جائیں گے اور وہاں کے مشورہ کے مطابق دینی دعوت کے کام میں وقت لگا کر مہینہ ڈیڑھ مہینے کے بعد کراچی پہنچ سکیں گے۔ میں ستمبر سے فروری تک کے شماروں کا پیکٹ بنا کر ان شاء اللہ ان کے حوالہ کر دوں گا۔ انہوں نے ذمہ داری لی ہے کہ میں ان شاء اللہ یہ بک پوسٹ پیکٹ لاہور ہی سے رجسٹرڈ آپ کی خدمت میں کراچی روانہ کر دوں گا۔

یہ عریضہ بھی ان شاء اللہ انہیں کے سپرد ہوگا اور اگر خدا نے چاہا تو یہ دونوں چیزیں جلد ہی آپ تک پہنچ جائیں گی۔ الفرقان کے ان شماروں سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ تقریباً تین چار مہینے یہ عاجز علیل رہا اب بفضلہٖ تعالیٰ افاقہ ہے۔ مولوی سجاد سلمہ مجھ سے بھی پہلے سے مریض اور صاحب فراش تھے، کچھ دنوں ان کی علالت زیادہ تشویشناک رہی۔ اب بفضلہٖ تعالیٰ کافی بہتر ہے لیکن ان کی علالت کی نوعیت ایسی ہے کہ معالجین کی رائے میں طویل مدت تک ان کو علاج جاری رکھنا ہوگا۔ یہ معلوم کر کے فکر وتشویش ہوئی کہ آپ کی صحت بھی اب متاثر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل وکرم سے آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے، بعافیت رکھے اور اپنے دین کی خدمت اسی طرح لیتا رہے۔

اللہ تعالیٰ نے مرزا طاہر کے مباہلہ کے چیلنج کے جواب میں آپ کے قلم سے جو کچھ لکھوایا اس سے بہتر مؤثر جواب نہیں ہوسکتا تھا۔ جنوبی افریقہ کے بعض دوستوں نے مجھے لکھا کہ انہوں نے آپ کا جواب انگریزی میں منتقل کر کے بڑی تعداد میں شائع کیا ہے۔ اس جواب کے بارے میں آپ کی جو آرزو اور دعا ہے اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور یہ جواب بارگاہ رسالت میں قبول ہو کر آپ کے لئے شفاعت کا خصوصی وسیلہ بن سکے۔

بفضلہٖ تعالیٰ ''بینات'' تقریباً ہر مہینے پہنچ جاتا ہے۔ الفرقان کا خصوصی شمارہ حصہ دوم بھی وقت پر مل گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو بہتر سے بہتر جزا اپنی شان عالی کے مطابق عطا فرمائے اور اس طرح تعاون علی البر والتقویٰ کی توفیق ہم سب کو نصیب فرمائے۔

آپ کا شائع کیا ہوا نمبر حصہ دوم الفرقان کے نمبر سے زیادہ حسین وجمیل رہا۔

اس کے جواب میں ''احقاق الحق'' جو کسی شیعہ نے لکھا ہے وہ مولانا قاضی مظہر حسین

ساحب نے میرے پاس بھیجا تھا اور ساتھ ہی لکھا تھا کہ میں نے آپ کو بھی بھیجا ہے۔ یہ کئی مہینے پہلے کی بات ہے۔ میں نے اسی وقت آپ کی خدمت میں عریضہ لکھا تھا کہ اس کا جواب لکھنے کا ہرگز ارادہ نہ فرمایا جائے۔ ہمارا موقف یہ ہے اور میرے نزدیک یہی ہونا چاہئے کہ ہم اہلسنت خواص وعوام کو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ شیعہ مذہب یہ ہے اور اس کے پیرووٗں کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے۔ شیعوں پر اتمام حجت کا کام بفضلہ تعالیٰ پہلے ہی ہو چکا ہے۔

بہرحال آپ نے یہ صحیح فیصلہ فرمایا کہ ''احقاق الحق'' جیسے شیعی رسائل کا بالکل نوٹس نہ لیا جائے۔ ہاں آپ نے شیعوں کی طرف سے ''ازالہ حیثیت عرفی'' کے دعوے کے نوٹس کا ذکر فرمایا ہے، اگر وہ یہ جرأت کریں تو پھر پوری قوت کے ساتھ عدالت میں مقابلہ کیا جائے۔ مجھے امید نہیں ہے کہ وہ ایسا کریں گے۔

آپ کے یہاں کے انتخابات کے نتیجہ میں جو صورتحال بنی ہے وہ بہت فکر وتشویش کا باعث ہے اور آپ حضرات کے لئے بڑی آزمائش۔ میرے نزدیک تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ ہے۔ ضرورت ہے کہ بہت غور وفکر کرکے عوام میں بالخصوص دیہاتی عوام میں دینی شعور پیدا کرنے کی منصوبہ بند کوشش کی جائے۔ یہ کام خالص تعمیری انداز میں خاموشی کے ساتھ کیا جائے۔

دراصل اس بارے میں آپ ہی حضرات سمجھ سکتے ہیں۔ کام کیا اور کس طرح کرنا ہے؟ یہاں لکھنوٗ میں بیٹھ کر ہم اس کو سمجھ نہیں سکتے۔ ایک بات کا شدت سے دل میں تقاضہ پیدا ہوا تو یہ سطریں لکھا دیں۔ الا حاجۃ فی نفس یعقوب قضھا۔

کبرسنی کے ضعف کے علاوہ طویل علالت کے اثر سے دماغ میں جو ضعف پیدا ہو گیا ہے آپ اس کو اس عریضہ میں بھی محسوس فرمائیں گے۔ بشرط یا دوسہولت بندہ مولانا ولی حسن صاحب، مولانا عبد الرشید نعمانی، مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب، مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی، مولانا قاری رشید الحسن صاحب زید مجدہم کی خدمت میں سلام مسنون۔ ان سب حضرات سے نیز آپ سے بھی دعا کی درخواست ہے۔ میں دعاوٗں کا بہت ہی محتاج ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب حضرات کے حق کے مطابق مجھے دعا کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور قبول فرمائے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

بقلم محمد ضیاء الرحمٰن محمود القاسمی، .... ۷ فروری ۱۹۸۹ء، ---'' (16)

مولانا عتیق احمد قاسمی (استاد ندوۃ العلماء لکھنؤ) کے نام خط۔

''باسمہ تعالیٰ ۲۵/۶/۷۹ء

برادرم مکرم! احسن اللہ الیکم والینا۔ سلام ورحمت۔

مضمون کا دوسرا حصہ بھی آج پہنچ گیا۔ اس کو میں نے دیکھ بھی لیا حالانکہ پہلی قسط کو ابھی نہیں دیکھ سکا۔ ان شاء اللہ آج یا کل دیکھوں گا۔ دوسرا حصہ جو آج دیکھ لیا ہے، اللہ نے آپ سے خوب لکھوایا...... واقعہ یہی ہے کہ ''تحریک خلافت'' کے دور میں دونوں شخصیتوں خلیفہ عبدالحمید اور کمال پاشا دونوں کے بارے میں بہت ہی غلط اور خلاف واقعہ ذہن بنا تھا...... قاضی صاحب ان چیزوں سے بالکل بے خبر ہیں جو بعد میں خاص کر عربی میں لکھی گئی ہیں۔ مولانا عبیداللہ سندھی جو (کمال ہی کے دور میں یا اس کے بعد متصلاً) ترکی میں رہے تھے اس کے متعلق بہت سخت رائے رکھتے تھے اور اس کے بارے میں ہندوستانی علماء کی ناواقفیت کو بڑا جرم قرار دیتے تھے۔

ان شاء اللہ تعالیٰ پہلی قسط آپ کے مضمون کی جولائی ہی کے شمارہ میں آجائے گی۔

والسلام...................محمد منظور نعمانی ۔۔۔۔'' (17)

مولانا عبدالقدوس رومی کے نام خط۔

''باسمہ سبحانہ وتعالیٰ۔

لکھنؤ۔ ۸/۵/۸۰ء

برادرم مکرم ومحترم مولانا عبدالقدوس رومی صاحب زید مجدکم العالی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مجھے بہت ہی قلق ہے کہ آپ کل تشریف لائے اور میں اپنی معذوری کی وجہ سے آپ کا وہ اکرام اور راحت رسانی کا انتظام نہیں کرسکا جو ایک عام مہمان کا ہوتا ہے۔ آپ کا تو چند در چند نسبتوں کا خاص حق تھا اور عجیب اتفاق جو صاحب مرکز میں میرے مہمانوں کی خاص فکر رکھتے ہیں وہ کل وہاں موجود نہ تھے۔ میں نے ان کو پیغام بھیجا وہ مغرب کی نماز پڑھ کر میرے پاس آئے، میں نے ان کو آپ کے بارے میں بتلایا اور مرکز آپ کے پاس بھیجا، واپس آکر بتلایا کہ معلوم ہوا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے مولانا کانپور کے ارادہ سے تشریف لے گئے۔ بہت ہی افسوس اور قلق ہوا۔ صرف اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے یہ عریضہ لکھ رہا ہوں۔ دعاؤں کا محتاج وطالب اور دل سے دعا گو ہوں۔

والسلام.............محمد منظور نعمانی''(18)

مولانا قاضی مظہر حسین کے نام خط۔

''باسم سبحانہ۔

محترمی ومکرمی جناب مولانا قاضی مظہر حسین صاحب احسن اللہ تعالیٰ الیکم والینا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو۔ پاکستان کے بعض دینی رسائل میں جناب کا اسم گرامی تو بار بار دیکھا اور آپ کی ایک کتاب ''مودودی مذہب'' کے حوالے نظر سے گذرتے رہے لیکن یہ بات ابھی چند ہفتے پہلے پاکستان کے ایک مخلص کے عنایت نامہ سے معلوم ہوئی کہ آپ مولانا محمد کرم الدین صاحب دبیرؒ کے صاحبزادے ہیں (جو سلانوالی ضلع سرگودھا) کے مناظرہ (۱۹۳۷ء) میں ایک فریق کی طرف سے صدر تھے۔ میں مولانا مرحوم سے واقف نہیں تھا۔ یاد آتا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے بعض خطوط میں مولانا کا ذکر ہے اور مولانا مرحوم کی مرزا سے خط وکتابت بھی ہوئی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ کوئی دوسرے بزرگ ہوں اور مولانا مرحوم کے ہم نام رہے ہوں۔ جن مخلص دوست نے مجھے یہ لکھا تھا کہ آپ مولانا کرم الدین صاحبؒ کے صاحبزادے ہیں۔ انہوں نے ہی یہ لکھا تھا کہ سلانوالی کے مناظرہ میں راقم السطور (محمد منظور نعمانی) کے بارے میں مولانا مرحوم نے اچھی رائے قائم کی تھی اور اس کے بعد ہی انہوں نے جناب کو تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند بھیجنے کا فیصلہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت مدنیؒ سے تلمذ اور پھر بیعت اور پھر اجازت کا شرف بھی عطا فرمایا۔ فھنیئا لکم ثم ھنیئا لکم۔

میں چاہتا ہوں اور میری یہ درخواست ہے کہ اگر یہ واقعہ ہے تو اس کی تفصیل جناب خود اپنے قلم سے تحریر فرمادیں، مجھے اس کی ضرورت ہے۔

حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنویؒ سے متعلق جناب نے میرا مضمون اپنے دیباچہ کے اضافہ کے ساتھ جو شائع فرمایا تھا غالباً جناب ہی کی مرسلہ اس کی دو کاپیاں چندروز پہلے موصول ہوئیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا ہے کہ رسالہ کے صفحہ ۲ پر سطر ۱۵، ۱۶ میں جناب نے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے جس مضمون کا ذکر فرمایا ہے اس کا اصل واقعہ یہ ہے کہ وہ مضمون لکھا ہوا خود حضرت مولانا لکھنویؒ کا ہے

اور ایک خاص مصلحت سے حضرت مولانا لکھنویؒ نے خود دہلی کا سفر فرما کر حضرت مولانا الیاسؒ سے اجازت لی تھی کہ ان کے نام سے شائع کیا جائے بلکہ دستخط بھی کرا لئے تھے۔ حضرت مولانا الیاسؒ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کا اس وجہ سے بھی بہت لحاظ اور ادب فرماتے تھے کہ مولانا کے بڑے بھائی، حضرت مولانا محمد یحیٰؒ صاحب کاندھلویؒ (والد ماجد شیخ الحدیث مدظلہ) سے مولانا عبدالشکور صاحب کا گہرا دوستانہ تعلق تھا، ورنہ خود حضرت مولانا الیاسؒ نے شیعیت کا مطالعہ نہیں فرمایا تھا۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ وہ کام شروع نہیں ہوا تھا جو تبلیغ کے نام سے حضرت مولانا الیاسؒ صاحب کی نسبت سے اب ہو رہا ہے۔

میرا مقصد صرف یہ ہے کہ اس سلسلہ میں جو اصل واقعہ ہے وہ جناب کے علم میں آ جائے۔ دعاؤں کا محتاج اور دعا گو ہوں۔

مکرر یہ کہ حضرت والد صاحبؒ کے بارے میں اور خود جناب کے بارے میں جو کچھ میں نے دریافت کیا ہے اس کے جواب کا میں منتظر رہوں گا۔ خدا کرے کہ آپ جلدی ہی اس کو میرے لئے قلم بند فرمادیں۔ واجرکم علی اللہ۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

محمد منظور نعمانی .... ۲۸ اپریل ۱۹۸۱ء''(19)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کے نام خط۔

''مخدومی و معظمی حضرت مفتی صاحب دامت فیوضکم و برکاتکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

خدا کرے ضعف پیری وفطری کے باوجود مزاج سامی ہر طرح بعافیت ہو۔ قریباً ڈیڑھ سال سے رہائش مکان ''الفرقان'' کے دفتر سے الگ اور کچھ فاصلے پر ہے۔ کئی کئی ہفتہ دفتر کی طرف گذر بھی نہیں ہوتا۔ مولوی عتیق الرحمٰن سلمہ بھی خاصی مدت سے ضعف اعصاب کی غیر معمولی کیفیت کی وجہ سے الفرقان اور اس کے دفتر سے غیر متعلق ہیں۔ جو لوگ دفتر کا کام دیکھتے ہیں وہ اس کا اہتمام نہیں کرتے کہ آنے والے اخبارات و رسائل مجھے پہنچادیں اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ میں خود اب مطالعہ کا اہتمام نہیں کرتا۔ چند روز ہوئے ''البلاغ'' کے دو شمارے (محرم وصفر) دفتر والوں نے مجھے پہنچائے۔

چونکہ مدت سے ۷۱ء سے البلاغ نظر سے نہیں گذرا تھا اس لئے شوق سے کھول کر دیکھنا

شروع کیا۔صفر کے شمارے کا افتتاحیہ پڑھا (بظاہر) انتہائی خوش نصیب مرحوم صاحبزادہ مولوی محمد ذکی صاحب کے حادثہ رحلت پر عزیز مکرم مولوی محمد تقی صاحب نے جولکھا اور جس طرح لکھا ہے اس سے دل بہت ہی متاثر ہوا اور اس کے خاتمہ میں حضرت کے جومکتوب موعظت وتعزیت ہیں اس کے مطالعہ سے بحمد اللہ بڑا نفع ہوا اور بڑا علم ملا۔

صفر کے شمارے کے اس افتتاحیہ سے حضرت کے ضعف وعلالت کا حال بھی معلوم ہوا ۔اللہ تعالیٰ صحت وعافیت سے نوازیں۔خاصان خدا پر جوتکالیف وارد ہوتی ہیں وہ بھی ان کے رب کریم کی خاص عنایات ہوتی ہیں۔کاش حاضری آسان ہوتی تو زیارت و عیادت اور استدعاء دعا کی نیت سے سفر کرتا۔

حضرت! میرا حال یہ ہے کہ جن اکابر کو پایا سب کی شفقتیں اور عنایتیں نصیب ہوئیں لیکن خود جو کرنا چاہئے تھا چونکہ وہ نہیں کیا اس لئے محرومی ہی رہی۔اصلاح حال اور حسن خاتمہ کے لئے دعا کا طالب وسائل ہوں اور اپنی سعادت سمجھ کر اکابر ومحسنین کے لئے بھی دعا کرتا ہوں۔

برادر عزیز ومکرم مولانا محمد تقی صاحب سلام مسنون قبول کریں۔اللہ تعالیٰ ان کو نعمتوں کے شکر کی توفیق دے جن سے وہ نوازے گئے ہیں اور نظر بد سے حفاظت فرمائے۔حضرت میاں صاحبؒ سے متعلق مرحوم مولانا ذکی صاحب کا مضمون بڑا ہی پیارا معلوم ہوا۔الفرقان کے ایک دو شمارے غالباً پہنچے ہوں گے۔

والسلام.......................محمد منظور نعمانی''(20)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے مذکورہ بالا تمام خطوط جوانہوں نے مختلف علمائے کرام کوتحریر کئے، جہاں وہ ان کی ادبی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہیں وہاں ان کی فہم وفراست اور علمی بصیرت کا بھی نمونہ ہیں۔اس کے علاوہ ایک تاریخی مسودے بھی ہیں جن میں اس دور کی تاریخ کو مولانا نے قلمبند کیا ہے، اور ایسے حالات جن کو شاید عام طور پہ اہمیت نہیں دی جاتی مولانا نے ان کو سپرد قلم کیا۔

مولانا کے خطوط میں ان کی علم دوستی، دین کی خدمت کا جذبہ اور کڑھن جھلکتی ہے۔اپنی تحریری اور تقریری کاوشوں کو وہ کس قدر اسلام کی بہتری کے لئے استعمال میں لاتے تھے یہ بھی ان خطوط سے ظاہر ہوتا ہے۔انہوں نے مختلف فرقوں کی فکری حالت، ان کی تبلیغ اور اس کے معاشرے پہ اثرات کا بھی ان خطوط میں تذکرہ کیا ہے، جسے آج بھی رہنمائی کے طور پہ پڑھا جاسکتا ہے۔یقیناً مولانا نعمانیؒ کے یہ خطوط ان کی علمی بصیرت، دینی حمیت وغیرت اور حد

درجہ اخلاص کی تصویر پیش کرتے ہیں۔

فصل سوم: جماعت اسلامی میں شرکت اور علیحدگی کے اسباب

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی زندگی دینی دعوت و اصلاح و تبلیغ کی سرگرمیوں سے پُر تھی۔ درس و تدریس، تحریر و تقریر، مناظرہ و خطوط یہ ساری کاوشوں کے پیچھے جو جذبہ کارفرما تھا، وہ تھا دین اسلام کی سربلندی اور اس کی حفاظت اور معاشرے میں اس کا فروغ۔ لیکن طریقہ کار ابھی تک واضح نہیں تھا۔ جو ان سے بن پڑ رہا تھا وہ کر رہے تھے اور اسلامی مقصد کو لے کر وہ چل رہے تھے کہ ایک دن ان کی نظروں سے ترجمان القران کے نام سے ایک اسلامی رسالہ گذرا۔ اس کے مضامین جو کہ مولانا مودودیؒ کے تحریر کردہ تھے، سے وہ بہت متأثر ہوئے۔ ان مضامین میں اسلامی غلبے کو اہمیت دی گئی اور ایسی اجتماعی سیاسی جدوجہد کو ضروری قرار دیا گیا جس کے ذریعے اسلام کا مکمل نظام قائم کیا جانا تھا۔ مولانا موصوف تو پہلے سے اس جذبے سے سرشار تھے لہٰذا وہ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جہاں تک میرا خیال ہے کہ مولانا نعمانیؒ ابھی تک کسی اجتماعی سیاسی تحریک میں باقاعدہ شریک نہیں ہوئے تھے۔ وہ جس دائرے میں کام کر رہے تھے وہ ابھی تک ایک مخصوص مکتبۂ فکر کے دفاع یا اس کے نقطہ نظر کے پرچار تک محدود تھا۔ نیز کسی حد تک تعلیمی حوالے سے وہ دینی علوم کے پرچار کے لئے کام کر رہے تھے۔ لیکن اچانک انہیں ایک ایسی دعوت نظر آئی جو اسلامی غلبے کے نام سے سیاسی تحریک کی شکل میں ان کے سامنے موجود تھی لہٰذا وہ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

اس طرح مولانا نعمانیؒ کے ذہن و فکر میں تبدیلی آئی۔ انہوں نے اپنی مناظرانہ جدوجہد کو تقریباً ختم کرتے ہوئے، اپنی توجہ دینی غلبے کے کام کی طرف موڑ لی۔ اس سلسلے میں انہوں نے جماعت اسلامی میں شرکت اختیار کر لی۔ مولانا نعمانیؒ اپنے مضمون ''زندگی کے تجربات و خاص واقعات'' میں تحریر فرماتے ہیں۔

> ''مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا رسالہ ''ترجمان القرآن'' اس زمانہ میں حیدرآباد دکن سے نکلتا تھا۔ اس میں موصوف نے ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل پر مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ اس سلسلۂ مضامین نے دل و دماغ کو ایک دم چونکا دیا اور بالکل یوں نظر آنے لگا کہ جن مباحث اور مسائل پر مناظرے کرنے اور رسائل لکھنے میں ہم لگے ہوئے ہیں، ان میں ہماری اس مصروفیت کی مثال اس مالی کی سی ہے جو اپنی ساری جدوجہد اس کام میں صرف کر رہا ہے کہ اپنے باغ کے پھلوں کو شپر جیسے پرندوں کے نقصان سے بچائے یا چلتے پھرتے چرندے، درختوں کے پتوں پر جو منہ مار جاتے ہیں، ان سے درختوں کی حفاظت کرے اور اسی کی حفاظتی تدبیروں میں اپنا دن رات ایک کر رہا ہو۔ لیکن سارے باغ کے درختوں کی جڑوں میں نہایت خطرناک قسم کی اور سب درختوں کو برباد کر دینے والی دیمک جو لگ رہی ہو اور جس کی وجہ سے سارا باغ ہی

معرض فنا میں ہو،اس سے وہ کم نظر مالی غافل ہو۔بہر حال واقعہ یہ ہے کہ مولانا مودودی ہی کے ان مضامین نے ابتدأ چونکا دیا پھر جوں جوں خود غور کیا یہ احساس ،یقین کا درجہ اختیار کرتا گیا،تا آنکہ ایک منکشف حقیقت بن کر دل ودماغ پر اس طرح چھا گیا کہ جذبات کا رخ یکسر پلٹ گیا۔اب دل ودماغ نے پچھلے مشاغل میں دلچسپی لینے سے انکار کر دیا اور چند ہی روز کے بعد یہ کیفیت ہوگئی کہ مناظروں میں زیر بحث آنے والے جن مسائل کے متعلق مجھے خواب میں بھی دلائل سوجھتے تھے اور صحیح سوجھتے تھے اور جن کی تائید یا تردید میں پچاسوں کتابوں کی سینکڑوں عبارتیں بقید صفحہ نوک زبان رہتی تھیں ان مسائل پر بھی بولنے یا لکھنے کے لئے وقت نکالنا طبیعت پر بار ہونے لگا۔

اس منزل پر پہنچ کر اللہ پاک کی طرف سے ایک عجیب وغریب دستگیری ہوئی۔ ''الفرقان'' کا ''مجدد الف ثانی نمبر'' نکالنا طے ہوا اور یہ واقعہ ہے کہ جس وقت ''مجدد نمبر'' نکالنے کا ارادہ کیا تھا اس وقت اس کا تصور بھی نہ تھا کہ اس ذریعہ سے افکار و جذبات کی اصلاح وتربیت کا اتنا عظیم فائدہ خود اپنی ذات کو بھی حاصل ہوگا۔بہر حال ''مجدد نمبر کی تیاری کے سلسلہ میں حضرت امام ربانی ؒ کی زندگی اور ان کے مکتوبات کا مطالعہ ناچیز نے شروع کیا۔اس راہ میں جو سب سے بڑی چیز اس عاجز کو حاصل ہوئی وہ یہ تھی کہ مولانا مودودی کے چونکانے سے طبیعت میں جو ایک وقتی انقلاب پیدا ہو گیا تھا۔''مکتوبات امام ربانی'' کے مطالعہ سے اس کی صحیح تربیت اور تہذیب کا سامان مل گیا۔''(21)

اور پھر فرماتے ہیں۔

''اپنے افکار و جذبات کے جس انقلاب کا اوپر میں نے ذکر کیا اور جس کی تہذیب و تربیت الحمد للہ مکتوبات امام ربانی ؒ سے ہوئی،اس کے بعد ضمیر کا تقاضہ ہوا کہ جس مقصد کے ادراک اور جس ضرورت کے احساس نے یہ اضطراب پیدا کیا ہے۔(یعنی ''احیاء دین'' کے لئے جدوجہد اور اصل دین کی جڑوں کو جمانے ،مضبوط کرنے اور جہالت و جاہلیت کے سخت زہریلے اثرات سے اسے صاف کرنے اور محفوظ رکھنے کی ہمہ گیر کوشش) غرض طبیعت میں ہیجان کے ساتھ ایک تقاضہ تھا کہ اس مقصد کے لئے جو کچھ کرنے کی ضرورت ہے اور جو بحالت موجود کیا جا سکتا ہے اپنے کو اس میں مصروف کر دیا جائے لیکن ظاہر ہے کہ یہ کام بیٹھے بیٹھے مقالے یا رسالے لکھ دینے یا جلسوں میں

تقریریں کرنے اور وعظ کہہ دینے کی طرح کا کوئی آسان انفرادی کام نہ تھا، بلکہ اس کے لئے ضرورت تھی ایک ہمہ گیر دعوت لے کر اٹھنے اور جدو جہد کا ایک مختلف الجہات نظام قائم کر دینے کی۔ اپنی ہستی کو بھی میں نے بار بار اس لحاظ سے جانچا اور تولا کہ کیا اس عظیم کام کا بیڑا میں خود اٹھا سکتا ہوں اور اس کی ذمہ داریوں کو نباہ سکتا ہوں؟ مگر سچی بات یہ ہے کہ ہر دفعہ میرا اندازہ اپنے متعلق یہی قائم ہوا کہ اس کام کی علمبرداری اور داعیانہ وقائدانہ ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کے لئے بعض جن خاص صلاحیتوں کی ناگزیر درجہ میں ضرورت ہوتی ہے، میں ان سے یا تو خالی ہوں اور یا ان کے بارہ میں مجھ میں بہت زیادہ کمزوری ہے۔ اپنے متعلق اس اندازہ پر مطمئن ہونے کے بعد میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ خود تو میں اس کار عظیم کا بیڑا اٹھانے کی ہمت نہیں کر سکتا اور نہیں کرنی چاہئے۔ لیکن اگر کوئی اور اللہ کا بندہ جو اس کا اہل ہو، اس بوجھ کا اٹھانے والا مل جائے تو پھر اپنے کو اس کے ساتھ لگا دینا چاہئے۔

اس وقت جستجو میں میرے ہی جیسے مضطرب جذبات کے حامل چند بندگان خدا کا پتہ بھی لگا اور میں مستقل سفر کر کر کے ان کی خدمتوں میں حاضر ہوا، لیکن اس وقت کی میری یہ تگ ودو نتیجہ کے لحاظ سے لاحاصل رہی اور قریباً دو تین سال تک حیرانی اور سرگردانی سی رہی۔ اس کے بعد ایک وقت آیا کہ خاص اسی مقصد کے لئے اپنی آرزوؤں کے مطابق ہی، مولانا مودودیؒ کی دعوت پر انہی کی امارت و قیادت میں ''جماعت اسلامی'' کا نظام بنا۔ اس عاجز نے بھی اس کی دعوت پر بڑھ کر لبیک کہا، مگر افسوس ہے کہ خلاف توقع مایوسیوں اور بے اطمینانیوں کے درمیان میں پیدا ہو جانے کی وجہ سے اس کے مقصد سے قلبی محبت اور اس کے اساسی اصول سے دیانتدارانہ موافقت کے باوجود ایک ہی سال کے بعد میں اپنے آپ کو اس نظام سے علیحدہ کر لینے پر مجبور ہو گیا۔'' (22)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ جماعت اسلامی میں شریک ہوتے ہیں، بڑھ چڑھ کر مولانا مودودیؒ کا ساتھ دیتے ہیں اور پھر جلد ہی ان سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ مولانا جماعت اسلامی سے اپنی علیحدگی کے اسباب بیان کرتے ہوئے اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں۔

''میری یہ علیحدگی کسی اصولی اختلاف کی بنیاد پر نہیں، بلکہ اس کا باعث دراصل کچھ شخصی قسم کی چیزیں ہوئی ہیں۔ جن کے باوجود وابستہ رہنا میں نے اپنے لئے صحیح نہیں سمجھا اور ان کا اطمینان بخش اصلاحی حل بھی میں نہیں پا سکا، نیز میری یہ علیحدگی صرف اس مخصوص

نظام جماعت سے ہے۔یعنی میں اب اس کا باضابطہ رکن نہیں رہا ہوں۔اس لئے اگرچہ جماعت کی باضابطہ شرکت اور اس کی ذمہ داریوں سے بھی سبک دوش ہو چکا ہوں، لیکن پھر بھی اس کے اصل مقصد کے ساتھ میری وابستگی ویسی ہی ہے اور میں اللہ پاک سے اس راہ میں جدوجہد کی بیش از بیش توفیق مانگتا ہوں۔''(23)

بعد ازاں انہیں جماعت اسلامی کے فکر سے بھی، جو درحقیقت سید مودودیؒ کا فکر تھا، بنیادی اختلاف پیدا ہو گیا۔انہوں نے جماعت کی فکر کی بنیادی کتاب ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' پر سخت تنقید کی۔چنانچہ وہ اس بات پر یوں روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ۔

''میں نے اس پہ بہت غور کیا کہ مودودی صاحب سے ایسی خطرناک غلطی (الہ، رب دین، اور عبادت جیسی دین کی بنیادی اصطلاحات کے بارے میں یہ سمجھنا اور لوگوں کو باور کرانے کی کوشش کرنا کہ صدیوں سے جمہور علمائے امت، ان کا جو مطلب سمجھ رہے ہیں وہ غلط یا ناقص تھا) کیوں ہوئی؟ تو میں اس نتیجے پہ پہنچا کہ بیسویں صدی کے اس دور میں جب کہ ساری دنیا میں سیاست اور سیاسی اقتدار کے مسئلہ نے دوسرے تمام مسائل سے زیادہ قیامت اور جنت، دوزخ کے مسئلہ سے بھی زیادہ اہمیت حاصل کر لی تھی......اس سیاست زدہ فضا اور ماحول میں مولانا مودودی صاحب نے اپنی دعوت و تحریک کو خاص کر جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہوں میں وقیع اور مقبول بنانے کے لئے ضروری سمجھا کہ کلمہ لا الہ الا اللہ اور عقیدہ توحید کی اور اس طرح اسلام کی ایک نئی سیاسی تشریح کی جائے اور اسی کو دعوت کی بنیاد بنایا جائے۔''(24)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی یہ جست جو انہوں نے جماعت اسلامی کے پلیٹ فارم پہ لگائی، جتنی تیزی سے وہ اس سے متاثر ہوئے تھے اتنی ہی تیزی سے واپس پلٹے۔ان کی اس تبدیلئ ذہن کے حوالے سے ایک قلم نگار ایم۔ایچ فاروقی، مولانا نعمانیؒ کا ''مولانا مودودیؒ سے ذہنی ربط'' کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

''لطف کی بات یہ ہے کہ جمعیۃ العلماء کے ساتھ اپنی کامل وابستگی کے باوصف منظور نعمانی رفتہ رفتہ ایک بالکل مختلف مکتب فکر سے قریب ہوتے جا رہے تھے۔۱۹۳۳ء میں ماہنامہ ''النجم'' کے دفتر میں ایک نیا دینی ماہنامہ ''ترجمان القران'' ان کی نظروں سے گذرا۔النجم مولانا عبدالشکور فاروقیؒ متوفی ۱۳۸۱ھ کی ادارت میں لکھنؤ سے شائع ہوتا تھا۔ترجمان القران جو اس وقت حیدر آباد سے نکلتا تھا، مولانا عبدالشکور صاحب کے فرزند مولانا عبدالمومن فاروقی نے مولانا منظور نعمانیؒ کو دکھایا تھا۔یہ کوئی نیا رسالہ نہیں

تھا،لیکن اب اس کی ادارت سید ابو اعلیٰ مودودیؒ ۱۹۰۳ء۔۱۹۷۹ء نے سنبھالی تھی۔مولانا منظور نعمانیؒ اسی وقت سے ترجمان کے گرویدہ ہو گئے۔وہ اسلامی اور عصری مسائل پر اس کے مدیر کی غیر معمولی گرفت اور اس کے طاقتور اسلوب تحریر سے بے حد متاثر ہوئے۔مولانا نعمانیؒ ہر مہینے النجم کے دفتر میں ترجمان القران کے نئے شمارہ کی آمد کا بے صبری سے انتظار کیا کرتے تھے۔لیکن یہ انتظار انہیں بہت زیادہ عرصہ تک نہیں کرنا پڑا۔اگلے ہی سال ۱۹۳۴ء میں جب انہوں نے ماہنامہ ''الفرقان'' جاری کیا تو انہیں ترجمان القران تبادلہ میں موصول ہونے لگا تا۔ہم انہوں نے ترجمان القران کے پچھلے تمام شمارے بھی حاصل کر لینے کا خاص اہتمام کیا۔مولانا مودودیؒ جو اپنی معرکتہ الآراء تصنیف ''الجہاد فی الاسلام''، پر علمی اور سیاسی حلقوں سے خراج تحسین حاصل کرنے کے بعد کافی متعارف ہو چکے تھے،مسلمانوں کو درپیش مسائل سے نپٹنے کے لئے کسی جزوی حکمت عملی کے بجائے ایک ہمہ گیر پروگرام کے داعی تھے۔مولانا منظور نعمانیؒ نے اپنے رسالہ الفرقان میں متعدد مضامین ''ترجمان القران'' کے حوالہ سے شائع کئے اور ان کے ساتھ خط وکتابت شروع کر دی۔دونوں ہی اس بات پہ متفق تھے کہ ان کے رسائل میں جو نظریات پیش کئے جا رہے ہیں ان کی ترویج کے لئے ایک باقاعدہ تحریک شروع کرنے کی ضرورت ہے۔'' (25)

موصوف مزید لکھتے ہیں۔

''کسی صاحب نے مولانا نعمانیؒ کو بتایا کہ مودودی صاحب کی تحریروں کی عکاسی ان کی ذاتی زندگی میں نظر نہیں آتی۔وہ داڑھی بھی نہیں رکھتے۔پھر کچھ دنوں بعد انہیں مودودی صاحب کی زندگی میں کچھ خوشگوار تبدیلیوں کی اطلاع بھی ملی۔تاہم مولانا نعمانیؒ جب پہلی بار مولانا مودودیؒ سے ملے تو انہیں سخت دھچکہ لگا۔ان کے سامنے ایک بے داڑھی والا شخص تو نہیں تھا لیکن جو تھوڑی بہت تبدیلی آئی تھی وہ بس برائے نام تھی۔مودودی صاحبؒ نے مولانا نعمانیؒ کی اس پریشانی کو بھانپ لیا۔انہوں نے کہا،مولانا!جس دنیا سے میرا تعلق ہے اور جہاں سے میں نکل کر آیا ہوں آپ کو اس کی خبر نہیں ہے۔آپ چاہتے ہیں کہ میں یک لخت بدل جاؤں،تبدیلی ان شاء اللہ رفتہ رفتہ آئے گی۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ مودودی صاحبؒ کے افکار،ان کی غیر معمولی ذہانت اور ان کے

طاقتور طرز تحریر کے بڑے مداح اور شیدائی تھے۔ وہ مودودی صاحبؒ کے خیالات اور ان کے تجزیوں سے تقریباً پوری طرح اتفاق رکھتے تھے لیکن اس سب کے باوجود مودودی صاحبؒ کی چھوٹی سی داڑھی اور ان کے بالوں کی وضع ان کے لئے پریشانی کا باعث تھی۔ تنہائی کی ایک ملاقات میں انہوں نے مولانا مودودی صاحب سے دریافت کیا کہ ''احکام شریعت کے بارے میں آپ کا کیا طرز عمل ہے؟ میں اپنے امکان کی حد تک شریعت کی پابندی کرتا ہوں''

''آپ تقلید شخصی کو تو ضروری نہیں سمجھتے لیکن یہ بات تو آپ بھی ضروری سمجھتے ہوں گے کہ جس مسئلہ پر آئمہ اربعہ کا اتفاق ہے اس کے خلاف نہ کیا جائے؟'' ہاں میں اسے ضروری سمجھتا ہوں اور اس سے خروج کو جائز نہیں سمجھتا'' کیا ایسی داڑھی رکھنا آپ کے نزدیک جائز ہے؟

''میری رائے میں داڑھی اتنی ہونا ضروری ہے کہ دور سے نظر آئے اور اتنی اگر چھوٹی سی بھی ہے تو حرام یا ناجائز نہیں سمجھتا۔'' مودودی صاحب نے اپنی رائے کی تائید میں فقہ حنبلی کی کتاب ''مغنی'' کا حوالہ دیا۔

''میں نے مغنی نہیں دیکھی لیکن میری رائے یہ ہے کہ داڑھی کو داڑھی جیسا نظر آنا چاہئے اور آپ کی داڑھی اس سے بہت کم ہے جتنی کو حدیث میں ضروری بتایا گیا ہے''

''میرا خیال یہ ہے کہ آپ کی بات صحیح ہے اور مجھے اپنی اصلاح کر لینی چاہئے''

''اور آپ کے بالوں کی وضع؟'' ''کیا یہ آپ کے نزدیک ''قزع'' ہے لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ اس طرح کے بال رکھنا صالحین کے طریقہ کے خلاف ہے اور خاص کر جو لوگ دین و شریعت کی پابندی کے داعی ہوں ان کے لئے ایسی چیزوں کی بالکل گنجائش نہیں ہے'' اس پر بھی مودودی صاحب نے فرمایا کہ یہ بات آپ کی ٹھیک ہے۔''

آخر میں مولانا نعمانیؒ نے مودودی صاحب سے ان کی ذاتی زندگی کے بعض پہلوؤں کے بارے میں کچھ سوالات کئے اور مودودی صاحب نے بے تکلفی سے ان کے جوابات دیئے۔ اس کے بعد مولانا نعمانیؒ نے اپنا اطمینان ظاہر کر کے مولانا مودودیؒ سے کہا کہ اب آپ جماعت کی تشکیل کے لئے ہم خیالوں کو دعوت دیجئے اور اس کام کے لئے کوئی تاریخ مقرر کر دیجئے۔

جماعت میں شرکت اور مفارقت:۔

مجوزہ جماعت کی تشکیل کے لئے یہ میٹنگ اگست ۱۹۴۱ء میں منعقد ہوئی۔مولانا منظور نعمانیؒ نے نئی جماعت...... جماعت اسلامی...... کی امارت کے لئے مولانا مودودیؒ کا نام پیش کیا۔انہوں نے کہا کہ دستور کے لحاظ سے امیر میں جو صفات ہونی چاہئیں مثلاً تقویٰ، علم دین میں بصیرت، اصابت رائے اور حزم وعزم وہ سب مودودی صاحب میں موجود ہیں اور اس حیثیت سے وہ جماعت کے موجودہ اراکین میں فائق وممتاز ہیں۔مولانا منظور نعمانیؒ کو نائب امیر بنایا گیا اور ''الفرقان'' پہلے سے بھی زیادہ شدومد کے ساتھ جماعت کے نظریات اور اس کی دعوت کی وکالت کرنے لگا۔تاہم جماعت کی تاسیس کے ۲۱ ماہ بعد مولانا نعمانیؒ نے ''الفرقان'' میں اعلان کیا کہ اگرچہ وہ جماعت کی دعوت اور اس کے مقاصد کو اب بھی درست اور برحق سمجھتے ہیں لیکن انہوں نے افسوس اور قلق کے ساتھ جماعت کی باضابطہ ذمہ داری اور اس کی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے خود کو علیحدہ کر لیا ہے۔انہوں نے کہا کہ اس اعلان سے ایسی کوئی غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ جماعت سے میری بے تعلقی کسی اصولی اختلاف پر مبنی ہے بلکہ اس کی وجہ کچھ ذاتی قسم کے معاملات ہیں۔لیکن اس کے ۱۵ برس بعد (الفرقان، رمضان ۱۳۷۷ھ، اپریل ۱۹۵۸ء) تک انہوں نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ وہ ''ذاتی معاملات'' کیا تھے۔کسی نے انہیں بتایا تھا کہ (ان دنوں) مودودی صاحب کے گھر میں ایک مرد باورچی ملازم تھا اور ان کی اہلیہ اس سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔یہ ایک ''منکر'' تھا۔

۸۰-۱۹۷۹ء میں مولانا نے دوبارہ اس موضوع کی طرف اس وقت توجہ کی جب انہوں نے ''مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگذشت اور اب میرا موقف'' نامی کتاب تصنیف کی۔اس کتاب کی رو سے ''ذاتی معاملات'' وہی تھے جن کا اوپر ذکر کیا گیا۔البتہ اس میں یہ انکشاف بھی کیا گیا کہ وقت گذرنے کے ساتھ خاص طور پر ۱۹۵۷ء کے سفر پاکستان کے بعد ان کے علم میں یہ بات بھی آئی کہ مودودی صاحب کی تحریروں اور جماعت کی پالیسیوں میں بعض ''سنگین خامیاں'' آ گئی ہیں۔مولانا نعمانی کو امید تھی کہ مودودی صاحب ان کی تنقید پر غور فرمائیں گے لیکن ابھی ان کی یہ کتاب اشاعت کے مرحلہ میں ہی تھی کہ مودودی صاحب کا انتقال ہو گیا۔

جماعت سے مفارقت کا اصل راز:۔

مولانا نعمانیؒ کو اگرچہ اس کا علم نہ تھا، لیکن جماعت سے مولانا کی علیحدگی فی الواقع عظیم دینی واصلاحی تحریک ''تبلیغی جماعت'' کے بانی حضرت مولانا محمد الیاسؒ (متوفی ۱۹۴۴ء) کی دعاؤں کا ثمر تھی۔یہ بات مولانا نعمانیؒ کے علم میں اس وقت آئی جب وہ مولانا الیاسؒ صاحب کے انتقال کے بعد ان کی تدفین میں شرکت کر کے واپس ہو رہے تھے۔ہوا یہ کہ مولانا الیاسؒ صاحب کے ایک خاص رفیق حاجی عبدالرحمن نے مولانا نعمانیؒ سے درخواست کی کہ وہ بھی اسی بیل گاڑی پر سوار ہو جائیں جس پر بیٹھ کر وہ مرکز واپس جا رہے ہیں۔حاجی عبدالرحمن اصلاً ایک نومسلم تھے اور مکمل طور پر جماعت تبلیغ سے وابستہ تھے۔انہوں نے سرگوشی کے انداز میں مولانا نعمانیؒ سے پوچھا ''مولانا یہ تو بتائیے کہ آپ کون سی جگہ چلے گئے تھے جو ''حضرت جی'' آپ کے بارے میں اتنے فکرمند ہوئے تھے۔اس کے بعد حاجی عبد

الرحمٰن نے حسب ذیل واقعہ سنایا۔

قریباً دو ڈھائی برس پہلے (۱۳۶۰ھ ۶۱ھ، ۱۹۴۱ء یا ۴۲ء) کی بات ہے۔ گرمیوں کی ایک دوپہر میں ''حضرت جی'' میرے حجرے میں تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے تم سے اس وقت ایک ضروری بات کرنی ہے۔ پھر مجھ سے دریافت فرمایا: ''تم مولانا منظور نعمانیؒ کو جانتے ہو''میں نے کہا'' مجھے تو یہ نام یاد نہیں آتا'' فرمایا! وہ جن کا ایک رسالہ نکلتا ہے اور جو بدعات اور اہل بدعت کا رد کرتے ہیں۔ میں نے کہا، ہاں! ان کو تو میں جانتا ہوں۔ فرمایا! کہ وہ ایک غلط جگہ پہ چلے گئے ہیں ہمیں ان کے لئے دعا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو وہاں سے نکال لے۔ پھر ہم دونوں نے اسی وقت نماز پڑھ کر ان کے لئے دعا کی۔ حاجی عبدالرحمان کی زبانی یہ واقعہ سن کر مولانا منظور نعمانیؒ کو خیال آیا کہ غالباً یہ اسی زمانے کی بات ہوگی جب وہ جماعت اسلامی کے اس وقت کے مرکز دارلاسلام میں قیام کی غرض سے جمال پور (مشرقی پنجاب) چلے گئے تھے۔ اگر چہ اس وقت تک مولانا الیاسؒ یا ان کی تبلیغی جماعت سے مولانا نعمانیؒ کا کوئی خاص تعلق نہیں تھا لیکن اس کے بعد بہت عرصہ نہیں گذرا کہ مولانا منظور نعمانیؒ بالآخر اسی جگہ پہنچ گئے جہاں غالباً اپنے خاص ذوق ومزاج کی مناسبت سے انہیں ہونا چاہئے تھا...... یہاں سے الفرقان کی دعوت کا ایک نیا دور شروع ہوا جس کا خاص محور اور مرکزی نقطہ یہ قرآنی دعوت تھی کہ اے مسلمانو! سچے مومن بن جاؤ، اور اے مسلمانو! پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ (26)

ایچ۔ ایم فاروقی نے مولانا نعمانیؒ اور مولانا مودودیؒ کے درمیان تعلقات اور ان کے افکار وعمل کا بہت اچھا تجزیہ پیش کیا۔ اس میں مولانا نعمانیؒ کا طرز فکر اور ان کے اشکالات کی وضاحت ہوگئی کہ وہ مولانا مودودیؒ سے کس طرح کی شکایت رکھتے تھے اور کیا سوچ کر انہوں نے علیحدگی اختیار کی۔

مولانا منظور نعمانیؒ جماعت اسلامی سے اپنی علیحدگی کے اسباب وحالات بیان کرتے ہوئے خود لکھتے ہیں ''الفرقان کی اشاعت کا سلسلہ ۱۹۳۴ء میں شروع ہوا تھا اور اس کا ایک مخصوص اور محدود دائرہ کار تھا۔ ۱۹۳۵ء سے ہندوستان میں ایک بڑی تبدیلی کا آغاز ہوا۔ یہ ۳۵ء کے انڈیا ایکٹ کا نفاذ تھا۔ جس کے ذریعہ برطانوی حکومت نے ہندوستانیوں کو کچھ زیادہ حکومتی اختیارات منتقل کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس ایکٹ

کے ماتحت صوبوں میں انتخابات ہوئے اور پھر جیتنے والی پارٹیوں کی صوبائی حکومتیں بنیں، یعنی ہندوستان آزادی کی منزل پر پہنچنے لگا۔ جس کے لئے ایک عرصہ دراز سے جدوجہد جاری تھی۔ اس صورتحال کے پیدا ہوتے ہی یہ سوالات اٹھنے شروع ہوئے کہ ملک کی آزادی کی صورت میں مسلمانوں کا دینی مستقبل کیا ہے؟ اور مسلمانوں کو اس مستقبل کے تحفظ کے لئے کیا کرنا ہوگا؟ اس سوال کو اس وقت کے ایک نمایاں صاحب قلم مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنے ماہنامہ ترجمان القرآن میں بہت غیر معمولی انداز پر اٹھایا اور ایک عرصے تک موضوع بنائے رکھا۔ مودودی صاحب اس سے پہلے جمعیۃ علماء ہند کے اخبار ''مسلم'' کے ایڈیٹر رہے تھے اور اس زمانے میں ان کے قلم سے ''الجہاد فی الاسلام'' نامی کتاب نے ان کا ایک خاص فکری اعتبار اسی طرح اہل علم ودین میں قائم کر دیا تھا جیسے مولانا آزادؒ کا ان کے الہلال کے دور میں۔ موصوف کے اس سلسلہ مضامین نے اس عاجز کو متاثر کیا اور رفتہ رفتہ یہ ذہن بن گیا کہ چند اعتقادی اور عملی مسائل جن میں مسلمانوں کے بعض طبقے افراط وتفریط اور غلطیوں میں مبتلا ہیں، ان کی بابت اصلاحی جدوجہد تک اپنی سرگرمیوں کو محدود رکھنے کے بجائے وہ میدان عمل اختیار کیا جانا چاہئے جس کے ذریعہ مسلمان آنے والے نئے حالات سے عہدہ برآ ہونے کے قابل ہوسکیں۔ یہ عاجز محسوس کرتا ہے کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بہت بروقت اور صحیح رہنمائی تھی اور اس کے ذریعے اس بندے پر ایک خیر کثیر کا دروازہ کھلا اور پھر جب اس نئے ذہن اور نئے تقاضے کے ماتحت اس بندے کے قدم اولاً اس راہ کی طرف اٹھ گئے جو اب اس کے نزدیک فکر ونظر کی ایک غلطی تھی یعنی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے زیر قیادت جماعت اسلامی کی تاسیس۔ تب بھی توفیق الٰہی میری دستگیری کے لئے مہربان ہوئی اور بالکل ابتدائی مرحلے ہی میں ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ میرے قدم واپس ہوں اور اگر چہ الٹے پاؤں واپسی کا یہ مرحلہ نفسیاتی طور پر بڑا ہی سخت تھا، اس لئے کہ اس جماعت کی بنیاد ڈالنے کی کوشش میں۔ میں مودودی صاحب سے بھی کچھ آگے ہی تھا، نیز لوگوں کو بڑی قوت سے اس کی طرف دعوت دی تھی مگر بس ایک مختصری کشمکش کے بعد اللہ نے میرے لئے یہ واپسی کا فیصلہ بھی آسان کیا اور علیحدگی اختیار کرنے کے بعد اس کا بقدر ضرورت اعلان بھی الفرقان کے صفحات میں کر دیا۔ اور بلاشبہ یہ میرے مالک کا میرے اوپر بڑا احسان تھا کہ واپسی کے اس فیصلے میں

دنیا کی شرم دامن گیر نہ ہو سکی۔ بلکہ ''تحدیث نعمت'' کے ضمن میں میرے لئے یہ بات مستقل طور سے کہنے کی ہے کہ اللہ نے میرے لئے یہ بات بالعموم ہی آسان رکھی کہ اپنی غلطی کا اعتراف کرنے سے نہ شرماؤں اور حتی المقدور اس کی تلافی کی بھی کوشش کروں اور یہ یقیناً وہ چیز ہے کہ ''اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں'' (27)

مولانا نعمانیؒ مزید لکھتے ہیں۔

''اور یہ بھی محض اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی عنایت ورحمت تھی کہ اس ٹھوکر کے احساس نے جو صدمہ اور تلخ تجربے کے نتیجے میں میرا یہ جذبہ کہ کچھ کرتے رہنا چاہئے سرد نہیں پڑا۔ ملکی وعالمی سطح کے حالات کی غیر معمولی تبدیلیوں کے اشارے پا کر عملی سلسلے میں جو وسیع تر نقطہ نظر ذہن نے اپنا لیا تھا اس کے ماتحت میدان عمل اور طریق عمل کی تلاش میں طبیعت برابر سرگرم رہی۔ حتیٰ کہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب کی خدمت میں رسائی ہوئی اور آپ نے مسلمانوں میں عوامی پیمانے پر اپنی زندگی کے احیاء کی جو تحریک شروع کی ہوئی تھی (جسے تبلیغ کے عوامی نام سے یاد کیا جاتا ہے) اس میں اپنے حالات کے مطابق حصہ لینے کی توفیق میسر آ گئی۔'' (28)

مولانا مودودی مجلس شوریٰ کے اس اجلاس کی روداد بیان کرتے ہیں جن میں مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی علیحدگی کا اور دیگر حالات کا ذکر کیا گیا ہے، وہ لکھتے ہیں۔

''شوال ۱۳۶۱ھ (اکتوبر ۱۹۴۲ء) کے دوسرے ہفتے میں مجلس شوریٰ کا دوسرا اجتماع بمقام دہلی ہوا۔ اس اجتماع کی اصلی غرض چند ایسے اختلافات کا حل تلاش کرنا تھا جو بد قسمتی سے ابتدائی مرحلہ ہی میں اس نازک موقع پر نظام جماعت کے اندر رونما ہو گئے تھے۔ اور جن کی وجہ سے یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں اقامت دین کی یہ منظم کوشش، جو ایک صدی کے تعطل کے بعد پھر بمشکل شروع ہوئی ہے، شروع ہوتے ہی ختم نہ ہو جائے۔ ایسے مایوس کن اثرات اپنے پیچھے نہ چھوڑ جائے کہ اللہ کے دوسرے بندوں کو بھی اس کی ناکامی مدتوں تک ایک مثال بن کر دین حق کے قیام کی سعی وجدوجہد سے روکتی رہے۔ میں نے ان اختلافات کو سلجھانے کی جتنی کوششیں کی ہیں، مجھے سخت ناکامی ہوئی اور صرف ناکامی ہی نہیں ہوئی بلکہ تفریق واختلاف اور بددلی اور بدگمانیوں کا ذکر دور ونزدیک کے ارکان میں بالعموم پھیلنا شروع ہو گیا۔ تب میں نے مجبور ہو کر اصحاب

شوریٰ کو دہلی میں جمع ہونے کی تکلیف دی تاکہ اس الجھن کو دور کرنے میں میری مدد کریں۔

حسب ذیل اصحاب شریک اجتماع تھے۔مولانا ابوالحسن لکھنؤ،محمد یوسف صاحب بھوپال،صبغتہ اللہ صاحب عمر آباد، مدراس۔مولانا حکیم عبداللہ صاحب،روڑی، حصار۔سید عبدالعزیز صاحب شرقی جالندھر، ملک نصر اللہ خاں صاحب عزیز لاہور، قاضی حمید اللہ صاحب سیالکوٹ،عبد الکبار صاحب غازی دہلی، محمد بن علی علوی صاحب کاکوری،مولانا محمد منظور نعمانی بریلی، سید جعفر صاحب کپورتھلہ، قمرالدین خان صاحب،عطاء اللہ صاحب پتوا کھالی۔

چار پانچ روز ہم لوگ اس کام میں منہمک رہے۔اولاً میں نے چاہا کہ اصل امور مختلف فیہ کو زیر بحث لایا جائے اور جو لوگ مجھ سے یا کام سے مطمئن نہیں ہیں وہ خفیہ پر چہ نویسی اور نخوی اور غیبت اور اجاف کو چھوڑ کر جماعت کے سامنے اپنی بے اطمینانی کے اسباب صاف صاف بیان کر دیں۔پھر اگر جماعت ان کے بیان سے مطمئن ہو جائے تو مجھے رہنمائی کے منصب سے معزول کر دیا جائے لیکن ان حضرات نے ایسا کرنے سے اجتناب کیا اس کے بعد میں نے جماعت کے سامنے تین متبادل صورتیں پیش کیں۔

ایک یہ کہ میں خود استعفیٰ دیتا ہوں، میری جگہ کسی دوسرے شخص کو رہنما منتخب کر لیا جائے۔

دوسرے یہ کہ ایک شخص نہیں ملتا تو تین چار آدمی مل کر اس کام کو سنبھالیں۔

تیسرے یہ کہ جماعت کا یہ نظام جو ہم نے بنایا ہے اسے توڑ دیا جائے اور ان سب لوگوں کو جو اس نصب العین کی خدمت کا عہد کر چکے ہیں آزاد چھوڑ دیا جائے کہ جس شخص کا جس پر اطمینان ہو اس سے وابستہ ہو کر کام کرے، اور جو لوگ کسی دوسرے سے مطمئن نہ ہوں مگر خود اپنے اوپر اطمینان رکھتے ہوں وہ خود اٹھیں اور کام کریں اور جو لوگ دوسروں سے بھی مایوس ہوں اور اپنے آپ سے بھی، پھر ''امام مہدی کے ظہور'' کا انتظار کریں۔

پہلی تجویز اس بنا پر بالاتفاق رد کر دی گئی کہ جو لوگ اس وقت تک جماعت میں شامل ہوئے ہیں ان میں سے کوئی بھی اس بار کو سنبھال نہیں سکتا۔خود اختلاف کرنے والے اصحاب بھی اس امر پر متفق تھے۔

دوسری تجویز بھی بالاتفاق رد کر دی گئی کیونکہ وہ نہ شرعاً صحیح ہے اور نہ عملاً ہمارے مقاصد کے لئے مفید۔

رہی تیسری تجویز تو اختلاف رکھنے والے اصحاب کی خواہش یہ تھی کہ اسی پر عمل کیا جائے اور میں خود بھی اسی طرف مائل تھا کیونکہ میں ایسے مختلف المزاج عناصر کے اجتماع

میں کوئی خیر نہ دیکھتا تھا جو ترکیب و امتزاج قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوں اور ان سے کم سے کم ضروری صفات سے بھی عاری ہوں جن کے بغیر کوئی کارکن جماعت نہیں بن سکتی۔ لیکن اصحاب شوریٰ کی اکثریت نے اس تجویز سے سخت اختلاف کیا۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ اس طرح جماعت کو توڑ کر ہم اپنے نصب العین کی خدمت کرنے کی بجائے اس کے ساتھ دشمنی کریں گے اور ہماری یہ حرکت اس جمود کے بقاء و استمرار کے لئے ایک حجت بن جائے گی، جو بالاکوٹ کی ٹریجڈی کے بعد سے ایک سو دس برس تک اسلامی تحریک پر طاری رہا ہے۔ اس لئے بجائے اس کے کہ چند اشخاص کے اختلاف کی وجہ سے جماعت ٹوٹے، کیوں نہ وہ اشخاص جماعت سے ٹوٹ جائیں، جو ساتھ مل کر نہیں چل سکتے۔ دلیل اتنی وزنی تھی کہ آخر کار اسی کو غلبہ حاصل ہوا۔ جو حضرات اختلاف سے متاثر تھے ان میں سے بعض نے رجوع کر لیا اور صرف چار اصحاب ایسے رہ گئے جنہوں نے اختلاف پر قائم رہتے ہوئے جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی۔ ان اصحاب کے نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا محمد منظور نعمانی، مدیر الفرقان، بریلی۔

۲۔ مولانا سید محمد جعفر صاحب، خطیب مسجد جامع کپورتھلہ۔

۳۔ قمر الدین خاں صاحب، سابق ناظم جماعت۔

۴۔ عطاء اللہ صاحب، چٹوا کھالی، بنگال۔

لیکن ان حضرات کی علیحدگی کے بعد بھی میں جماعت کی قیادت کا بار سنبھالنا اس وقت تک جائز نہ سمجھتا تھا جب تک کہ رفقاء جماعت کو اختلاف کی پوری حقیقت سے آگاہ کر کے یہ دریافت نہ کر لیتا کہ آیا اس کے بعد بھی وہ مجھ پہ اعتماد رکھتے ہیں یا نہیں۔ چنانچہ میں نے علیحدہ ہونے والوں کی وہ تحریر جس میں انہوں نے میری ذات پر اور میرے کام پر اعتراضات تفصیل کے ساتھ بیان کئے تھے، جماعت کے سامنے پیش کر دی اور ہر اعتراض کا جو جواب میرے پاس تھا وہ بھی بیان کر دیا۔ پھر رفقاء سے عرض کیا کہ دونوں پہلوؤں کا بے لاگ موازنہ کرلیں اور آزادی کے ساتھ فیصلہ کریں کہ جس شخص کو انہوں نے ایک سال پہلے اپنا رہنما منتخب کیا تھا وہ اب بھی ان کی نگاہ میں اس لائق ہے یا نہیں کہ وہ اس کو رہنما تسلیم کریں۔ جماعت کی طرف سے اس سوال کا جواب اثبات میں تھا۔''(29)

مولانا مودودیؒ نے اپنی تحریک اور جماعت کی بنیاد رکھ دی اور نام کے معاملے میں بجائے اس کے کہ حزب اللہ، دین الہیٰ، خلافت اسلامیہ وغیرہ وغیرہ کی بحث میں پڑتے، سیدھے سیدھے اپنی تحریک کا نام "جماعت اسلامی" رکھ دیا۔ اس نام کی حیثیت شرعی اور دینی اعتبار سے جو کچھ بھی رہی ہو مگر ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سیدھے سادے عوام یہ سمجھنے لگے کہ جو اس تحریک میں اور مولانا صاحب کی امارت میں شامل نہیں ہوگا وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ اسی کے ساتھ دین کی اساسی فہم و علم رکھنے والوں میں سے بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوگیا کہ اس قسم کے دعادی اور دعوتیں تو انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اس حوالے سے مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا ایک واقعہ جو انہوں نے خود بیان کیا ہے۔ اس کے مطابق "ایک سفر میں جماعت اسلامی کے کچھ حضرات ان سے ملنے آئے۔ مولانا نعمانیؒ بہت پہلے جماعت اسلامی سے قطع تعلق کر چکے تھے۔ ان حضرات نے مولانا کو جماعت اسلامی کے حق میں ہموار کرنا چاہا۔ مولانا نے اس موضوع پر گفتگو کرنے سے اجتناب کیا مگر وہ حضرات اصرار کرتے رہے۔ آخر میں ان میں سے ایک صاحب بہت غصہ میں آگئے اور فرمایا کہ اب ہم صاف کہتے ہیں کہ آپ مرتد ہو گئے ہو۔ ہم دعوت دیتے ہیں کہ توبہ کر کے پھر اسلام میں آجاؤ۔ مولانا نعمانیؒ کہتے ہیں کہ اللہ کا فضل ہے مجھے غصہ نہیں آیا اور میں یہ سمجھا کہ شاید اس بے چارے نے مودودی صاحب کے اسی مذکورہ بیان ہی سے یہ سمجھا ہو کہ جو شخص جماعت اسلامی میں شامل ہو کر الگ ہو گیا وہ مرتد ہو گیا۔" (30)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی جماعت اسلامی سے علیحدگی پہ اظہار خیال کرتے ہوئے، مولانا یوسف لدھیانویؒ لکھتے ہیں۔

> "ایک زمانہ میں مولانا مودودی کا بڑا چرچا تھا اور وہ اسی حمیت دینی کی خاطر کچھ عرصہ ان کی تحریک کے ساتھ وابستہ رہے، لیکن انہیں بہت جلد احساس ہو گیا کہ جس عالی مقصد کے لئے وہ ان کے گرویدہ ہوئے ہیں، اس کا حصول ان کی ذات سے ممکن نہیں۔ چنانچہ وہ اس تحریک سے دست کش ہو گئے اور بعد میں جماعت اسلامی سے اپنی وابستگی' اور علیحدگی کی داستان بھی لکھی۔ ان کا جماعت اسلامی سے یا مولانا مودودی سے تعلق محض للہ فی اللہ تھا۔ کوئی اپنی ذاتی غرض درمیان میں نہیں تھی۔' (31)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی جماعت اسلامی سے علیحدگی دراصل ان کا نظریاتی و فکری اختلاف تھا۔ اس ضمن میں وہ خود لکھتے ہیں کہ۔

> "راقم سطور (مولانا نعمانی) کو یاد ہے کہ جماعت اسلامی کے بالکل ابتدائی دور میں جب مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریا آبادی اور مولانا مناظر احسن گیلانی نے مولانا مودودی کے اپنی طرز فکر اور اس پر مبنی دعوت سے شدت کے ساتھ اختلاف کیا تھا تو مولانا گیلانی نے اپنے کسی مضمون یا مکتوب میں لکھا تھا کہ مودودی صاحب

جس طریقہ پر اور جس انداز میں دعوت دے رہے ہیں، یہ امت کے مصلحین ومجددین کا طریقہ نہیں ہے۔ یہ طریقہ اللہ کے نبیوں کی دعوت کا ہوتا ہے مودودی صاحب نبیوں کی نقل کرنا چاہتے ہیں۔'' (32)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا نقطہ نظر جماعت اسلامی کے بارے میں بدلنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مولانا مودودی کے افکار کی شدت یہاں تک پہنچ گئی کہ انہوں نے یہ اعلان کر ڈالا کہ جو میری دعوت وتحریک میں شریک نہیں ہوگا وہ یہودیوں والا طریقہ اختیار کرے گا۔ ان کا ایک اعلان ملاحظہ فرمائیں۔

''اس موقع پر ایک بات نہایت صفائی کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ اس قسم کی دعوت کا جیسی کہ ہماری دعوت ہے کسی مسلمان قوم کے اندر اٹھنا اس کو ایک بڑی آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔ جب تک حق کے بعض منتشر اجزاء باطل کی آمیزش کے ساتھ سامنے آتے رہیں ایک مسلمان قوم کے لئے ان کو قبول نہ کرنے اور ان کا ساتھ نہ دینے کا ایک معقول سبب موجود رہتا ہے مگر جب پورا حق بالکل بے نقاب ہو کر اپنی خالص صورت میں سامنے رکھ دیا جائے اور اس کی طرف اسلام کا دعویٰ رکھنے والی قوم کو دعوت دی جائے تو اس کے لئے ناگزیر ہو جاتا ہے کہ یا تو اس کا ساتھ دے اور اس خدمت کو انجام دینے کے لئے اٹھ کھڑی ہو جو امت مسلمہ کی پیدائش کی ایک ہی غرض ہے یا نہیں تو اسے رد کر کے وہی پوزیشن اختیار کر لے جو اس سے پہلے یہودی قوم اختیار کر چکی ہے۔'' (33)

مولانا منظور نعمانیؒ کے بیٹے عتیق الرحمن سنبھلی جماعت اسلامی سے مولانا کی علیحدگی کے حوالے سے تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''آپ کی دینی وملی سرگرمیوں کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ایک بات بہت واضح طور پر نظر آئے گی کہ جس بات کو اس سلسلے میں حق اور فرض جانا اس کے لئے سب کچھ کر گذرنا اور کسی سے نہ ڈرنا۔ یہی ان کی مناظرانہ زندگی کے ہر ورق سے عیاں ہے اور یہی پھر اس دوسری منزل کی طرف چل پڑنے میں ہوا جس کا رجحان مودودی صاحب کی تحریروں نے پیدا کیا۔ وہ دیوبند کے ساختہ وپرداختہ تھے۔ انہیں دیوبند اور بزرگان دیوبند سے بے حد تعلق بھی تھا اور ان کی غایت درجہ خوش قسمتی کہ تمام اکابر دیوبند ان کی کم عمری کے باوجود انہیں وہ درجہ دیتے تھے جو شاید اس وقت ان کے کسی اور ہم عمر کا نہ تھا۔ بالفاظ دیگر وہ ان کے منظور نظر تھے۔ یہ چیز الفرقان کے ابتدائی فائلوں میں بھی پھیلی ہوئی ہے

اور یکجا طور سے ایک حد تک تحدیث نعمت نامی ان کی کتاب میں ملتی ہے۔ یہ ان کی ان دینی سرگرمیوں کی وجہ سے تھا جو وہ مناظروں کے میدان میں اور الفرقان کے صفحات پر ایک دھن اور لگن کے ساتھ اور بھر پور عالمانہ انداز پر انجام دے رہے تھے۔ اسی کے ساتھ عملاً اگر چہ وہ سیاسی نہ تھے لیکن ذہن وفکر کی حد تک ملی سیاست میں جمعیۃ العلماء ہند کی راہ کو، جو بالفاظ دیگر جماعت دیوبند کی سیاسی راہ تھی، نہ صرف صحیح سمجھتے تھے بلکہ با ضابطہ اس کے ممبر بھی تھے۔ ''تحدیث نعمت'' کے دوسرے باب میں ۳۸۔۳۷ء کے ایک موقع پر حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی اس خواہش کا ذکر کرتے ہوئے کہ ان کے نمائندے کی حیثیت سے مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کی رکنیت قبول کر لی جائے، اس سے معذرت کے سلسلہ میں اپنا عذر یہی بیان کیا گیا ہے کہ ''میں اس وقت جمعیۃ العلماء سے باضابطہ وابستہ تھا اور ہندوستانی مسلمانوں کے لئے اسی کے سیاسی مسلک کو اصولی اور بنیادی طور پر صحیح سمجھتا تھا۔ اگر چہ بعض معاملات میں میری مستقل رائے تھی''

مودودی صاحبؒ کے مضامین جن سے تأثر شروع ہوا، ابتداء میں اگر چہ کسی ایسی نوعیت کے نہ تھے کہ ان اکابر کے مذہبی یا سیاسی فکر سے ٹکراتے ہوں مگر ۳۸۔۳۷ء آتے آتے وہ سیاسی طور سے تو کلیۃً اور کسی حد تک مذہبی طور سے بھی ان اکابر دیوبند کے اور خاص طور سے جمعیۃ العلماء کے فکر سے ٹکرانے لگے تھے۔ لیکن آپ نے اس مرحلے میں بھی جب مودودی صاحب ہی کے فکر کو بنیادی طور پر صحیح سمجھا تو پھر اس کا یہ ٹکراؤ بھی مودودی صاحب کی طرف بڑھتے جانے سے نہیں روک سکا کہ کسی چیز کو حق جان لینے کے بعد یہی افتادِ طبع تھی۔ جمعیۃ العلماء سے رسمی ممبری کا تعلق قائم رہا اور وہ بظاہر اس لئے کہ اپنے نئے سیاسی فکر کی طرف، جسے وہ مودودی صاحب کے نظریئے کے مطابق عین تقاضائے دین واسلام جان رہے تھے، اپنے ان بزرگوں اور دوستوں کو بھی متوجہ کرنے کی کوشش دوستانہ اور عقیدت مندانہ ماحول میں کرتے رہ سکیں اور ان کے وہ تعلقات بحال رہ سکیں جو انہیں عزیز اور محترم رہے۔ چنانچہ وہ یہ کوشش کرتے ہوئے، جس کے بھر پور نشانات ۵٦ھ سے ٦۰ھ تک کے الفرقان میں پائے جاتے ہیں، شعبان ٦۰ھ اگست ۴۱ء میں مودودی صاحب کی امارت میں ''جماعت اسلامی'' قائم کرنے کی منزل تک پہنچ گئے اور یہ اس کے بعد تھا جب کہ جمعیۃ العلماء کے اخبار ''الجمعیۃ'' میں مودودی صاحب پر وہ سخت تنقیدی حملے شروع ہو چکے تھے، جن میں

ان کو ''خطبہ فروش، چالاک تاجر'' جیسے الفاظ سے یاد کیا گیا تھا اور الفرقان نے اس کا نوٹس لیا تھا۔ (شمارہ ۵، جلد ۵، ۱۳۵۷ھ) انہوں نے جماعت میں صرف شرکت ہی نہیں کی تھی، وہ جماعت قائم کرنے میں مودودی صاحب کے شانہ بشانہ تھے اور اس کو قائم رکھنے اور بڑھانے میں خود مودودی صاحب سے بہت آگے۔ مولانا علی میاں (مولانا سید ابوالحسن ندوی) کو انہوں نے جماعت کی طرف راغب کیا، مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم جو سترہ سال تک جماعت میں نمبر ۲ رہے، ان کو بھی جماعت کی طرف لانے میں ان کا کسی نہ کسی حد تک حصہ ضرور تھا۔'' (34)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے اسلام کے غلبے اور مسلمانوں کی آزادی وفلاح کا جو سپنا جماعت اسلامی کے پلیٹ فارم پہ دیکھا تھا وہ مولانا مودودی کے اختلاف کی وجہ سے بہت جلد ختم ہوگیا۔ انہوں نے اسے اللہ کی طرف سے رحمت قرار دیا کہ وہ جماعت اسلامی سے نکل گئے۔ یقیناً وہ یہ سمجھتے ہوں گے کہ جس راہ کو انہوں نے اختیار کیا تھا شاید وہ جلد بازی تھی، یا ان کی شعور کی سطح اس حد تک بلند نہیں ہوئی تھی کہ وہ انہیں پہلے مرحلے میں سمجھ کر ان میں شامل ہوتے۔ جماعت اسلامی کی تاسیس میں شرکت، مولانا مودودی کو امارت کے لئے ووٹ دینا، اور خود نائب امیر بننا، یہ سب اتنا معمولی نہیں ہے اور پھر جزوی اختلافات کا اظہار کر کے اسے چھوڑ دینا، یقیناً سمجھ میں نہیں آتا؟ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا انتشار ذہنی میں مبتلا تھے، یا وہ خود اعتماد نہیں تھے، یا وہ محض ظاہری علامات جیسے داڑھی چھوٹی ہونا، بال غیر شرعی ہونا اور اس جیسے جزوی اور چھوٹے مسائل کو بنیاد بنا کر اجتماعی معاملات کے بارے میں فیصلہ کرنے کے عادی تھے۔

مولانا کی نفسیات کا اگر گذشتہ حالات کے تناظر میں تجزیہ کیا جائے تو یقیناً ان کی شخصیت میں یہ ایک کمی نمایاں محسوس ہوتی ہے کہ شروع میں وہ درس وتدریس کے ساتھ منسلک تھے، ایک دم اسے ترک کیا اور مناظرہ کے میدان میں زبردست انداز سے داخل ہوئے، بڑے معرکے سر کئے، سب فرقوں کے ساتھ دیوبندی مکتبہ فکر کی لڑائی لڑی، اور پھر یکایک مولانا مودودی کے مضامین پڑھتے ہی، مناظروں کو چھوڑ دیا اور جماعت اسلامی میں آگئے۔ اس کی بنیاد رکھ دی، اور پھر کچھ عرصہ خوب محنت کر کے اور کئی بڑے اکابر کو اس سے متعارف کروانے کے بعد خود نکل گئے اور پھر الفرقان میں قلمی جہاد میں شامل ہو گئے۔ مولانا نعمانی کی یہ بتدریج تبدیلی ذہن وعمل ان کی شخصیت میں عدم اعتماد یا استقامت کی کمی کو ظاہر کرتے ہیں، یا پھر شاید ان کی لحہ بہ لحہ تبدیل ہونے والی فطرت کا اظہار ہے۔ آئندہ صفحات میں ان کی شخصیت کے دیگر پہلو بھی اس کی غمازی کریں گے کہ مولانا نے اب تبلیغی جماعت میں شمولیت اختیار کرلی اور ساتھ ساتھ الفرقان میں کام کرتے رہے۔ تبلیغی جماعت میں ان کی شمولیت ان کی شخصیت کی ایک اور جست ہے جو انہوں نے دین کی محبت اور اس کے لئے کام کرنے کے لئے لگائی۔ ذیل میں ان کی تبلیغی جماعت میں شمولیت

اور ان کی مساعی کی تفصیل وتجزیہ پیش خدمت ہے۔

فصل چہارم: مولانا محمد منظور نعمانیؒ بحیثیت مبلغ اسلام۔

جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے سامنے اب کوئی جماعتی سیٹ اپ موجود نہ رہا تو ان کی طبیعت اس کی متلاشی رہی کہ اب کیسے دینی کام کو آگے بڑھایا جائے۔الفرقان میں تو کام ہو رہا تھا لیکن طبیعت مطمئن نہ تھی۔لہٰذا اس کے لئے سرگرداں رہے اور پھر مولانا محمد الیاسؒ دہلوی کی تبلیغی جماعت میں شامل ہوئے اور اس میں مسلسل تبلیغی کام کیا۔اس میں شامل ہونے کے بارے میں واقعات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اس عاجز نے جب مرشدنا حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ سے بیعت کی درخواست کی تو حضرت ممدوح نے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ یا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا لیکن جب میں نے اس کے بعد بھی اپنی گذارش اور درخواست پر نیازمندانہ اصرار کیا تو قبول فرما لیا۔اس کے دو چار دن بعد جب میں حضرت سے رخصت ہو کر جانے لگا تو بڑی شفقت کے ساتھ مجھے حضرت نے تاکید فرمائی کہ حضرت دہلوی کے ہاں زیادہ جایا کرو(حضرت رائے پوری قدس سرہ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کو''حضرت دہلوی'' کے ہی لفظ سے یاد فرمایا کرتے تھے) میں نے عرض کیا کہ میں حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا ہوں اور میرے دل میں الحمدللہ ان کی عظمت ہے لیکن مجھے حضرت مولانا کے ساتھ کوئی خاص مناسبت نہیں ہوسکی......میری زبان سے یہ سن کر حضرت رائے پوری نے ارشاد فرمایا''اللہ کا خاص تعلق بیک وقت بہت سے بندوں سے بھی ہوتا ہے لیکن خاص الخاص تعلق بس کسی کسی کے ساتھ ہوتا ہے۔فی الحقیقت تو اللہ ہی جانتا ہے کہ کس بندے کے ساتھ اس کا کیسا تعلق ہے لیکن میرا اپنا خیال ہے کہ اس وقت حضرت دہلوی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص تعلق ہے۔حضرت کی زبان سے یہ کلمات سن کر میں نے ارادہ کر لیا کہ حضرت مولانا الیاسؒ کی خدمت میں حاضری کا ان شاءاللہ اب زیادہ اہتمام کروں گا۔''(35)

مولانا نعمانیؒ نے مختلف اوقات میں مولانا محمد الیاسؒ سے ملاقاتیں کیں،ان کی تقریر وارشادات سے مستفید ہوئے،اوران کے کام کو دیکھا اور اس سے متاثر ہوئے۔اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''حضرت کے حال کے مطالعہ اور ارشادات سننے کا جو موقع ملا اس نے ذہن اور طرز فکر پر بہت گہرا اثر ڈالا اور پہلی دفعہ گویا آنکھوں سے دیکھا کہ''دل والوں''اور''دماغ

والوں'' میں کیا خاص فرق ہوتا ہے۔اس کے چند مہینے بعد حضرت مولانا نے ایک بڑی جماعت کے ساتھ لکھنؤ کا تبلیغی سفر فرمایا۔راقم کو اس کی بھی اطلاع دی گئی تھی۔مقررہ پروگرام کے حساب سے یہ عاجز بھی لکھنؤ پہنچ گیا۔دارالعلوم ندوۃ العلماء میں پوری جماعت کا قیام تھا۔اس جماعت میں مختلف مقامات و طبقات کے جہاں تک یاد ہے،قریباً اسی افراد تھے۔تبلیغی جماعت اور اس کے کام کو دیکھنے کا میرے لیئے یہ پہلا موقع تھا۔میں چاہتا تھا کہ کام کو تفصیل سے دیکھ کر اس کے طریقہ کار اور اصولوں کو سمجھ لوں...... جب میں لکھنؤ پہنچا اور حضرت مولانا سے پہلی ملاقات ہوئی اور میں نے عرض کر دیا کہ اس پورے سفر میں ان شاء اللہ ساتھ رہوں گا،تو ارشاد فرمایا! کہ تم بس میرے ساتھ رہو اور یہ شرط ہے کہ سات دن تک مجھ سے کوئی سوال نہ کرو،بس میری سنتے رہو اور جو کام ہو رہا ہے اسے دیکھتے رہو۔میں نے ایسا ہی کیا.....چار دن گذرنے پر میں نے اندازہ کیا کہ جماعت کے کام کو دیکھ کر اور حضرت مولانا کے ارشادات مسلسل سن کر تبلیغی جماعت کے کام اور طریقہ کو میں نے سمجھ لیا اور میرے ذہن میں جو سوالات اور اشکالات تھے ان سب کا جواب مجھے مل گیا۔''(36)

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

" ادعوالی سبیل ربک بالحکمة و الموعضة الحسنة و جادلهم بالتی هی احسن " (37)

اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ پند ونصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے مباحثہ کرو۔

قرآن حکیم کے اس ارشاد کی روشنی میں مولانا محمد منظور نعمانیؒ دعوت و تبلیغ و اصلاح کا کام مختلف ناموں اور طریقوں سے کرتے رہے تھے لیکن اب مولانا الیاسؒ کی بنائی ہوئی تبلیغی جماعت میں کام کے اس مخصوص سلسلے میں انہوں نے کئی تقاریر کیں۔ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی تبلیغی تقریریں۔

ا۔اصلی اسلامی زندگی اور اس کا مثالی نمونہ۔

''اسلام کسی ذات برادری کا نام نہیں ہے بلکہ زندگی گزارنے کے اس خاص طریقے کا نام اسلام ہے جو اپنے بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا ہے اور جس کی تعلیم ہر زمانے میں اس کے پیغمبروں نے اپنی اپنی قوموں اور امتوں کو دی تھی اور سب سے

آخری اور مکمل شکل میں اسی کی تعلیم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے دی۔ قرآن مجید اسی طریقۂ زندگی کا بنیادی دستور ہے۔ بہر حال اسلام کسی خاص قومیت کا نام نہیں ہے بلکہ جیسا کہ عرض کیا گیا کہ وہ ایک خاص طریقۂ زندگی کا نام ہے اور اسی طریقے کے اختیار کرنے والوں کا نام مسلم ہے۔ آپ اس کو یوں سمجھئے کہ مسلمان ہونا ایسا نہیں ہے جیسے شیخ، سید، مغل، یا پٹھان ہونا، شیخ یا سید یا مغل یا پٹھان ہونے کے لئے کوئی خاص علم و عمل یا زندگی کا کوئی خاص طریقہ اختیار کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ ہر وہ شخص سید یا شیخ کہلاتا ہے جو کسی سید یا شیخ کے گھر جنم لے لے۔ اسی طرح جو شخص کسی مغل خاندان یا پٹھان خاندان میں پیدا ہو جائے وہ آپ سے آپ باپ دادا کے مغل یا پٹھان ہونے کی وجہ سے مغل یا پٹھان کہلاتا ہے۔ لیکن مسلمان ہونے کے لئے یہ بالکل کافی نہیں ہے کہ کسی مسلمان خاندان میں آدمی پیدا ہو جائے بلکہ مسلمان صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے اس دین پر یعنی زندگی کے اس طریقے پر ایمان لائے جس کا نام اسلام ہے اور اسی کو اپنا دین اور اپنی زندگی کا طریقہ بنا لے۔ الغرض اسلام کوئی قومیت نہیں ہے بلکہ وہ انسانوں کے لئے زندگی گزارنے کا ایک خاص طریقہ ہے جس میں عقائد، عبادات، اخلاق و عادات اور معاشرت و معاملات غرض زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق احکام اور ہدایتیں ہیں۔

اسلام کی حقیقت سمجھنے کا ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تربیت سے صحابہ کرامؓ نے زندگی کا جو طریقہ سیکھا تھا اور وہ جس طرح زندگی گذارتے تھے بس اس کو دیکھ لیا جائے۔ ان کی زندگی قیامت تک کے لئے اسلام کا نمونہ اور معیار ہے۔ اسلام چونکہ ایک خاص قسم کی زندگی کا نام ہے اس لئے اس کو اسلام والوں کی زندگی ہی سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے اور اس کے لئے وہی نمونہ زیادہ قابل اعتبار ہو سکتا ہے جو خود حضور ﷺ کی تعلیم و تربیت سے تیار ہوا تھا۔

صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں آپ کو دو چیزیں ملیں گی۔ ایک ان میں سے بعض حضرات کے وہ خاص خاص کمالات جو بعض میں ہیں اور دوسروں میں نہیں ہیں۔ مثلاً حضرت ابو بکرؓ بعض ایسے کمالات کے حامل ہیں جو حضرت عمرؓ میں نہیں ہیں۔ اسی طرح حضرت عمرؓ میں بعض وہ کمالات ہیں جو ان کے علاوہ عام صحابہؓ میں نہیں ہیں۔ اس قسم کے شخصی اور انفرادی کمالات کو ہم عمومی اسلامی زندگی کا نمونہ اور معیار نہیں کہہ سکتے لیکن جو چیزیں

صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت میں مشترک ہیں جن سے ان کا کوئی فرد بھی خالی نہیں، نہ امیر نہ غریب، نہ مرد نہ عورت، نہ بوڑھا نہ جوان، نہ پڑھا نہ بے پڑھا، نہ عربی نہ عجمی، تو ان چیزوں کے متعلق کہا جائے گا کہ یہ اسلامی زندگی کے وہ اجزاء ہیں جن سے کسی مسلمان کو بھی خالی نہ ہونا چاہئے...... میں اس وقت آپ کے سامنے صحابہ کرامؓ کی زندگی کی چند وہی باتیں پیش کرنا چاہتا ہوں جو ان کی پوری جماعت میں عام طور سے پائی جاتی تھیں اور جن میں کسی بڑے چھوٹے کی کوئی خصوصیت نہیں تھی۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے جس چیز کا ذکر مناسب ہوگا وہ یہ ہے کہ ان سب حضرات کا ایمان حقیقی اور شعوری تھا یعنی وہ جانتے تھے کہ اللہ و رسول پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے اور اس کی کیا ذمہ داریاں ہیں۔؟ آج جو مسلمان قوم ہمارے سامنے ہے اس میں بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جنہوں نے زندگی بھر میں کبھی ایک دفعہ بھی نہیں سوچا ہوگا کہ ہمارے مسلمان ہونے کا کیا مطلب ہے، اور ایمان و اسلام کی کیا حقیقت ہے؟ بہت سے ایسے ہیں جو اسلامی کلمہ تک سے ناواقف ہیں۔ بہت سے ہیں جنہیں کلمہ کے الفاظ تو معلوم ہیں لیکن اس کے معنی و مطلب سے وہ آشنا نہیں ہیں۔ بہت سے ہیں جنہیں ایمان و اسلام کی ذمہ داریوں کا کوئی پتہ نہیں اور پتہ لگانے کی کوئی فکر نہیں ہے......لیکن صحابہ کرامؓ میں اس طرح کا ایک آدمی بلکہ کوئی بچہ بھی نہیں ملے گا۔ ان میں سے ہر فرد جانتا تھا اور خوب اچھی طرح جانتا تھا کہ میرے مومن و مسلم ہونے کا کیا مطلب ہے؟ ان میں سے جو شخص جس وقت اسلام کا کلمہ پڑھ کر اسلام میں آتا تھا وہ اسی وقت سے خوب سمجھتا تھا کہ میں نے لا الہٰ الا اللہ کہہ کر کس بات سے انکار کیا اور کس چیز کا عہد اور اقرار کیا، اور محمد رسول اللہ کہہ کر میں نے کیا فیصلہ کیا۔ ''(38)

۲۔ صحابہ کرامؓ کی صفات

''صحابہ کرامؓ میں یہ بات عام تھی کہ وہ سب ایمان و اسلام کی حقیقت جانتے تھے اور اس کی ذمہ داریوں کو سمجھتے تھے۔ اسی طرح دوسری بات ان میں یہ بھی عام تھی کہ ہر شخص اپنی ضرورت کے بقدر دین سیکھنا ضروری سمجھتا تھا اور اس پوری جماعت میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جس کو دین سیکھنے کی فکر نہ ہو اور جو دین کے ضروری احکام سے ناواقف ہو۔ تیسری چیز ان میں جو عام تھی وہ یہ تھی کہ ان میں سے ہر شخص دین کے متعلق جو کچھ جانتا تھا اس پر عمل کرنا چاہتا تھا بلکہ دین کا علم اس لئے حاصل کرتا تھا کہ اس کے مطابق

زندگی گذاری جاسکے۔آج کل کے نوے فی صد سے زیادہ مسلمانوں کی یہ جو حالت ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ نماز فرض ہے لیکن نہیں پڑھتے، جانتے ہیں کہ زکوٰۃ فرض ہے لیکن ادا نہیں کرتے، جانتے ہیں کہ جھوٹ حرام ہے لیکن اس سے بچنے کی کوشش نہیں کرتے......... صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت میں کوئی ایک شخص بھی اس طرح کا نہیں ملے گا جو دین کی باتیں اور دینی احکام جانتا ہو، مگر ان پر عمل کرنے کی کوشش نہ کرتا ہو، اور اپنی عملی زندگی میں اللہ کے ان احکام سے بے پرواہ ہو جن کو وہ جانتا ہے......... بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں احکام پر عمل تو وہ لوگ بھی کرتے تھے جو سچے مخلص مومن نہ تھے۔ جن کو قرآن شریف میں منافق کہا گیا ہے۔آپ میں سے جو حضرات زمانہ نبوی کے حالات سے واقف ہیں وہ جانتے ہوں گے کہ اس زمانہ میں منافقین بھی مسلمانوں کے ساتھ مسجد میں جماعت سے نماز پڑھتے تھے۔ زکوۃ بھی ان کو ادا کرنی پڑتی تھی اور مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں بھی وہ شریک رہتے تھے۔ کیونکہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی عام زندگی یہی تھی اور جو شخص اسلام کے ان مطالبات کو ادا نہ کرتا وہ ایمان والوں کی جماعت میں شمار نہیں ہوسکتا تھا...... الغرض صحابہ کرامؓ کی جماعت میں اور اس وقت کی اسلامی سوسائٹی میں اسلامی احکام پر عمل تو اتنا عام تھا کہ سچے اور مخلص مسلمانوں کے ساتھ ان منافقوں کو بھی عمل کرنا پڑتا تھا جن کے دلوں میں پورا ایمان بھی نہ تھا۔''(39)

۳۔انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور ہماری حالت۔

جو تقریر انہوں نے کراچی تبلیغی جماعت کے اجتماع میں کی، اس کے اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

''ہم آپ سب جانتے ہیں کہ انسان کو اس دنیا میں آنے سے پہلے کچھ مدت اپنی ماں کے پیٹ میں رہنا ہوتا ہے اور جب تک وہ ماں کے پیٹ میں رہتا ہے اسی کو وہ اپنی دنیا سمجھتا ہے۔ وہ بے چارہ اس وقت بالکل نہیں جانتا کہ اصل دنیا کوئی اور ہے جہاں مجھے جانا ہے بلکہ اگر کوئی ایسا آلہ ایجاد ہو جائے جس کے ذریعے پیٹ کے اندر کے بچہ سے بات کی جاسکے اور اس کے ذریعہ اس کو یہ بتلایا جائے کہ نادان بچے اصل دنیا اور ہے جو ابھی تو نے دیکھی ہی نہیں ہے اور تو عنقریب اس دنیا میں پہنچنے والا ہے اور وہ لاکھوں میل کی لمبی چوڑی دنیا ہے اور اس میں زمین و آسمان ہیں، سمندر ہیں، پہاڑ ہیں، کروڑوں بلکہ اربوں رہنے بسنے والے انسان ہیں، ریلیں دوڑ رہی ہیں، گاڑیاں چل

رہی ہیں، ہوائی جہاز اڑ رہے ہیں، روز سورج نکلتا ہے اور ڈوبتا ہے، موسم آتے ہیں اور جاتے ہیں .... الغرض کسی ذریعے سے ماں کے پیٹ میں قیام کرنے والے بچہ کو کوئی شخص یہ باتیں بتلائے تو نہ تو وہ ان باتوں کو سمجھ سکے گا اور اگر کسی طرح سمجھانے میں کامیابی حاصل کر لی جائے تو وہ ماننے پر تیار نہ ہوگا۔ اس کے نزدیک تو ساری دنیا بس اس کی ماں کا بالشت بھر سے بھی کم کا پیٹ ہے۔ اس کے سوا جو کچھ کوئی اسے بتلاتا ہے وہ اس کے مشاہدہ کے خلاف ہے۔ لیکن ہم آپ جب اس منزل کو طے کر کے یہاں اس دنیا میں آگئے اور ان سب چیزوں کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں تو یہ سب چیزیں ہمارے لئے یقینی اور بدیہی ہوگئیں بلکہ اب ہم نے اور آپ نے یہ بھی جان لیا کہ ماں کے پیٹ میں جو ہمارا قیام کچھ دنوں رہا وہ کوئی مستقل قیام نہ تھا بلکہ اس دنیا میں لانے کے لئے ہی ہمیں چند مہینے وہاں رکھا گیا تھا۔'' (40)

۴۔ انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت۔

''انبیاء علیہم السلام انسانوں کے لئے جو خاص الخاص اللہ کی معرفت اور اس کی توحید کے علاوہ لے کے آئے ہیں جس کے ماننے یا نہ ماننے پر انسانوں کی کامیابی یا نامرادی کا اور ان کی نجات یا ہلاکت کا دارومدار ہے، وہ یہ ہے کہ اس دنیا کے بعد انسانوں کو ایک اور عالم میں پہنچنا ہے اور وہ عالم اس دنیا کے مقابلے میں ہر حیثیت سے لاکھوں کروڑوں گنا اسی طرح بڑا ہوگا جس طرح ماں کے پیٹ کے مقابلے میں ہماری دنیا بڑی ہے اور وہی دراصل مستقل عالم ہے اور یہ دنیا اس کے مقابلہ میں اسی طرح عارضی ہے جس طرح اس دنیا کے مقابلے میں ماں کے پیٹ والا عالم عارضی تھا۔ پھر انبیاء علیہم السلام نے پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ یہ بھی بتلایا کہ جس طرح اس دنیا میں مصیبتیں اور راحتیں ہیں اور تکلیفیں اور لذتیں ہیں اسی طرح آخرت کے آنے والے عالم میں بھی یہ دونوں رخ ہیں، بلکہ اصلی تکلیفیں اور مصیبتیں اور اصلی لذتیں اور راحتیں وہیں ہیں۔ یہاں تو ہر چیز کا بہت ہی ناقص نمونہ ہے۔ مثلاً یہاں جو آگ ہے وہ دوزخ کی آگ اس کے مقابلہ میں ہزاروں لاکھوں گنا زیادہ گرمی والی اور جلن والی ہے، اور یہاں کی بھوک پیاس سے جو تکلیف ہوتی ہے آخرت میں اس سے ہزاروں گنا زیادہ تکلیف والی بھوک اور پیاس ہے، اور یہاں بچھو جیسے زہریلی جانوروں کے کاٹنے سے جیسی تکلیف ہوتی ہے دوزخ کے زہریلی جانوروں کے کاٹنے سے اس سے ہزاروں

لاکھوں گنا زیادہ تکلیف ہوگی۔اسی طرح یہاں کے کھانوں میں اور پھلوں میں جو لذت اور ذائقہ ہے جنت کے کھانوں اور پھلوں میں اس سے ہزار ہا درجہ زیادہ لذت اور ذائقہ ہے، اور یہاں بہتر سے بہتر جو خوشبوئیں ہیں وہاں ان سے ہزاروں درجہ زیادہ بہتر خوشبوئیں ہیں، اور یہاں جو حسن ہے اس سے لاکھوں درجہ زیادہ آخرت میں حسن ہے۔ پھر یہ کہ یہاں جو تکلیف یا مصیبت ہے اور جو لذت اور راحت ہے وہ عارضی اور فانی ہے اور آخرت میں ہر چیز مستقل، دائمی اور غیر فانی ہے......انبیاء علیہم السلام نے یہ بھی بتلایا کہ انسان کا اصل ٹھکانہ اور دائمی وطن آخرت ہے خواہ وہ دوزخ ہو یا جنت اور اللہ نے گویا اسے آخرت ہی کے لئے بنایا ہے اور اس دنیا میں چند سالوں کے لئے اس کو صرف اس لئے رکھا جاتا ہے کہ یہاں رہ کر آخرت کی تیاری کرے اور جنت یا دوزخ کے قابل بنے۔جس طرح ہر انسان چند مہینے اپنی ماں کے پیٹ میں صرف اس لئے رکھا جاتا ہے کہ وہ اس دنیا میں آنے کے قابل ہو سکے۔'' (41)

۵۔رسول اکرم ﷺ کی نبوت اور ان کی دعوت۔

''رسول اللہ ﷺ کو نبوت کے علاوہ چوں کہ خاتمیت کا مقام بھی عطا ہوا، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو قیامت تک پیدا ہونے والے سارے انسانوں کے لئے نبی قرار دیا۔اور نبی کے ذمہ ہے کہ جن کے لئے وہ نبی بنایا گیا ہے ان کی ہدایت کی فکر کرے، اور حضور کو عمر قیامت تک کی نہیں دی گئی اسلئے رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم سے اس کا انتظام یہ فرمایا کہ جن لوگوں نے آپ کی بات مان لی اور ایمان لا کے آپ کی پیروی قبول کر لی ان کو آپ نے اس پر آمادہ کیا اور ان کے ذمہ یہ کام کیا کہ جس طرح مجھ سے پہلے اللہ کے پیغمبر اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں کو دوزخ سے بچانے کی اور جنت کی طرف لانے کی کوششیں کرتے رہے ہیں اور جس طرح تم نے مجھے یہ کوشش کرتے دیکھا ہے اسی طرح تمہیں یہ کام کرنا ہے اور میری نیابت میں قیامت تک کرتے رہنا ہے..........صحابہ کرامؓ نے تو اس کام کا پورا پورا حق ادا کیا یعنی ایمان باللہ، ایمان بالیوم الآخرۃ کا پیغام پہنچایا اور جس ملک میں اور جس قوم میں جس طرح پہنچا سکتے تھے اس طرح پہنچایا اور حضور ﷺ کو اس راستہ میں اور اس کی کوششوں میں اپنی جان کو جس جس طرح بے قیمت کرتے ہوئے تکلیفیں اٹھاتے ہوئے انہوں نے دیکھا تھا، اسی طرح انہوں نے بھی اپنی جان کو بالکل بے قیمت کر دیا اور ہر قسم کی تکلیفوں اور مصیبتوں کے ساتھ یہ کام

کرتے ہوئے وہ اپنے اللہ سے جاملے .... پھران کی چمکتی ہوئی پاکیزہ زندگیوں نے اوران کی ان کوششوں اورقربانیوں نے ایک ایسی فضا پیدا کردی کہ قومیں کی قومیں اور ملک کے ملک رسول اللہ ﷺ کی ایمانی دعوت کوخود بخود قبول کرنے لگے اور آپ کی لائی ہوئی ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخرۃ والی زندگی کے اصول اور طریقہ کو اپنانے لگے۔ پھر بعد والے مسلمان جنہوں نے یہی فضا دیکھی اور جن کی آنکھوں نے دین کی دعوت اس طرح خود بخود چلتے ہوئے اور قوموں کواس کی طرف آپ سے آپ لپکتے ہوئے اور بڑھتے ہوئے دیکھا وہ اس مقصد کے لئے کوشش اور قربانی سے بےفکر ہو کر بیٹھ گئے .... ہاں کچھ خاص اللہ کے بندے تو ہر زمانہ اور ہر دور میں مختلف شکلوں میں دین کی خدمت اوراس کے لئے کوششیں کرتے رہے لیکن رسول اللہ ﷺ نے دین کی فکراور کوشش کو جس طرح امت پر ڈالا تھا اوراس کا جو عمومی نظام آپ نے قائم فرمایا تھا، صحابہ کرامؓ سے بعد کے دور میں وہ اس طرح قائم نہیں رہا۔ اس کی وجہ سے دو بہت بڑے نقصان ہوئے۔ ایک یہ کہ انسانی دنیا کی بہت بڑی آبادی حضور ﷺ کے لائے ہوئے اس ایمانی طریقۂ زندگی سے بالکل محروم رہ گئی اوراس کے نتیجہ میں آخرت کی زندگی میں وہ جنت سے محروم رہ جائے گی .... اور دوسرا نقصان یہ ہوا کہ خود امت کی تعلیم وتربیت اور دینی ترقی کی فکر اوراس کے لئے کوشش کا جو عمومی نظام رسول اللہ ﷺ نے قائم فرمایا تھا کہ ہر شخص دوسروں کی دینی خبر گیری کا اوران کے ایمان کی حفاظت اور ترقی کا ذمہ دار تھا، وہ درہم برہم ہوگیا اوراس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج خود مسلمان کہلانے والوں میں بہت بڑی تعداد اس حال میں ہے کہ اس کا اسلام بس برائے نام ہے۔ ان کی زندگی اللہ کے احکام سے اوراس کے رسول ﷺ کی لائی ہوئی ہدایت سے بالکل بے تعلق ہو چکی ہے۔'' (42)

۶۔ مسلمان کے معنی اور دنیا میں اس کا امتیاز۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے جمادی الاوّل ۶۹ھ کے پہلے ہفتے میں ایک تبلیغی اجتماع میں تقریر کی۔ جس کے اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

''اس دنیا میں حالات کے بدلنے سے بہت سے لفظوں کے معنی بھی بدل جاتے ہیں یعنی ایک زمانہ میں ایک لفظ کا مطلب کچھ سمجھا جاتا ہے اور دوسرے زمانہ میں حالات کے تبدیل ہو جانے سے اسی لفظ سے دوسرا مطلب سمجھا جانے لگتا ہے......... پہلے میری

اس بات کو آپ ایک معمولی سی مثال سے سمجھ لیجئے۔ اب سے دس بارہ سال پہلے ہمارے اس ملک میں چاندی کا روپیہ چلتا تھا۔ اس زمانہ میں جب روپیہ کا لفظ بولا جاتا تھا تو ہر سننے والے کا ذہن اس سے اسی چاندی والے روپیہ کی طرف جاتا تھا۔ گویا اس زمانہ میں روپیہ کے لفظ کے معنی چاندی کا وہ انگریزی سکہ تھا جو قریباً ۱۱۔۱۲ ماشہ کا ہوتا تھا۔ اور اس پر بادشاہ کی تصویر بنی ہوتی تھی۔ اب اس کے بجائے روپیہ ہی کے نام سے ایک اور سکہ چل رہا ہے جو چاندی سے نہیں بلکہ اور معمولی دھاتوں سے بنایا جاتا ہے۔ جس کو لوگ نکل کا روپیہ کہتے ہیں۔ اب روپے کے لفظ سے ہر سننے والے کا ذہن اسی سکہ کی طرف جاتا ہے گویا اب روپیہ کے معنی ہیں یہی نکل والا سکہ۔ بالکل اسی طرح سمجھ لیجئے کہ مومن اور مسلم کے لفظ کا حشر بھی یہی ہوا۔ اب سے قریباً ۱۴۔۱۵ سو برس پہلے ہماری یہ دنیا ایمان کی حقیقت سے اور مومنین کے وجود سے تقریباً خالی ہو چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت محمد ﷺ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا اور آپ کے ذمہ یہ کام کیا کہ دنیا کو آپ ایمان کی حقیقت بتائیں۔ اس کی طرف دعوت دیں اور مومنین کی جماعت بنائیں۔ چنانچہ آپ نے اس کے لئے جدوجہد کی اور چند روز میں ایمان اور اسلام والوں کی ایک جماعت پیدا ہوگئی۔ ان سب کی ایک خاص طرح کی زندگی تھی اور ان میں اور دنیا کے دوسرے لوگوں میں بعض نہایت گہرے اور بنیادی قسم کے فرق تھے.......... مثلاً ایک فرق یہ تھا کہ دنیا میں اس وقت عام طور سے لوگ اپنی خواہشات پر چلنے کے عادی تھے اور من مانی زندگی کا عام چلن تھا۔ لیکن یہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ کی ایمان واسلام کی دعوت کو قبول کر کے مومن و مسلم ہو گئے تھے، ان کا حال مختلف تھا۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ہم اب اپنے جی کی خواہشات پر نہیں چلیں گے اور من مانی زندگی نہیں گذاریں گے بلکہ اپنے پیدا کرنے والے کے جو احکام ہم کو اس کے رسول ﷺ سے معلوم ہوں گے ہم ان کے پابند ہو کر زندگی گزاریں گے اور وہ ایسا ہی کرتے تھے۔

اسی طرح ایک دوسرا فرق ان میں اور دنیا کے دوسرے لوگوں میں یہ تھا کہ اس وقت کی ساری دنیا میں صرف اسی دنیا کی ضرورتوں اور ترقیوں کے لئے جدوجہد کا عام رواج تھا اور مرنے کے بعد والی زندگی کی فکر سے لوگ عموماً غافل تھے اور اگر بعض لوگوں میں آخرت کی کچھ فکر بھی تھی تو وہ دنیا کی فکر کے مقابلہ میں روپیہ میں آنہ دو آنہ بھر بھی نہیں

تھی۔لیکن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو لوگ تھے جو اس وقت مومن و مسلم کہلاتے تھے،ان کا حال یہ تھا کہ وہ دنیا سے بیسوں پچاسوں گنا زیادہ آخرت کی فکر رکھتے تھے اور دنیا کے راحت و آرام کے لئے جتنا کچھ وہ کرتے تھے اس سے سینکڑوں گنا زیادہ آخرت کے چین و آرام کے لئے کرتے تھے۔وہ اپنی قابلیت اور محنت سے جو کچھ کماتے تھے اپنے ذاتی عیش پر خرچ کرنے کی بجائے اس کا زیادہ حصہ آخرت کے ثواب کی لالچ میں غریبوں محتاجوں پر خرچ کرتے تھے۔غلاموں کو خرید خرید کر کے آزاد کرتے تھے۔دوسرے قرضداروں کے قرضے ادا کرتے تھے اور اس کے علاوہ دین کی کوششوں اور دوسرے نیک کاموں میں خرچ کرتے تھے۔اسی طرح دنیا والے جب راتوں کو آرام سے سوتے تھے تو یہ اپنی آخرت کی فکر میں راتوں کو اٹھ اٹھ کر اللہ کی عبادت کرتے تھے۔اور زمین پر سر رکھے سجدوں میں روتے تھے۔بہر حال دوسرے انسانوں کے مقابلے میں ان مسلمان کہلانے والوں کا ایک خاص امتیاز بھی تھا کہ یہ دنیا کو بس ایک درمیان کی منزل اور سرائے فانی سمجھتے تھے۔اور اصل وطن اور مستقل ٹھکانہ آخرت ہی جانتے تھے۔اس لئے دنیا سے سیکڑوں گنا زیادہ ان کو آخرت کی فکر رہتی تھی اور یہ بات ان کی زندگی میں ہر دیکھنے والے کو بالکل صاف نظر آتی تھی۔

اس طرح کی دنیا سے نرالی ایک بات ان میں یہ بھی تھی کہ عام دنیا اپنے محسوسات ،مشاہدات اور تجربات پر ہی یقین رکھتی تھی اور آج بھی ساری دنیا کا حال یہی ہے کہ زندگی کی پوری بنیاد بس محسوسات و مشاہدات اور مادی اسباب و تجربات ہی پر قائم ہے۔لیکن وہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو قبول کر کے مومن بنے تھے ان کا یہ حال تھا کہ ان کو اپنے مشاہدات اور تجربات سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں، وعیدوں اور اس کی ان صفتوں پر یقین تھا جن کا علم ان کو رسول اللہ ﷺ کے بتلانے سے حاصل ہوا تھا۔''(43)

۷۔تعریفِ ایمان اور حصولِ ایمان۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے دعوت اصلاح و تبلیغ کے سلسلے میں ڈاکٹر عبدالحمید کی کوٹھی واقع نادان محل روڈ لکھنؤ کے وسیع میدان میں تقریر کی،جس کے اقتباس پیش خدمت ہیں۔

''اس وقت مسلمانان عالم کا مسئلہ یہ نہیں کہ انہیں اپنے دین میں کسی ترمیم یا نظر ثانی کی ضرورت ہے۔دین تو کامل و مکمل ہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی کسر باقی نہیں ہے۔خود

اس کے نازل کرنے والے علیم وخبیر کا ارشاد ہے **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی** اور وہ دین پوری طرح محفوظ بھی ہے۔ اس کا بنیادی دستور قرآن حکیم محفوظ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپ کا اسوہ حسنہ جو قرآن مجید کی گویا عملی تشریح ہے وہ بھی محفوظ ہے۔ بلکہ آپ کی دعوت پر لبیک کہنے والی اور براہ راست آپ سے تعلیم وتربیت حاصل کرنے والی پہلی جماعت یعنی صحابہ کرامؓ کا طرز عمل بھی محفوظ ہے۔ اس لئے اس کی طرف سے تو بالکل اطمینان ہے۔ البتہ مسئلہ ہے اس دین پر ایمان کی تجدید کا اور اس سے از سر نو وفادارانہ تعلق پیدا کرنے کا یعنی ہماری ضرورت نئے اور تروتازہ ایمان کی ہے نہ کہ نئے دین کی............اس نئے ایمان سے ہمارا مطلب کیا ہے اور اس کے پیدا کرنے اور حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے۔؟ اس سلسلہ میں پہلے ایک اصولی بات آپ یہ سمجھ لیجئے کہ یوں تو ایمان کے درجے گنتی میں اہل ایمان سے کم نہ ہوں گے یعنی جس طرح ہر شخص کو اللہ تعالی کی طرف سے ایک صورت ملی ہے جو دنیا کے کسی دوسرے آدمی سے پوری طرح نہیں ملتی، بلکہ کچھ نہ کچھ فرق ضرور رہتا ہے۔ اسی طرح ایمان والوں کا ایمان بھی بالکل ایک درجہ کا کبھی نہیں ہوتا۔ اس لئے ایمان کے اتنے ہی درجے ہیں جتنے دنیا میں ایمان والے ہیں لیکن اس کے باوجود ہم کہہ سکتے ہیں کہ اصولی طور پر ایمان کے دو درجے ہیں۔

ایک درجہ تو یہ ہے کہ آدمی اللہ ورسول کی تکذیب نہیں کرتا، بلکہ تصدیق کرتا ہے۔ انکار نہیں کرتا، بلکہ اقرار کرتا ہے اور اپنے آپ کو ایمان والوں کی جماعت میں سمجھتا ہے۔ لیکن اللہ ورسول ﷺ کی باتوں پر اسے ایسا یقین نہیں جیسا یقین اپنی دیکھی بھالی اور آزمائی ہوئی چیزوں پر آدمی کو ہوتا ہے اور اس لئے اللہ ورسول ﷺ کی بتلائی ہوئی باتوں کے یقین کا اثر اس کی زندگی میں ایسا نہیں ہوتا جیسا کہ ان یقینوں کا ہوتا ہے جو اس کو اپنی آنکھ، کان اور اپنے روزمرہ کے تجربہ سے حاصل ہوئے......آپ غور کریں جن چیزوں کا ہمیں اپنے مشاہدہ سے یا تجربہ سے یقین ہوگیا ہے ہماری زندگی اس یقین کی بالکل غلام ہے مثلاً ہمیں آگ کے متعلق یہ یقین ہوگیا ہے کہ وہ جلاتی ہے تو ہم آگ سے بچتے ہیں۔ پانی کے متعلق ہمیں یقین ہوگیا ہے کہ اس سے پیاس بجھتی ہے تو پیاس کے وقت ہم بے تابی سے پانی کی طرف دوڑتے ہیں۔ نوکری کرنے والے کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ مہینہ بھر کام کرنے کے بعد اس کو تنخواہ مل جائے گی۔ یہی یقین اس

سے مہینہ بھر محنت کراتا ہے۔ ریلوے سٹیشنوں کے قلی جن سے ہماری کوئی جان پہچان نہیں ہوتی، بس زبان سے ہمارے کہہ دینے سے ہمارا منوں سامان اپنے سر پر لاد لیتے ہیں صرف اس لئے روزمرہ کے تجربے سے انہیں اس کا یقین ہے کہ ہم ان کو مزدوری کے پیسے دے دیں گے..........بہر حال یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ آدمی کو اگر کسی بات کا پورا اور صحیح قسم کا یقین ہو تو اس کی زندگی میں اس کا اثر ضرور ہوگا..........تو جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ و رسول کی اور ان کی باتوں کی دل سے یا زبان سے تکذیب تو نہ کرتے بلکہ تصدیق کرتے ہوں، لیکن ان کی زندگی میں ان کی تصدیق کے آثار نظر نہ آئیں تو یہی سمجھا جائے گا کہ اللہ و رسول ﷺ کی باتوں کا اگرچہ وہ انکار نہیں کر رہے ہیں لیکن ان کے بارے میں ان کو ایسا یقین حاصل نہیں ہے جیسا کہ اپنی دیکھی بھالی اور اپنی آزمائی ہوئی چیزوں کا انہیں یقین ہے۔ الغرض ایک درجہ تو یہ ہے کہ اللہ و رسول کی باتوں پر آدمی کا ایمان اتنا کمزور اور اس قدر بے جان ہو کہ زندگی پر اس کا کوئی خاص اثر نہ ہو۔ نہ وہ اس سے بری عادتیں چھڑا سکے، نہ اللہ کے ان احکام پہ عمل کرا سکے، جو اس کی طبیعت اور اس کی نفسانی خواہشات کے خلاف ہوں، نہ اس سے کوئی محنت اور قربانی کرا سکے۔ پس ایک درجہ تو یہ ہے۔ جس کے متعلق میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ اس کو ایمان کا درجہ قرار دینے کا مطلب صرف یہ ہے کہ یہ کفر نہیں ہے، اور یہ حالت بھی بہر حال کفر سے یقیناً بہتر ہے۔

دوسرا درجہ ایمان کا یہ ہے کہ آدمی کا اللہ و رسول ﷺ کی باتوں پر، ان کے وعدوں اور ان کی وعیدوں پر ویسا ہی یا اس سے بھی بڑھ کر یقین ہو جیسا کہ ہم کو اپنی دیکھی بھالی اور اپنی آزمائی ہوئی چیزوں پر ہوتا ہے۔ پھر اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس یقین کے آثار زندگی کے ہر گوشہ میں نظر آئیں گے۔ اللہ و رسول ﷺ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہوگا، وہ آدمی ان کو کرے گا۔ جن کو چھوڑنے کا حکم دیا ہوگا ان سے بچے گا اور وہ دور دور رہے گا۔ اور اگر کبھی غلطی سے یا غفلت سے اللہ و رسول کے کسی حکم کی خلاف ورزی اس سے ہو جائے گی تو اس کے برے انجام کا خیال کر کے وہ اس سے فکر مند ہوگا اور جس طرح بھی اس سے بن پڑے گا اس کے داغ دھبے دھو ڈالنے کی کوشش کرے گا۔ بہر حال دوسرا درجہ ایمان کا یہ ہے۔ یہی دراصل حقیقی ایمان ہے، جس کا ہم سے اللہ و رسول نے مطالبہ کیا ہے اور اسی ایمان پر دنیا اور آخرت کی نعمتوں کے بڑے

بڑے وعدے کئے گئے ہیں۔

صحابہ کرامؓ کے دور میں ایمان کا یہ درجہ بالکل عام تھا یعنی ان میں اس ایمان کی صفت میں اگرچہ فرق مراتب تھا۔لیکن اتنی بات سب کو حاصل تھی کہ اللہ و رسول کی ہر بات پر ان کو اپنی دیکھی بھالی چیزوں کی طرح یا اس سے بھی زیادہ گہرا یقین تھا۔چنانچہ ایک تابعی کا ارشاد ہے.........کانھم رای عین۔یعنی صحابہ کرامؓ کو اللہ و رسول کی بتلائی ہوئی ان دیکھی حقیقتوں پر بالکل ایسا یقین تھا کہ گویا انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے.........ایک بزرگ ارشاد فرماتے ہیں کہ بعد والوں پر صحابہ کرامؓ کی فضیلت اور فوقیت نماز، روزہ وغیرہ عبادات کی کثرت کی وجہ سے نہیں ہے ''ولکنہ شئی وقرنی قلو بھم'' بلکہ ان کے دلوں میں یقین کی جو کیفیت پیدا ہوگئی تھی بس وہ ان کا امتیاز ہے۔''(44)

مذکورہ بالا تقاریر مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی علمی، فنی اور تقریری صلاحیتوں کی غماز ہیں، نیز ان کی اسلام سے لگن اور اخلاص کو بھی بدرجہ اتم واضح کرتی ہیں۔مولانا پورے صدق دل سے اسلامی تعلیمات اور دین کی تبلیغ کے لئے سرشار نظر آتے ہیں۔اب وہ سارا کا سارا عمل اور ساری جدوجہد کو تبلیغ کے اندر ہی منحصر کرتے نظر آتے ہیں۔یہ ان کی اس ذہنی تبدیلی کی بھی غماز ہے جو اسلامی نظام کے غلبے اور مسلمانوں کی آزادی کی جدوجہد والے سیاسی وتحریکی راستے کو چھوڑنے کے بعد پیدا ہوئی، یہ ذہنی تبدیلی میرے خیال میں ان کی اجتماعی سوچ سے واپسی کی نشاندہی کرتی ہے۔پہلے انہوں نے گروہی جدوجہد کو ترک کر کے اجتماعی جدوجہد کی طرف قدم بڑھائے لیکن اب صرف اصلاحی عمل سے جڑنے کے بعد یہ صورت سامنے آئی کہ اب وہ فقط زبانی تبلیغ و اصلاح کے عمل کے ساتھ ہی وابستہ رہنے والے ہیں۔بہر حال مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی یہ کاوشیں جو کہ اسلام ہی کی خدمت ہیں قابل تحسین ہیں، کہ انہوں نے کسی نہ کسی طرح اسلامی خدمت کے کام کو ترک نہیں کیا بلکہ کسی نہ کسی شکل اور طرز پہ اس کے ساتھ اپنے آپ کو جوڑے رکھا۔

آئندہ صفحات میں مولانا کی مناظرانہ خدمات کا تجزیہ کیا جائے گا۔اگرچہ کہ ترتیب کے لحاظ سے یہ مرحلہ پہلے آیا لیکن موضوع کی ترتیب کے اعتبار سے بعد میں لکھ دیا گیا ہے

فصل پنجم: مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی مناظرانہ خدمات۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی مناظرانہ خدمات پہ روشنی ڈالنے سے پہلے ضروری ہے کہ دارالعلوم دیوبند، جس سے مولانا کا علمی و عملی گہرا تعلق ہے، کی اس حوالے سے مساعی و کردار اور اس دور کے وہ حالات بھی بیان کر دیئے جائیں جن کے تحت دارالعلوم دیوبند نے عصری فتنوں اور ارتداد کی تحریکوں کے خلاف منظم انداز سے کام کیا۔اور پھر مولانا موصوف بھی

دارالعلوم کی طرف سے اپنی خدمات انجام دیتے رہے۔ ذیل کی تفصیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

ہندوستانی معاشرے کے حالات۔

''۲۰،۲۱،اور۱۹۲۲ءعیسوی میں تحریک خلافت اور کانگریس کے باہم دیگر تعاون اور اشتراک عمل سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں یک جہتی اور اتحاد و اتفاق کے تعلقات اس قدر مستحکم ہوگئے تھے کہ دونوں قومیں شیر وشکر بن گئی تھیں۔ ہندوؤں میں مسلمانوں کے ساتھ چھوت چھات برتنے میں بڑا تغیر رونما ہوگیا تھا کہ ہندو مسلمان کے ہاتھ سے شربت اور پان بے تکلف کھانے پینے لگے تھے۔ یہ ایسے حالات تھے جنہوں نے ہندوستان کے مستقبل میں برطانوی حکومت کے قیام کو دشوار بنا دیا تھا۔ انگریز نے حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے منافرت وتفریق کا اپنا پرانا نسخہ استعمال کیا۔ جو ہندوستان کی بدقسمتی سے نتیجتاً تیر بہدف ثابت ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۹۲۲ء میں وائسرائے نے ترک موالات کے ایک بڑے لیڈر سوامی شردھانند کو جو اس وقت جیل میں تھے، بلا کر گفتگو کے بعد جو " راز میں رہی، ان کو رہا کر دیا گیا۔ جیل سے نکلتے ہی سوامی شردھانند نے مسلمانوں کی شدھی کا کام شروع کر دیا۔ دوسری طرف ڈاکٹر مونجے نے سنگھٹن قائم کی جو خالص ہندوؤں کی جماعت تھی۔ لاہور کے اخبار ''کیسری'' نے آگرے کے ساڑھے چار لاکھ ملکانہ نومسلم راجپوتوں کو شدھی کر لینے کی طرف توجہ دلائی۔ آگرہ، متھرا، ایٹہ، اٹاوہ، کانپور، فرخ آباد، گوڑ گانوہ اور مین پوری وغیرہ کے اضلاع اس تحریک کے خاص مرکز تھے۔

اس نازک ترین موقع پر دارالعلوم نے وہی کیا جو ایک دینی اور مذہبی ادارے کے شایان شان تھا۔ اس نے اس سلسلے میں مدافعانہ اور جوابی کاروائی سے قبل آل انڈیا نیشنل کانگریس سے اخلاقی طور پر اپیل کی کہ وہ ان جارحانہ سرگرمیوں کو جو مسلمانوں اور ہندوؤں میں منافرت اور عداوت کے جذبات پرورش کر رہی ہیں، اپنے ہمہ گیر اثرات سے فی الفور بند کرادے۔ تجویز کے متن کا حاصل یہ تھا۔

''دارالعلوم کی یہ مجلس آل انڈیا کانگریس کمیٹی سے پرزور درخواست کرتی ہے کہ وہ ملک کے پرآشوب حالات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان تمام کاروائیوں کو جو ایک باقاعدہ معرکہ آرائی کی صورت میں ظاہر ہو کر مسلمان اور ہندو قوم کے جذبات منافرت و عداوت کے بھڑکانے اور مطلع آزادی کو تاریک بنانے کی موجب ہو رہی ہیں، عام ملکی

مفاد کی خاطر موقوف کرادے اور ملک کی سیاسی فضا کو جو بدقسمتی سے روز بروز مکدر ہوتی چلی جارہی ہے صاف اور پرامن بنانے کے لئے مبلغین کو جو ایک طرح کی مذہبی جنگ آزمائی میں منہمک ہیں واپس کرادے البتہ ایسی مذہبی تبلیغ جو بین الاقوامی رواداری کے ساتھ معقول اور ملائم طرز پر ہواس سے کوئی جماعت دوسری جماعت کو روکنے کا اختیار نہیں رکھتی۔

شنگھٹن کی نسبت یہ تجویز پیش کی گئی تھی:

چونکہ ہندو شنگھٹن کی تحریک کے بعض حلقوں میں صحیح یا غلط طور پر یہ معنی سمجھ لئے گئے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے مقابلے پر ایک طاقت ور نظام عمل بنایا گیا ہے جس کی غرض ہندوؤں کو مسلمانوں سے ٹکرانا ہے۔ اس خیال نے ملک کے امن وامان کو سخت مجروح و مخدوش بنایا ہے۔ اس لئے یہ مجلس تجویز کرتی ہے کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی ہندو مہاسبھا سے زور کے ساتھ درخواست کرے کہ وہ ان نازک اور پرخطر حالات کا اندازہ کرتے ہوئے جن سے ہمارا ملک گذر رہا ہے ہندو شنگھٹن کی موجودہ صورت کو ملتوی کر دے۔ جن سے مضر خطرات پیدا ہونے کا اندیشہ لگا رہتا ہے البتہ جس وقت ملک کی فضا درست اور حالات معتدل ہو جائیں، تب آل انڈیا کمیٹی سے درخواست کی جائے کہ وہ ہندو، مسلمان دونوں کی جسمانی قوت کو ترقی دینے کے لئے ایسی تدابیر کی تلقین کرے جن سے دونوں قومیں انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنے جسمانی قوئ کو عام کمزوری سے محفوظ رکھ سکیں۔ جو اس زمانے میں دونوں قوموں کے اکثر افراد میں کم وبیش مشاہدہ کی جارہی ہیں، تاکہ ملک ایسے فرزندوں کی خدمات بیش از بیش مقدار میں حاصل کر سکے اور شریف لوگ شریروں کے مقابلے میں اپنی جان ومال آبرو اور مذہب کو محفوظ رکھنے کے قابل ہوسکیں۔

اسے ملک کی بدقسمتی ہی کہا جاسکتا ہے کہ دارالعلوم کی جانب سے یک جہتی کی یہ مصالحانہ اپیل اس وقت صدا بصحرا ہو کر رہ گئی۔ ادھر دارالعلوم میں جب خطوط اور اخبارات کے ذریعے پے درپے آریہ سماج کی ناگوار فرقہ وارانہ سرگرمیوں اور مسلمانوں کے ارتداد کی خبریں موصول ہوئیں تو ۱۲ جمادی الاخریٰ کو دارالعلوم سے مبلغین کا ایک وفد روانہ کیا گیا۔ وفد کی رپورٹ سے معلوم ہوا کہ آریہ سماج کی تحریک نہایت منظم اور وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی ہے جس کے ازالے کے لئے مزید اور کافی مبلغین کی سخت ضرورت ہے۔

اس پر دارالعلوم کے اساتذہ اور طلبہ کے پے در پے متعدد وفد روانہ کئے گئے۔ آگرہ کو تبلیغی کاموں کا مرکز قرار دے کر علمائے دیو بند کا دفتر کھولا گیا۔ مولانا میرک شاہ صاحب مدرس دارالعلوم دفتر کے نگران بنائے گئے۔ موصوف جہاں ضرورت ہوتی مبلغین کو بھیجتے۔ بحمد للہ مبلغین کی ان تھک مساعی کا نتیجہ یہ نکلا کہ بے شمار مرتدین تائب ہوکر اسلام میں واپس ہو گئے۔ جن مقامات پر آریہ سماج کی تحریک جاری تھی وہاں کے مسلمان عموماً دین سے ناواقف اور سادہ لوح تھے، اس لئے آسانی سے مخالفین کا شکار ہو جاتے تھے۔ مبلغین نے وعظ و تبلیغ کے ذریعے ملکانہ راجپوتوں کو اسلام سے روشناس کرایا۔ ان کے لئے دینی تعلیم کا انتظام کیا اور جگہ جگہ مدارس کھولے گئے۔ اکثر مقامات پر آریہ مبلغین سے مناظرے ہوئے، جن میں بالعموم دارالعلوم کے مبلغ کامیاب رہے۔" (45)

مسلمان اداروں اور انجمنوں کی کوششیں۔

ایک قلم کار محبوب رضوی لکھتے ہیں۔

"اس میں کلام نہیں کہ اس نازک دور میں دارالعلوم کے علاوہ اور بھی اکثر اداروں اور انجمنوں نے تبلیغی مساعی میں بیش از بیش حصہ لیا۔ جمعیۃ علمائے ہند کی سرگرمیاں بھی اس میدان میں کچھ کم اہم نہیں تھیں۔ یہاں تک کے جب جمعیۃ العلماء نے بھی آگرہ میں اپنا تبلیغی دفتر کھول دیا تو دارالعلوم نے اجتماعی حیثیت کو برقرار رکھنے کی خاطر مناسب سمجھا کہ اپنے شعبہ تبلیغ کو جمعیۃ کے دفتر کے ساتھ ملحق کر دیا جائے۔ چنانچہ ربیع الاوّل ۱۳۴۲ھ سے اس پر عمل درآمد شروع کر دیا گیا۔ مگر عام مسلمانوں اور اخبارات نے دارالعلوم کی خدمات کا جس انداز میں اعتراف کیا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ دارالعلوم کی مساعی سب سے زیادہ وسیع، منظم اور وقیع تھیں۔ اخبار سیاست لاہور نے اپنی ۲۷ جون ۱۹۲۳ء کی اشاعت میں لکھا تھا کہ جہاں تک تحفظ دین، تردید مخالفین اور اصلاح المسلمین کا تعلق ہے دارالعلوم دیوبند کے مدرسین، مبلغین اور منتظمین کا حصہ سارے ہندوستان سے بڑھ چڑھ کر ہے۔" (46)

جناب محبوب رضوی مزید قمطراز ہیں۔

"آریہ سماج کا یہ حملہ اس قدر شدید تھا کہ اس کی مدافعت کے لئے صرف دفاعی انداز کافی نہ تھا۔ اس لئے اقدامی طریق کار کے طور پر مبلغین کو آریہ مذہب سے براہ راست

واقفیت پیدا کرانے کے لئے سنسکرت کا انتظام کیا گیا۔ مولوی ابو رحمت صاحب میرٹھی جو سنسکرت میں اچھی دست گاہ رکھتے تھے، ان کو مبلغین کی تعلیم کا کام سپرد کیا گیا۔ اس زمانے میں اتفاق سے ڈاکٹر غلام محمد صاحب نے بھی اپنی خدمات پیش کیں۔ موصوف آریہ سماج کے تبلیغی مشن کے زبردست رکن اور سنسکرت کے نامور فاضل تھے اور اسی زمانے میں اسلامی محاسن سے متاثر ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی توجہ اور محنت سے بہت تھوڑے عرصے میں دارالعلوم کے طلبہ میں ایسے مبلغین کی جماعت تیار ہوگئی جو فن مناظرہ کے ساتھ سنسکرت میں بھی کافی دخل رکھتی تھی اور مخالفین کے اعتراضات کا دندان شکن جواب دینے کے علاوہ ان کے مذہب پر براہ راست حملہ آور ہو کر خود ان کو ہی مدافعت پر مجبور کر دیتی تھی۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ زیادہ عرصہ نہ گذرنے پایا تھا کہ مخالفین کی سرگرمیاں سرد پڑگئیں اور آریہ سماج کے مشن نے ملک میں جو ناگوار فرقہ وارانہ مذہبی فضا پیدا کر دی تھی وہ ختم ہو کر حالات سابقہ معمول پہ لوٹ آئے۔'' (47)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ اپنی آپ بیتی میں مناظروں کے حالات و وجوہات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''یہ وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان میں اسلام کو چند شدید قسم کے فتنوں سے سابقہ تھا۔ جن میں سے بعض داخلی تھے اور بعض خارجی۔ خارجی فتنہ آریہ سماج کی شدھی سنگھٹن تحریک تھا۔ داخلی فتنوں میں ایک طرف قادیانیت کی یلغار تھی۔ ہر طرف اس کے مناظر اور مبلغ پھیل رہے تھے اور امت کے عقیدہ ختم نبوت کی جڑیں کھود دینا چاہتے تھے اور دوسری طرف بریلوی مکتب شرک و بدعت نے سر اٹھا رکھا تھا۔ خلافت اور ترک موالات کی تحریک جوان دنوں میں ملک اور ملت دونوں کے اندر فتنہ انگیز عناصر کے لئے سدراہ بنی تھی، اس کا زور ٹوٹتے ہی ان فتنوں نے سر اٹھا لیا۔ بریلوی مکتب خیال کو اس سلسلے میں ایک تازہ بتازہ فتنہ انگیز عنوان بھی ہاتھ آ گیا۔ اور وہ یہ کہ ترکی خلافت عثمانیہ کا حجازی گورنر شریف حسین جو برطانوی حکومت کے دام فریب میں آ کر حجاز کا خود مختار حاکم بن بیٹھا تھا، نجد کی سعودی حکومت کے سربراہ عبدالعزیز بن سعود نے اس کے ہاتھ سے حجاز مقدس چھین کر اپنے دائرہ حکومت میں شامل کر لیا تھا۔ اور پھر اپنے مسلک کے مطابق انہوں نے وہاں کے مزارات کے قبوں کو منہدم کیا جن کو وہ اسلامی نقطہ نظر سے منکر اور

واجب الازالہ سمجھتے تھے۔

بریلوی مکتب فکر کے نمائندوں نے حجاز پاک میں ہونے والے اس واقعے پر اپنے ردعمل کے اظہار میں علمائے دیو بند کو بھی نشانہ بنالیا جنہیں وہ سعودیوں کا ہم مذہب ٹھہرا کر ''وہابی'' ہی قرار دیتے تھے۔اور اس طرح توحید وسنت کے ان خادموں پر حملوں کا ایک سلسلہ قائم ہوگیا۔ ہمارا ضلع مرادآباد اس زمانے میں بریلوی فرقے کے مشہور زعیم ورہنما مولوی نعیم الدین صاحب کی وجہ سے اس فتنے کا خاص مرکز تھا۔گلی کوچے بلکہ گھر گھر یہی چرچا تھا۔اس فضا سے متاثر ہوکر اس عاجز نے بریلوی فتنے کے خلاف دیو بند کے زمانہ طالب علمی ہی سے تیاری شروع کردی تھی۔باقی دونوں فتنوں (قادیانیت اور آریہ سماجیت) سے مقابلے کا داعیہ اور اس کی صلاحیت بھی بفضل خدا اپنے اندر پائی تو تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ ہی ان سب کے خلاف محاذ آرائی میں حصہ لینا شروع کر دیا۔اور اللہ نے اپنے فضل وکرم سے ہر مقابلے میں کامیابی سے سرفراز ہی نہیں کیا بلکہ اس میدان میں جدو جہد کی جو توفیق اس نے عطا فرمائی تھی، اسے وقت کے معروف و مقبول بندوں کی نگاہ میں میرے لئے وسیلہ امتیاز واعزاز بھی بنادیا۔

یہ مقابلے اور مناظرے زیادہ تر بریلوی مسلک کے نمائندوں سے ہوئے۔اور ان کی روداد یں اسی زمانے میں شائع ہوگئیں تھیں۔مثلاً مناظرہ دروضلع نینی تال، (یو پی) مناظرہ سنبھل، مناظرہ گیا (بہار)، مناظرہ سلانوالی (پنجاب)، مناظرہ بریلی وغیرہ۔اس کے بعد درجہ آریہ سماجیوں سے مناظروں کا رہا۔اور پھر قادیانیوں سے ان میں سے جو مناظرے الفرقان کے اجراء کے بعد ہوئے، ان کی روداد یں الفرقان میں شائع ہوچکی ہیں۔

بریلوی مسلک کے لوگوں سے مناظروں کی نوبت جیسا کہ اشارہ کیا جاچکا ہے ان کے اس تکفیری فتنے کی وجہ سے آئی تھی جو انہوں نے اکابر علمائے دیو بند حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ مہاجر مکیؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ صاحب (رحمۃ اللہ علیہم) کے خلاف برپا کر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ ان صاحبان علم اور باخدا بزرگوں کو ایسا کافر قرار دیا گیا تھا کہ جو کوئی ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر۔یہ وہ حضرات تھے کہ جن کے دم سے اس ملک میں توحید وسنت کا فروغ اور شرک وبدعت کی بیخ کنی تھی۔'' (48)

مولانا موصوف نے اپنی زندگی میں جو مناظرے کئے ان کی تفصیلات ان کی اپنی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔

''پہلا مناظرہ

اس سلسلے کا پہلا مناظرہ ضلع نینی تال کی ایک چھوٹی بستی میں ہوا، جو درو کے نام سے یاد کی جاتی تھی۔ اس خاص بستی میں جو بالکل غیر معروف قسم کی تھی، مناظرہ کا سبب ایک خاص واقعہ تھا، اور اس واقعہ کا ذکر اس لئے مناسب ہوگا کہ اس سے اس افسوسناک فتنہ انگیزی کا اندازہ کیا جانا آسان ہے۔ جس سے ہمارے بریلوی مہربانوں نے سیدھے سادے مسلمانوں میں افتراق اور انتشار کی ایک آگ برپا کر رکھی تھی۔ واقعہ یہ تھا کہ ضلع نینی تال جو ہمارے ضلع مرادآباد سے تقریباً متصل ہی ہے، اس کی مشہور تجارتی بستی ہلدوانی منڈی میں حکیم محمد حنیف نامی ایک صحیح العقیدہ مسلمان ہوتے تھے۔ وہ علمائے دیوبند سے اعتقاد رکھتے تھے۔ ان حکیم صاحب کے ایک عزیز کی شادی درو نامی اس گاؤں میں ہوئی۔ یہاں کی عام مسلم آبادی بریلویت سے متاثر تھی۔ اس شادی کو علاقے کے بعض بریلوی مولویوں نے حکیم صاحب کے رشتے کی بنا پر اپنی اجارہ داری کے لئے شدید خطرہ محسوس کیا اور لڑکی کے گھرانے پہ دباؤ ڈالا کہ یہ شادی فسخ کی جائے، اس لئے کہ بدعقیدہ لوگوں میں ہوئی ہے۔ اس فتنہ انگیزی نے حکیم صاحب کو مجبور کیا کہ وہ اپنے بارے میں دیوبند کے تعلق سے بدعقیدگی کا الزام دور کرنے کے لئے ان فتنہ انگیزوں کو مجمع عام میں مناظرے کا چیلنج دیں۔

یہ مناظرہ محرم ۱۳۴۷ھ مطابق جولائی ۱۹۲۸ء میں ہوا، جبکہ میری عمر ۲۳ سال تھی۔ اس میں بریلوی جماعت کے مناظر مولوی رحم الٰہی صاحب تھے جو مولوی احمد رضا خاں صاحب کے مدرسہ منظر الاسلام بریلی میں شیخ الحدیث ہوتے تھے۔ مگر ابھی مناظرہ شروع نہیں ہوا تھا بلکہ علاقے کے رئیس اور مجسٹریٹ جناب ثروت یار خاں صاحب کی فرمائش پر نماز ظہر کے بعد فریقین کی طرف سے عام دینی قسم کی ایک ایک تقریر کا پروگرام ہی ہوا تھا۔ جس میں ہماری طرف سے مقرر میرے محترم ہم وطن دوست مولانا محمد اسماعیل صاحب سنبھلی تھے۔ اس کے بعد مناظرے کے شرائط وقواعد طے کرنے کی بات آئی۔ تب مولوی رحم الٰہی صاحب نے گریز کی راہ پکڑتے ہوئے فرمایا! کہ کسی مناظرے کی یہاں کیا ضرورت ہے؟ معلوم ہوگیا کہ یہاں کوئی نزاع نہیں ہے۔ سب ایک ہی خیال کے لوگ ہیں۔ مگر جناب ثروت یار خاں کی شخصیت کام آئی اور ان کے یہ

کہنے پر مولوی صاحب موصوف کو رکنا ہی پڑا کہ میں تو آج اسی لئے آیا ہوں کہ مجھ سے لوگوں نے کہا تھا کہ آج یہاں مناظرہ ہے۔ پس میں موجود ہوں تا کہ نقص امن کا خطرہ نہ رہے۔ غرض اس طرح سے مولوی صاحب بہ مجبوری مناظرے پر راضی ہوئے اور شرائط وقواعد مناظرہ نیز موضوعات مناظرہ طے ہونے کے بعد مناظرہ کا آغاز ہوا۔ موضوع مناظرہ چار بحثیں تھیں۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کی کتاب حفظ الایمان کی ایک عبارت جس پر کفر کا فتویٰ ان صاحبان نے لگا رکھا تھا۔ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی کتاب تحذیر الناس کی عبارت۔ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کی تالیف براہین قاطعہ کی عبارت۔ ان دونوں پر بھی کفر کے فتوے تھے۔ جن کے ذریعہ ناواقف مسلم عوام کو ان علمائے حق سے بیزار کیا جاتا تھا۔ چوتھا ایک موضوع مسئلہ علم غیب تھا۔ یعنی بریلوی مکتب فکر کا یہ عقیدہ کہ رسول اللہ ﷺ کو دنیا کی پیدائش سے لے کر قیامت تک ہونے والی ہر بات اور ہر شے کا علم دے دیا گیا تھا۔

لیکن جو شخص کسی کام کے لئے مارے باندھے تیار ہوا ہو وہ ظاہر ہے کہ کیسا ثابت ہو گا۔ مولوی صاحب موصوف کا یہی حال پورے مناظرے میں رہا اور ان کی تقریریں سن کر حیرت ہوتی تھی کہ اتنی لچر اور فضول دلیلوں کے ساتھ یہ لوگ کیسے ہر وقت عوام میں ایک ہنگامہ ان اکابر مسلمین کے خلاف اٹھائے رہتے ہیں۔ دو دن ان حضرات کے تکفیری الزامات پر بحث ہوتی رہی۔ تیسرا دن مسئلہ غیب کے لئے آیا اور مناظرہ شروع ہو گیا تو ہم لوگوں نے محسوس کیا، یہ ایک علمی مسئلہ ہے اس کی بحث سمجھنے کے لئے یہاں کے لوگ بالکل موزوں نہیں ہیں۔ لہٰذا تجویز یہ پیش کی گئی کہ اس بحث کا مقام بدل کر مرادآباد یا بریلی کر دیا جائے۔ مگر نہ صرف مرادآباد کے لئے بلکہ بریلی کے لئے بھی جو مولوی رحم الٰہی صاحب کا گڑھ اور مرکزی مقام تھا، وہ کسی طرح تیار نہ ہوئے۔ اس لئے پھر سنبھل کا نام ہماری طرف سے تجویز کیا گیا جس میں تمام انتظامات کی ذمہ داری اپنے اوپر لینے کے ساتھ مولوی صاحب موصوف کو سفر خرچ بھی دینے کی پیش کش کی گئی تھی۔ اس پر مولوی صاحب بالآخر راضی ہو گئے۔

سنبھل کا مناظرہ:۔

میرا قیام اس زمانے میں امروہہ میں تھا۔ سنبھل میں مناظرے کے انتظامات کے سلسلے

میں ضروری اطمینان حاصل کرنے کے بعد اگلے ہی مہینے (صفر ۴۷ھ) کے آغاز سے ہی اس مناظرے کے سلسلے میں تاریخ اور شرائط جیسی باتیں طے کرنے کے لئے اہل بریلی سے خط وکتابت شروع کر دی گئی۔ ایک رجسٹری انکاری واپس آنے کے بعد دوسری رجسٹری کا جواب ۲۲ صفر کو ان الفاظ میں ملا ''اب ہم بالکل تیار ہیں، اور آمد ورفت اور خورد ونوش کے خرچ کے منتظر ہیں لہذا جلد از جلد تاریخ مناظرہ اور مقام مناظرہ سنبھل میں کس جگہ ہوگا۔ اور شرائط مناظرہ مقرر فرما کر اور اس کے ساتھ آمد ورفت اور خورد ونوش کا خرچ نقد روانہ فرما دیجئے۔''

اس کے جواب میں فوراً ہی شرائط مناظرہ کی اپنی تجویز کے ساتھ لکھا گیا کہ ان شرائط کی بعینہ یا ترمیم وتنسیخ کے ساتھ منظوری آنے کے بعد تاریخ مناظرہ طے کر دی جائے گی۔ اور اس تاریخ سے ایک ہفتہ قبل زادراہ بھی حاضر خدمت ہو جائے گا۔ یہ رجسٹر وجواب ۲۶ صفر کو بھیجا گیا تھا کوئی جواب نہ آیا تو ۱۱ ربیع الاول کو تقاضے کی ایک رجسٹری اور بھیجی گئی اور اس کے جواب میں خاموشی رہی تو تیسری رجسٹری ۲۲ ربیع الاول کو حوالہ ڈاک ہوئی تب جا کر ۲۷ ربیع الاوّل کو جواب آیا۔

خط وکتابت کا یہ بیان مختصر کرتے ہوئے آخری بات یہ ہے کہ جب مناظرے کے لئے ۲۲ تا ۲۴ جمادی الاولی طے ہوگئی اور ادھر سے حسب وعدہ سفر خرچ کا منی آرڈر بھی چلا گیا تو بجائے کسی رسیدی جواب کے ایک اشتہار بعنوان ''کھلا خط'' ٹھیک ۲۱ جمادی الاولی کو موصول ہوا، جس کا مضمون یہ تھا۔

جناب مولوی منظور حسن صاحب خصوصاً وجمیع وہابیہ سنبھل عموماً درضلع نینی تال میں جو قرارداد ہو چکی تھی اس کے مطابق میں آپ سے مناظرے کے لئے تیار تھا اور ہوں لیکن معلوم ہوا کہ تلمیذ رشید عزیز سعید شیر بیشہ اہل سنت مولوی حشمت علی خاں صاحب لکھنوی کے مقابلے میں آپ کا سارا گروہ عاجز رہا۔ خدا اور رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عزیز موصوف کو آپ کے گروہ کے مقابلے میں پانچ روشن فتحیں اور آپ کے گروہ کو پانچ بار شرمناک شکستیں دیں۔ آپ اور آپ کا گروہ سب عزیز موصوف کے مقابلے سے عاجز آچکے۔ مناظرہ بحمد اللہ تعالیٰ اہل سنت کی فتح مبین اور وہابیہ کی شکست مہین پر ختم ہو چکا۔ لہذا وہ مناظرہ جو قرارداد ضلع نینی تال کے مطابق طے ہوا تھا ختم ہو چکا۔ کہ جو لوگ میرے تلمیذ سعید کے سامنے اپنا اسلام ثابت کرنے سے عاجز رہے وہ میرے سامنے ایک فرعی مسئلہ علم غیب میں لب کشائی کا کیا حق رکھتے ہیں؟ اب بھی اگر مناظرہ کرنا ہو تو اس کی ایک تحریر دو کہ ہمارا سارا گروہ مولوی حشمت علی صاحب کے

مقابلے سے عاجز رہا یا اپنے اکابر کو دیوبند و تھانہ بھون سے بلاؤ تا کہ ان کا عجز وفرار بھی ایسا ہی دکھا دیا جائے۔''

مولوی رحم الٰہی صاحب نے اس اشتہار عام کے ذریعہ اپنے نزدیک اس بات کا پکا انتظام کرلیا تھا کہ مناظرے سے جان چھوٹی، مگر اپنا جو عالم اس زمانے میں تھا اس میں اس کی کیا گنجائش تھی۔ موصوف کو ایک نوٹس جوابی تار برقی کے ذریعے ۲۲ تاریخ کو دیا گیا......فوراً آیئے۔ ہر قسم کی بہانہ بازی کو چھوڑ دیجئے ورنہ جملہ خرچ کے آپ ذمہ دار ہوں گے۔'' اس کے بعد موصوف کو چار ونا چار آنا پڑا۔ اگر چہ پھر بھی اتنی دیر ضرور لگا دی کہ ۲۴ تاریخ کو پہنچے جو کہ مناظرے کا آخری طے شدہ دن تھا اور نتیجتاً یہ مناظرہ اب ۲۴ تا ۲۶ ہوا۔ موصوف آ تو گئے مگر مناظرے کے لئے خود کھڑے ہونے کو کسی طرح تیار نہ ہوئے بلکہ اپنے ساتھ اپنے عزیز سعید، تلمیذ رشید مولوی حشمت علی صاحب کو لے آئے تھے، انہی کو اپنا وکیل بنا کے کھڑا کیا۔ اور ان ''عزیز سعید'' نے پورے دو دن تو ''سوال کچھ اور جواب کچھ'' کے میدان میں اپنی مہارت دکھانے کا وہ منظر پیش کیا کہ خود ان کی جماعت شرم سے پانی پانی ہونے لگی۔ مسئلہ زیر بحث رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کا تھا اور وہ اپنی جوابی تقریر میں بحث کا موضوع بنا ڈالتے تھے اکابر دیوبند کے اسلام اور کفر کو۔ موضوع بحث سے ان کے فرار کی یہ کیفیت دو دن میں اتنی روشن ہوگئی کہ بالآخر ان کی جماعت کے سرغنہ تاب نہ لا سکے اور انہیں مجبور کیا کہ موضوع پہ بات کریں۔ اور ان کے دعوائے علم غیب کے خلاف جو دلیل پر دلیل مسلسل پیش کی جارہی ہے اس کے جواب میں کچھ تو اپنی دلیل پبلک کے سامنے لائیں۔ اس کے نتیجے میں تیسرے دن انہیں بھی کچھ شرم آہی گئی اور کوشش شروع کی کہ دوسری طرف کی انکاری آیات واحادیث کے مقابلے میں کچھ ثبوت والی دلیلیں لائیں۔ تو اس میدان میں چونکہ ان کی گرہ بالکل خالی تھی ورنہ ان کے استاذ شیخ الحدیث مولوی رحم الٰہی صاحب اس مناظرے میں آنے سے بچنے کے لئے وہ سب کچھ کیوں کرتے، جس کی تفصیل اوپر آئی۔ اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی تائید ونصرت سے اس مناظرے کے آخری دن میں یہ بات بالکل ہی روشن ہوگئی کہ عالم الغیب والشہادہ صرف اسی کی ذات وحدہ لاشریک ہے اور کوئی بھی بندہ چاہے وہ نبی ورسول کے مرتبے کا ہو، بلکہ ان سب میں بھی اشرف وافضل کیوں نہ ہو، اس کے لئے علم غیب کا دعویٰ کرنا قطعی طور پر خلاف قرآن وحدیث ہے۔''(49)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے درو اور سنبھل کے مناظروں کی تفصیلی روداد ''صاعقہ آسمانی بر فرقہ رضا خانی'' کے نام سے چھپ چکی ہے۔ مولانا محمد منظور نعمانیؒ آریہ سماجیوں سے مناظرہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''آریہ سماج والوں سے پہلے مناظرے کی نوبت بریلی میں آئی۔ یہ دسمبر ۱۹۳۲ء کی بات ہے۔ میرا قیام تو اس وقت تک بریلی میں نہیں ہوا تھا لیکن وہاں کے مدرسہ مصباح العلوم میں میرے استاد حضرت مولانا کریم بخش صاحب کے صاحبزادے مولانا عبد الحق صاحب کا صدر مدرس کی حیثیت سے تقرر ہوگیا تھا۔ انہوں نے اس سال مجھے اپنے

مدرسے کے سالانہ جلسے میں تقریر کے لئے مدعو کیا۔ میری تقریر کا عنوان تھا حضرت محمد ﷺ کی صداقت اور قرآن مجید کا وحی الہیٰ ہونا۔ تقریر کے دوران میں ایک صاحب اعتراض کے لئے یا کہیے سوال کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ ان کے اعتراض نے یہ بتایا کہ یہ آریہ سماجی ہندو ہیں۔ میں نے ان سے کہا: کہ آپ میری تقریر کے بعد مجھ سے ملیں اور اپنی بات کہیں، تب میں جواب دوں گا۔ وہ بعد میں ملے اور اپنا نام ماسٹر بلدیو پرشاد سوزن بتایا اور مختصر گفتگو کے بعد انہوں نے مناظرہ کا چیلنج دیا۔ جس کے بارے میں شہر کے دو معزز مسلمانوں نے ان سے بات چیت کر کے میری منظوری سے چھ دن کا مناظرہ طے کیا۔ جس میں پہلے تین دن قرآن پاک کا وحی الہیٰ ہونا موضوع بحث ہو گا۔ اور دوسرے تین دن میں وید کے بارے میں یہی بحث ہوگی۔ مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد سے پہلے تین دن میں یہ صورت حال ہوئی کہ خود ماسٹر صاحب کی طرف سے صدر جلسہ کو، جو خود ہندو اور ایک کالج کے پرنسپل تھے، چوتھے دن ماسٹر صاحب پر رحم کھا کر یہ کہنا پڑا کہ مولانا صاحب آپ کا اور ماسٹر صاحب کا کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ اس لئے مناظرے کے مزید جاری رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں، مناسب ہے کہ اب ختم کر دیا جائے۔ اس طرح چوتھے دن ہی یہ مناظرہ خود ماسٹر صاحب کے اپنے صدر جلسہ کی فرمائش پہ ختم ہو گیا۔'' (50)

مولانا ضیاء الدین اصلاحی لکھتے ہیں۔

''مولانا نے تعلیم سے فراغت کے بعد چند برس تک عربی مدارس میں تدریس کی خدمت انجام دی۔ اس زمانے میں داخلی وخارجی فتنوں کا بڑا زور تھا۔ ان فتنوں سے اسلام کے عقیدہ توحید ورسالت کی بیخ کنی اور شرک وبدعت کے فروغ کے علاوہ علمائے دیوبند کی ذات ومسلک بھی مجروح ہو رہا تھا اس لئے مولانا طالب علمی ہی کے زمانے سے ان کی سرکوبی کی تیاری کرنے لگے تھے اور اب تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ ہی ان کے خلاف محاذ آرائی میں حصہ لینا شروع کیا۔ چنانچہ ان کی ابتدائی زندگی بعض فرقوں کے مقابلوں اور ان سے مناظروں کے لئے وقف رہی اور اس میں وہ بڑے کامیاب رہے۔'' (51)

مولانا اصلاحی مزید لکھتے ہیں۔

''کم لوگوں کو تحریر وتقریر دونوں پر قدرت ہوتی ہے مگر مولانا کو تقریر کی بھی اچھی مشق تھی

۔مناظروں میں ان کی کامیابی میں اس کو بھی بڑا دخل تھا۔تبلیغی جماعت کے اجتماعات اور دوسری ملی و دینی تحریکوں میں بھی وہ اپنی تقریروں کی اثر انگیزی اور دلپذیری کی بناء پر مدعو کئے جاتے تھے۔آخر میں وہ مختصر تقریریں کرنے کے عادی ہو گئے تھے۔''(52)

ایم۔ایچ فاروقی لکھتے ہیں۔

''اسلام پر قادیانیوں اور آریہ سماج کی یورش اور دیو بندی، بریلوی اختلافات نے نوجوان اور حال ہی میں فارغ ہوئے مولوی محمد منظور کی بہترین مناظرانہ صلاحیت کو اجاگر کر دیا۔ان مناظروں میں انہیں کامیابی بھی خوب ملی۔لیکن جلد ہی انہیں احساس ہو گیا کہ مناظروں کی افادیت عارضی اور محدود ہے اور اس کے نتیجے میں تنازعہ محض ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتا ہے۔''(53)

مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی لکھتے ہیں۔

''دین حق کی دعوت واشاعت کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔اسی جذبہ کی بنا پر انہوں نے مدرسہ کی یک گونہ یکسوزندگی کو خیر باد کہہ کر تقریر وتحریر اور بحث ومناظرہ کی وادئ ہنگامہ خیز میں قدم رکھا تھا۔اسی جذبۂ خیر سے مغلوب ہو کر ایک زمانہ میں وہ مولانا مودودی صاحب سے بھی متاثر ہو گئے اور یہ تأثر آہستہ آہستہ اتنا بڑھا کہ وہ نہ صرف ان کے ہم سفر بن گئے بلکہ ان کی جماعت اسلامی کی تشکیل وتنظیم میں بنیادی کردار ادا کیا''(54)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے مناظرہ سے متعلق مشاہدہ اور والد قاضی مظہر کی بریلویت اور قاضی مظہر صاحب کی دیوبند میں تعلیم وخلافت کا تذکرہ درج ذیل مکتوب میں ہوتا ہے۔جس میں سید ثناء اللہ فاضل نیلا گنبد جامع رحیمیہ لاہور نے مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی ندوی کے نام لکھا۔ملاحظہ فرمائیں۔

بخدمت جناب مولانا خلیل الرحمٰن صاحب سجاد نعمانی ندوی۔

السلام علیکم! کے بعد مزاج بخیر۔

آپ کے والد گرامی قدر حضرت علامہ محمد منظور صاحب نعمانیؒ کی وفات حسرت آیات کا پڑھ کر انتہائی افسوس ہوا۔آپ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔اللہ آپ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور آپ سب کو صبر جمیل کی توفیق دے آمین۔میں اپنا ذاتی مشاہدہ تحریر کر رہا ہوں جو میں نے زمانہ طالب علمی میں کیا، جو ان کے علم وفضل سے تعلق رکھتا ہے۔میں غالباً ۳۵۔۱۹۳۶ء میں جامعہ اچھرہ لاہور میں حضرت مولانا علامہ مہر محمد

صاحب مرحوم سے قاضی مبارک، امور عامہ، بیضاوی شریف پڑھا کرتا تھا۔ مسجد وزیر خاں لاہور میں دیوبندی اور بریلوی حضرات کے درمیان درج ذیل مسائل متنازعہ پر مناظرہ ہونا طے پایا۔ علم غیب، حاضر و ناظر، مختار کل۔ اجتماع تین دن ہوتا رہا لیکن افسوس کے علماء کرام کی باہمی شرائط طے نہ ہو سکیں اور کوئی نتیجہ خاطر خواہ بر آمد نہ ہوا۔ اس مناظرہ میں علمائے دیوبند کی طرف سے حضرت مولانا محمد منظور نعمانی اور مولانا ابوالوفا شاہ جانپوری تھے۔ ادھر بریلویوں کی طرف سے مولوی حشمت علی وغیرہ درجنوں آئے ہوئے تھے۔ گو میں اس وقت طالب علم تھا لیکن آپ کے والد محترم مرحوم ومغفور کی گفتگو سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ علم وعرفان کے پہاڑ ہیں اور جسم ظاہری علم پر ایک پردہ ڈالا گیا ہے۔ اگر مناظرہ ہو جاتا تو ہمیں یقین کامل تھا کہ بریلوی علماء کو ایسی عبرتناک شکست ہوتی جو تاریخ کے اوراق میں سنہری حروف سے لکھی جاتی۔

اس کے علاوہ میرا دوسرا مشاہدہ۔ سلانوالی ضلع سرگودھا میں جو مناظرہ مولوی حشمت علی بریلوی سے علم غیب پر ہوا۔

اس جلسہ کے صدر مولوی کرم دین صاحب دبیر رئیس اعظم آف بھین ضلع جہلم تھے۔ جنہوں نے آپ کی گفتگو کی سنجیدگی اور متانت کو دیکھا۔ ادھر مولوی حشمت علی بریلوی کی دشنام طرازی اور پھکڑ بازی کو بھی دیکھا، حالانکہ مولوی کرم دین صاحب ہمیشہ بریلوی علماء کی حمایت کرتے رہتے تھے اور خود بھی بڑے سخت بریلوی تھے۔ مگر اس مناظرہ میں نعمانی صاحب کی سنجیدگی اور حشمت علی صاحب کی پھکڑ بازی کو دیکھ کر بریلویت سے بھی متنفر ہوئے۔ آپ نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے رابطہ قائم کیا اور اپنے بیٹے قاضی مظہر حسین صاحب کو دیوبند میں داخلہ دلوایا۔ جہاں جا کر قاضی صاحب نے علم حاصل کیا اور بعد میں حضرت مدنی کے خلیفہ بنے۔ میں نے یہ مناظرہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اللہ آپ کے والد صاحب کے درجات بلند کرے۔ آمین۔

الراقم۔

سید ثناء اللہ فاضل نیلا گنبد، جامع رحیمیہ لاہور۔

خلفیہ مجاز حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری، صدر گوگیرہ، ضلع اوکاڑہ'' (55)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ لکھتے ہیں۔

''حضرت مولانا نے جس وقت بساط حیات پر قدم رکھا، اس وقت مختلف قسم کے فتنے اور

مختلف تحریکیں ابھر رہی تھیں۔ مسلمانوں کی طرف سے بھی اور غیر مسلموں کی طرف سے بھی۔ حضرت مرحوم نے ان تمام غلط تحریکات کا مقابلہ کرنے کے لئے کمر ہمت باندھی اور جس شخص کے بارے میں بھی ان کو کچھ توقع ہو سکتی تھی کہ وہ اس سلسلے میں کار آمد ہو گا اس کے ساتھ تعاون کیا۔ گویا وہ صرف مسجد و مدرسہ کے آدمی نہیں تھے، صرف ایک رسالہ کے مدیر اور ایڈیٹر نہیں تھے بلکہ زندگی میں تمام اٹھنے والے فتنوں پر ان کی نظر تھی، اور ان فتنوں کے مقابلے میں جو کچھ ان کے امکان میں تھا، انہوں نے کسر نہیں چھوڑی۔'' (56)

بدعات کے خلاف ان کی کوششوں کے بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے موصوف مزید رقمطراز ہیں۔

''انہوں نے شیخ امام العصر کشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ سے نہ صرف صحیح ذوق و مزاج پایا تھا، بلکہ فرق باطلہ کے رد میں ان کی طبیعت میں حمیت دینی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ چنانچہ قادیانیت اور دیگر فرق باطلہ کے مقابلہ میں شمشیر بے نیام تھے۔ ایک زمانہ میں اہل بدعت کی چیرہ دستیاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ ان کا زور توڑنے کے لئے حضرت مرحوم میدان میں آئے، اور ان کو ایسے دندان شکن جواب دیئے کہ ان کا وہ زور ٹوٹ گیا۔ ان کے یہ مناظرے مطبوعہ شکل میں موجود ہیں، اور لاہور کی انجمن اصلاح المسلمین نے ''فتوحات نعمانیہ'' کے نام سے ان کو شائع کر دیا، جو لائق دید ہے۔'' (57)

" مفتی جمیل احمد خان مرحوم لکھتے ہیں۔

''اپنے استاد محترم محدث العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے قادیانیت کے خلاف جہاد کا جذبہ آپ کو علمی وراثت کے طور پر ملا تھا۔ اس لئے اس موضوع پر بھی آپ نے بہت ہی اچھے انداز میں اپنے استاد محترم کے مشن پر قلم اٹھایا اور قادیانی کیوں مسلمان نہیں، قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ اور اسلام کے حدود اور قادیانیت، آپ کی وہ کتابیں ہیں جس کی وجہ سے قادیانیت کا راستہ روکنے اور مسلمانوں کو اس فتنہ سے آگاہ کرنا بہت آسان ہو گیا۔ تصوف کے میدان میں آپ حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائپوری کے فیض یافتہ صبر و شکر کے مثالی پیکر تھے۔'' (58)

خلاصہ کلام

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی مناظرانہ سرگرمیوں کا تجزیہ کرنے سے پہلے ہندوستان کے معاشرتی حالات کا جائزہ لیا جائے تو ان کی جدو جہد کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔

تاریخ بیان کرتی ہے کہ اس وقت ہندوستان میں انگریز نے ''لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی'' کے تحت پورے ہندوستان کو فرقوں میں تقسیم کر دیا تھا، اور قادیانیت تو خالصتاً تاج برطانیہ کی پیداوار تھی۔ لہذا انگریز کی کوشش یہ تھی کہ ہندوستانی قوم جو کہ صدیوں سے اخوت اور یکجہتی سے رہ رہی تھی، تمام مذاہب کے ماننے والے ایک دوسرے کے ساتھ شیر وشکر ہو کر رہ رہے تھے، ان کی اس یکجہتی کو ختم کیا جائے۔ لہذا انہوں نے تمام مذاہب کو ایک دوسرے سے لڑایا۔ ہندوؤں کو مسلمانوں کا مخالف بنایا اور مسلمانوں کو ہندوؤں کا۔ کیونکہ اس وقت ہندوستان میں یہ دو بڑے مذاہب کے ماننے والے تھے۔ اس طرح ہندو مسلم نفرت پیدا کی گئی اور اس کے ساتھ ساتھ مزید تقسیم کا عمل مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لئے کیا گیا۔ کیونکہ انگریز کو یہ خدشہ تھا کہ مسلمانوں نے ساڑھے آٹھ سو سال ہندوستان پہ حکومت کی ہے اور ان کے اندر یہ صلاحیت ہے کہ یہ دوبارہ بھی حکومت لے سکتے ہیں لہذا انہیں کسی طرح کمزور کیا جائے، تو اس نے مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی یہ تدبیر کی، کہ ان میں فرقے پیدا کیے۔ اس کے لئے علماء و مشائخ کو خریدا گیا، انہیں شیخ المشائخ، شمس العلماء کے خطابات دیئے گئے۔ ان کے وظیفے مقرر کئے گئے اور اس طرح با قاعدہ مکاتب فکر پیدا کئے گئے جن کی بنیادی فکر دوسرے مکتبہ کے ساتھ نفرت، تعصب اور اسے باطل قرار دینے پہ مشتمل تھی۔

دیوبند اور بریلی دو ایسے مراکز معرض وجود میں آ گئے جن کی تاریخ مناظروں سے بھری ہوئی ہے۔ دوسری طرف مزید ایسے ادارے بنے جو مزید مخالفت در مخالفت کا باعث بنے اور ایسے فکری انتشار میں مبتلا ہوئے کہ مسلمان جماعت کا شیرازہ بکھر گیا۔ آزادی کی جدوجہد ہو یا تقسیم کے حالات، مسلمان علماء اور اہل سیاست کسی بات پہ متفق نہ ہو سکے۔ فرقے، جماعتیں، مسالک، ہر ایک نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنالی اور اپنے آپ کو عقل کل، جماعت حقہ اور باقی سب کو فرق باطلہ اور فتنے سے تعبیر کر کے کیل کانٹے سے لیس ہو کر میدان مناظرہ اور تکفیر میں سرگرم ہو گئے۔

اور اپنے آپ کو مجاہد اسلام قرار دیا گیا اور اس ساری جدوجہد کو دو طرفہ جہاد افضل قرار دیا گیا۔ لیکن شعوری و غیر شعوری طور پہ انگریز کے اس مکارانہ ایجنڈے کو پروان چڑھایا گیا۔ انگریز چلا گیا لیکن وہ نفرت آج نصف صدی کے بعد بھی ہمارے معاشروں میں موجود ہے۔ مسجدیں محفوظ نہیں۔ ایک فرقہ دوسرے کو برداشت کرنے کے لئے تیار

نہیں۔لاکھوں انسان قتل ہو چکے ہیں۔بغض ،حسد،نفرت،تعصب مدارس میں سکھائے اور پڑھائے جاتے ہیں ۔مناظروں کی تربیت دی جاتی ہے اوراس طرح سے مختلف مکتبۂ فکر سے نکلنے والے علماء معاشرے کوتقسیم درتقسیم کرتے چلے جارہے ہیں۔انسانیت ،اخوت ،یکجہتی کا کوئی تصورنظرنہیں آتا۔خیر یہ تھا پس منظر۔اب مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی بحیثیت مناظر کاوشوں کا تذکرہ کچھ ان کی اپنی زبانی اور کچھ ان کے معتقدین ودیگراہل علم کی زبانی معلوم ہوا۔اس کا تجزیہ کرتے ہیں۔

مولانا نے اپنی زندگی میں سب سے زیادہ مطالعہ اس ضمن میں کیا۔انہیں مخالفین کی کتابوں پہ خاص درک حاصل تھا۔ ہرتازہ ترین کتاب ان کے زیرمطالعہ ہوتی،وہ اس کی روشنی میں خوب تیاری کرتے۔ان کے مدنظر یقیناً اسلام کی بقاءاور پھیلاؤ تھالہذا اسی نیت سے وہ مناظرانہ تقریریں کرتے اورطویل سفرکرتے۔مولانا کے نزدیک یہ سب فرقہ باطلہ تھےاور فتنے تھےلہذا ان فتنوں کی بیخ کنی ضروری تھی۔انہوں نے اپنے قلم اورتقریر کازبردست زور لگایا،اورخوب مخالفانہ فرقوں کی تکفیرکاجواب دیتے رہے اورانہیں غلط ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کازورلگاتے رہے۔لیکن ایک طویل دور کی جدوجہد کے بعدمولانا کو یہ اندازہ ہوگیا کہ اس طرح کا کام اسلام کی اجتماعی روح کو قائم نہیں کرسکتالہذاانہوں نے اسے ترک کردیا۔

مولانا محمد منظورنعمانیؒ کے جذبے اوران کے اخلاص پہ شک نہیں کیا جاسکتا لیکن جوکام انہوں نے کیااس کے یقیناً ثمرات سے فرقہ واریت اورمخاصمانہ فضا کوضرورتقویت ملی،جس کی سزاآج مملکت پاکستان بھگت رہاہے۔

﴾----☆----﴿

﴿حوالہ جات: باب سوم﴾

1۔ ماہنامہ بینات اشاعت خاص بیاد ختم نبوت مولانا محمد جمیل خان، نومبر ۲۰۰۵ تا فروری ۲۰۰۶ء، کراچی، فیروز ذکی مطبع ایجوکیشنل پریس، جلد نمبر ۶۸، شمارہ نمبر ۹ تا ۱۲، ص ۸۰۵۔

2۔ ایضاً

3۔ محمد منظور نعمانی، مولانا، (ترتیب: عتیق الرحمن نعمانی) تحدیث نعمت آپ بیتی، لاہور، قریشی پبلشرز، ۱۹۹۷ء، ص ۸۵ تا ۸۸

4۔ ایضاً، ص ۸۹ تا ۹۲

5۔ ایضاً، ص ۹۳ تا ۹۵

6۔ ایضاً، ص ۱۴۴ تا ۱۴۶

7۔ انوار الحسن، پروفیسر، انوار عثمانی، کراچی، مکتبہ اسلامیہ، ۱۹۹۶ء، ص ۱۴۶ تا ۱۵۵

8۔ تقی عثمانی، مولانا، نقوش رفتگان، کراچی، ادارۃ المعارف، ۱۹۹۸ء، ص ۳۹۸ تا ۴۰۴

9۔ ایضاً ص ۴۰۴ تا ۴۰۶

10۔ محمد یوسف، لدھیانوی، مولانا، مقالات یوسفی، شخصیات وتأثرات، کراچی، مکتبہ لدھیانوی، ۲۰۰۱ء، ص ۲۳۰ تا ۲۳۵

11۔ ایضاً، ص ۲۳۵ تا ۲۳۸

12۔ ایضاً، ص ۲۳۸ تا ۲۴۰

13۔ ایضاً، ص ۲۴۱ تا ۲۴۲

14۔ ایضاً، ص ۲۵۱ تا ۲۵۳

15۔ ایضاً، ص ۲۵۳ تا ۲۵۸

16۔ ایضاً، ص ۲۵۸ تا ۲۶۳

17۔ ماہنامہ الفرقان لکھنو، اشاعت خاص (بیاد مولانا محمد منظور نعمانی)، اپریل ۱۹۹۸ء تا اگست ۱۹۹۸ء، ص ۲۴۶

18۔ ایضاً، ص ۱۷۸

19۔ ماہنامہ حق چار یار، مارچ اپریل ۲۰۰۵ء، بیاد مولانا قاضی مظہر حسین، مرتب حافظ زاہد حسین، لاہور، ص ۱۳۶۸ تا ۱۳۶۹

20۔ البلاغ، مفتی اعظم نمبر، مرتبہ محمد تقی عثمانی، مکتبہ دارالعلوم کراچی، جمادی الثانیہ تا شعبان ۱۳۹۹ھ، جلد ۱۳، شمارہ نمبر ۶، ۷، ۸، ص ۱۲۶۰ تا ۱۲۶۱

21۔ ماہنامہ الفرقان لکھنو، اشاعت خاص (بیاد مولانا محمد منظور نعمانی)، محولہ بالا، ص ۶۲۲ تا ۶۲۳

22۔ ایضاً، ص ۶۲۳

23۔ مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگذشت، ص ۶۹

24۔ ایضاً، ص ۹۳ تا ۹۴

25۔ ماہنامہ الفرقان لکھنو، اشاعت خاص (بیاد مولانا محمد منظور نعمانی)، محولہ بالا، ص ۶۲ تا ۶۳

26۔ ایضاً، ص ۶۳ تا ۶۶

27۔ محمد منظور نعمانی، مولانا، (ترتیب: عتیق الرحمن نعمانی) تحدیث نعمت آپ بیتی، محولہ بالا، ص ۷۸ تا ۸۰

28۔ ایضاً، ص ۸۰

29۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، روداد جماعت اسلامی، پٹھان کوٹ، ترجمان القرآن، ۱۳۴۱ھ، ص ۴۴ تا ۴۶

30۔ سید فرید الوحیدی، مولانا، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، لاہور، مکتبہ محمودیہ، ۱۹۹۵ء، ص ۲۷

31۔ یوسف لدھیانوی، مولانا، مقالات یوسفی شخصیات وتاثرات، محولہ بالا، ص ۲۲۷

32۔ سید فرید الوحیدی، مولانا، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، محولہ بالا، ص ۲۵

33۔ ایضاً، ص ۲۶

34۔ ماہنامہ الفرقان لکھنو، اشاعت خاص (بیاد مولانا محمد منظور نعمانی)، محولہ بالا، ص ۶۲۴ تا ۶۲۵

35۔ محمد منظور نعمانی، مولانا، (ترتیب: عتیق الرحمن نعمانی) تحدیث نعمت آپ بیتی، محولہ بالا، ص ۲۰۸ تا ۲۰۹

36۔ ایضاً، ص ۲۱۲ تا ۲۱۳

37۔ القرآن، ۱۶:۱۲۵

38۔ مجموعہ رسائل، تبلیغی تقریریں، مجلس علمی، ص ۲۴ تا ۲۷ س۔ن

39۔ ایضاً، ص ۲۹ تا ۳۰

40۔ ایضاً، ص ۱۶۱ تا ۱۶۲

41۔ ایضاً، ص ۱۶۲ تا ۱۶۴

42۔ ایضاً، ص ۱۶۸ تا ۱۷۰

43۔ ایضاً، ص ۵۱ تا ۵۴

44۔ ایضاً، ص ۱۹۳ تا ۱۹۷

45۔ ماہنامہ الرشید، ساہیوال، تاریخ دار العلوم دیوبند، محبوب رضوی، ص ۹۴

46۔ ایضاً، ص ۹۵

47۔ ایضاً، ص ۹۵

48۔ محمد منظور نعمانی، مولانا، (ترتیب: عتیق الرحمٰن نعمانی) تحدیث نعمت آپ بیتی، محولہ بالا، ص ۳۷ تا ۳۹

49۔ ایضاً، ص ۴۰ تا ۴۸

50۔ ایضاً، ص ۴۷ تا ۴۸

51۔ ماہنامہ الفرقان لکھنو، اشاعت خاص (بیاد مولانا محمد منظور نعمانی)، محولہ بالا، ص ۳۴

52۔ ایضاً، ص ۳۷

53۔ ایضاً، ص ۵۶

54۔ ایضاً، ص ۴۴ تا ۴۵

55۔ ایضاً، ص ۲۶۱ تا ۲۶۲

56۔ یوسف لدھیانوی، مولانا، مقالات یوسفی شخصیات وتاثرات، محولہ بالا، ص ۲۲۷

57۔ ایضاً، ص ۲۲۶

58۔ ماہنامہ بینات اشاعت خاص بیاد ختم نبوت مولانا محمد جمیل خان، محولہ بالا، جلد نمبر ۶۸، شمارہ نمبر ۹ تا ۱۲، ص ۸۰۶

باب چہارم مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی تصنیفی خدمات

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی عملی زندگی کی جدوجہد کے حوالے سے گذشتہ ابواب میں مختلف پہلوؤں سے تذکرہ وتجزیہ سامنے آیا۔انہوں نے جہاں تدریس،تقریر ودیگر تنظیمی وتحریکی طرز عمل سے دینی دعوت وتبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا وہاں ان کا سب سے اہم ترین کام تصنیف وتالیف ہے۔انہوں نے کئی کتابیں ورسالے لکھے،خود انہوں نے ایک رسالہ الفرقان کے نام سے جاری کیا اور سینکڑوں مضامین لکھے،انہوں نے مختلف میدانوں میں قلم کے جوہر دکھائے۔حدیث،فقہ،تفسیر،اصلاحیات وغیرہ غرضیکہ ہر شعبے میں انہوں نے جدوجہد کی۔ان کی کتابیں عوام وخواص میں مقبول ہیں۔مولانا ضیاء الدین اصلاحی ان کی اس صلاحیت کا برملا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''تبلیغی ودعوتی اسفار اور الفرقان کی ادارت کے ساتھ ساتھ مولانا ہمیشہ تصنیف وتالیف میں بھی مشغول رہتے جس کا انہیں اچھا ذوق،خاص سلیقہ اور خداداد ملکہ تھا وہ اردو کے بہت اچھے اہل قلم تھے۔ان کی تحریریں نہایت سلیس،شگفتہ اور رواں ہوتی تھیں۔جن کی زبان آسان اور بڑی عام فہم ہوتی اور پیش کرنے کا انداز اتنا مئوثر اور دل نشیں ہوتا تھا کہ عام آدمی کو بھی ان کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی۔اور جس موضوع پہ بھی قلم اٹھاتے تھے اس پر ان کی مکمل گرفت ہوتی تھی اس لئے اپنے مدعا ومقصود کو کسی انچ پیچ کے بغیر اچھی طرح واضح کردیتے تھے۔مولانا کی چھوٹی بڑی درجنوں تصنیفات ہیں اور وہ سب اس قدر مقبول ہوئیں کہ ان کے درجنوں ایڈیشن بھی نکلے اور ملک کی مختلف زبانوں کے علاوہ انگریزی اور عربی وغیرہ میں ترجمے بھی ہوئے۔'' (1)

مفتی جمیل مرحوم،مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی تصنیفی خدمات وصلاحیتوں کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

'' تالیف کے میدان میں رب کائنات نے آپ کو خصوصی قبولیت کا درجہ عطا فرمایا۔عام فہم زبان میں علمی مسائل کو امت کے سامنے پیش کیا کہ بڑے بڑے شبہات دور ہو گئے۔اسلام کیا ہے؟ آپ کی وہ عظیم تالیف ہے جس نے اتنی مقبولیت حاصل کی کہ دنیا کی اکثر زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے۔اس کتاب کو خالی الذہن سے پڑھنے والا شخص اسلام کی حقانیت کی تصدیق کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کے دور میں اس کتاب نے پوری دنیا کے سامنے اسلام کی اصل تصویر پیش کی۔معارف

الحدیث کے عنوان سے آپ کے حدیث سے متعلق سلسلے نے جواب کتابی شکل میں کئی جلدوں پر مشتمل ہے علمائے کرام کے حلقے میں ایسی مقبولیت حاصل کی کہ کوئی عالم دین اس سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔انگریزی اور ہندی زبان میں اس کے تراجم نے یورپ اور امریکا کے مسلمانوں کی بہت زیادہ رہنمائی کی ہے،اس کے علاوہ دین وشریعت،قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟ تذکرہ مجدد الف ثانی،ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ،تصوف کیا ہے؟نماز کی حقیقت،نماز اور خطبہ کی زبان،آپ حج کیسے کریں؟ آسان حج،منتخب تقریریں،میری طالب علمی،آپ کون ہیں اورآپ کی منزل کیا ہے؟ قرب الہیٰ کے دو راستے،قرآن و حدیث کی سو دعائیں،انسانیت زندہ ہے،شاہ اسماعیل شہید اور معاندین اہل بدعت،فیصلہ کن مناظرہ،کلمہ طیبہ کی حقیقت،برکات رمضان،تاریخ میلاد،عقیدہ علم غیب،مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سر گذشت تبلیغی جماعت،جماعت اسلامی اور بریلوی حضرات،مسئلہ حیات النبی ﷺ کی حقیقت،ایرانی انقلاب،امام خمینی اورشیعیت۔آپ کی قابل قدر تصانیف ہیں،جس کی ضرورت ہر اہل علم محسوس کرتا ہے۔''(2)

آئندہ صفحات میں مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی تصانیف کے حوالے سے تفصیلات وتجزیہ ملاحظہ فرمائیں۔

فصل اول مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا مختلف شعبوں میں تصنیفی کام

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی حدیث کے علاوہ تفسیر وفقہ پہ بھی کم نظر نہ تھی۔اگرچہ تفسیر وفقہ کو مستقل موضوع بنا کر انہوں نے کوئی محنت نہ کی تھی سوائے عمومی مطالعہ کے جوان کی زندگی کا جز تھا۔ایک مرتبہ اظہار افسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ

''اصول تفسیر میں اسلامی مکتبہ میں بڑا خلا ہے۔چند نقوش اولیں قسم کی چیزوں کے علاوہ اس موضوع پر کوئی چیز نہیں ملتی اسباب نزول کے سلسلہ میں وہ شاہ ولی اللہ کے نقطہ نظر کے مداح تھے۔نیز نسخ کے بارے میں ان کی رائے تھی کہ شاہ صاحب کی بیان کردہ آیات کی تعیین وتعداد میں کوئی اختلاف ہوسکتا ہے۔البتہ شاہ صاحب نے جو نقطہ نظر حقیقت نسخ اور مفسرین کے یہاں اس کے استعمال کے متعلق پیش کیا وہ بہت تحقیقی ہے۔''(3)

مولانا ضیاء الدین اصلاحی لکھتے ہیں۔

''مولانا کا شمار اس عہد کے ممتاز اور صف اول کے علماء میں ہوتا تھا دینی علوم میں ان کو بڑا رسوخ اور پختگی حاصل تھی۔تفسیر،فقہ،کلام اور کتب معقولات پر ان کی وسیع اور گہری نظر تھی،لیکن حدیث سے ان کو زیادہ شغف اور مناسبت تھی جس کی تحصیل ہندوستان کے مشہور اور نابغہ روزگار محدث مولانا محمد انور شاہ کشمیری سے کی تھی اور کئی برس تک خود بھی دارالعلوم ندوۃ العلماء میں حدیث کا درس دیا،ان کی کتاب معارف الحدیث بھی حدیث میں ان کی ژرف نگاہی کا ثبوت ہے'' (4)

''فن حدیث پر مولانا کی ایک درسی کتاب الفیۃ الحدیث بھی ہے جو دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ اور وہاں کے سابق مہتمم حضرت قاری طیب صاحب کی فرمائش پر لکھی گئی تھی۔جس میں ایک ہزار حدیثیں جمع کی گئی ہیں اسی لئے اس کا نام الفیۃ الحدیث ہے اس میں بھی احادیث کے انتخاب اور ان کی ترتیب سے فن حدیث میں مولانا کے غیر معمولی مقام اور مسلکی رواداری کے رویئے کا صاف اظہار ہوتا ہے۔یہ کتاب دارالعلوم دیوبند اور اس نہج کے بہت سے مدارس میں شامل درس اور مشکوٰۃ المصابیح سے پہلے پڑھائی جاتی ہے۔'' (5)

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ان کی حدیث کے حوالے سے تصنیفی کام پہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''علمی لائن میں ان کا ایک عظیم الشان کارنامہ ''معارف الحدیث'' ہے جس کی سات جلدیں خود ان کی زندگی میں شائع ہو چکیں۔احادیث کا انتخاب اور ان احادیث کی عام فہم تشریح یہ اس کتاب کی نمایاں خصوصیت ہے۔جب کوئی شخص اس ناکارہ سے تفسیر کی کتاب کے بارے میں مشورہ کرتا ہے تو اسے حضرت مفتی محمد شفیعؒ صاحب کی تفسیر ''معارف القران'' کا حوالہ دیتا ہوں اور جب کوئی حدیث کی کتاب کے بارے میں مشورہ کرتا ہے تو اسے حضرت مولانا مرحوم کی کتاب ''معارف الحدیث'' کا مشورہ دیتا ہوں اردو کے علاوہ انگریزی اور دوسری بعض زبانوں میں بھی اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

ان کی قریباً ایک صد کتابوں میں سے ''اسلام کیا ہے'' اور ''دین وشریعت'' مجھے بہت ہی پسند ہیں۔جن کا اردو کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔اور اکثر امریکی اور دوسرے مغربی ممالک کے نوجوانوں کو اس کے پڑھنے کا مشورہ دیتا

ہوں، بلکہ بعض کو خرید کر دیتا ہوں، حق تعالیٰ شانہ کے رحم وکرم اور فضل ومن سے امید ہے کہ حضرت مولانا کی یہ تمام کتابیں ان کے لئے صدقہ جاریہ ہوں گی۔''(6)

مولانا ضیاء الدین اصلاحی معارف الحدیث پہ اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''(معارف الحدیث) یہ مولانا کی سب سے اہم اور مفید کتاب ہے جو اردو کی علمی و حدیثی ذخیرہ میں ایک بہت قیمتی اضافہ ہے اس کو بڑی شہرت وقبولیت نصیب ہوئی اس کی سات جلدیں خود مولانا نے مرتب کر کے شائع کی ہیں۔ آٹھویں جلد ان کے برادر زادہ مولوی زکریا استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو مرتب کر چکے ہیں۔ یہ کتاب دور حاضر کے خاص حالات اور ایک عام پڑھے لکھے شخص کی ضرورت کو مدنظر رکھ کر لکھی گئی ہے، یہ دراصل حدیث نبوی کے ضخیم دفتر سے ایک انتخاب ہے جو ترجمے کے ساتھ ایسی سادہ اور مختصر تشریح پر مبنی ہے جس سے حدیث کا اصل مغز و مدعا اچھی طرح ذہن نشیں ہو جاتا ہے اور یہ کتاب انسان کی عملی و روحانی ترقی و اصلاح کا ذریعہ بن گئی ہے، گو اس میں فنی مسائل اور مہمات امور سے براہ راست تعرض نہیں کیا گیا ہے، تاہم اس سے احادیث کی بہت سی علمی وفنی گرہیں صاف طور پر حل ہو گئی ہیں، حدیثوں کے فقہی پہلو اور فقہاء کے اختلافات کا تذکرہ بقدر ضرورت اس طرح کیا گیا ہے کہ افتراق باہمی کے رجحان کی ہمت شکنی ہو اس لحاظ سے یہ کتاب اہل علم اور طلبہ حدیث کے لئے بھی بہت کارآمد ہے۔''(7)

" ذیل میں مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی سیرت، سوانح، فقہ اور ایمانیات وغیرہ کے حوالے سے تصانیف کا تعارف خود مولانا موصوف کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔

''اسلام کیا ہے؟

ان میں سرفہرست ان کی سب سے سادہ وآسان کتاب ''اسلام کیا ہے''؟ جس کے بارے میں صرف اللہ ہی کو معلوم ہے کہ وہ واقعۃً کتنی تعداد میں اب تک شائع ہو چکی ہے۔ اس لئے کہ علاوہ مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے کے خود اردو ہی میں مکتبہ الفرقان کے اڑتیس اور دوسرے باعلم واجازت اڈیشنوں کے علاوہ بے علم واجازت اڈیشن بھی کچھ کم نہیں نکل چکے ہیں۔ یہ کتاب تقسیم ہند ۱۹۴۷ء کے بعد والے ان حالات میں لکھی گئی تھی جن میں منقسم ہندوستان کے زمین وآسمان اسلام اور مسلمانوں

کے دشمن نظر آ رہے تھے۔ اور لا ملجأ ولا منجا من اللہ الا الیہ (اللہ کے عذاب سے پناہ اگر کہیں ہے تو وہ اللہ ہی کے دامن میں ہے) کی صورت تھی۔ اس عاجز نے کوشش کی کہ ایک عام مسلمان کی ضرورت کے لئے پورا دین بے حد آسان اور مئوثر دعوتی زبان میں قلم بند ہو جائے جو رجوع الی اللہ کا ذریعہ بنے۔ اور غیر مسلموں میں اسلام کی اصل صورت بھی واضح کرے۔ الحمد للہ کہ دونوں ہی مقصد اپنی اہلیت واستحقاق سے کہیں زیادہ پورے ہوتے ہوئے نظر آئے ہیں۔ ایک سفر میں اس عاجز نے ایک تعلیم یافتہ غیر مسلم کو اس کتاب کو پڑھتے اور روتے ہوئے بھی دیکھا اور پھر وہ صاحب اس کے مصنف سے ملنے کی خواہش کے ساتھ عاجز کی طرف متوجہ ہوئے کہ شاید اس کے ذریعہ مصنف کا پتہ چل جائے۔

دین وشریعت:۔

اس کا موضوع وہی ہے جو ''اسلام کیا ہے''؟ کا ہے مگر وہ عوامی ذہن وفہم کی سطح کے مطابق تھی اور اس میں اس سے اونچی ذہنی سطح کی ضرورتوں کو سامنے رکھا گیا ہے۔ یہ اصل میں ایک تربیتی اجتماع میں کی گئی تقریروں پر مبنی ہے، یہ تبلیغی جماعت کے خاص کارکنوں کا ایک ہفتے بھر کا تربیتی اجتماع تھا جس کا اہتمام لکھنو میں کیا گیا تھا۔

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ اس کتاب میں قرآن پاک کی عمومی دعوت کا خلاصہ مرتب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ زبان بھی موضوع کے مطابق دعوتی ہی ہے۔

آپ حج کیسے کریں؟

یہ کتاب پہلا حج نصیب ہونے کے بعد یہ محسوس کر کے لکھی گئی تھی کہ ایک عام خواندہ عازم حج کے لئے ضرورت ہے کہ بالکل ایسی کوئی کتاب لکھی جائے، جیسے کوئی شخص کسی کو انگلی پکڑ کر حج کرا رہا ہے۔ اور حج کے اعمال کی ادائیگی کے وقت جن دینی وایمانی جذبات سے حاجی کو سرشار ہونا چاہئے ان جذبات کی تحریک کا سامان بھی اس کتاب میں پایا جاتا ہو۔ یہ عاجز مالک کا شکر گذار ہے کہ یہ کتاب ان ضرورتوں کے لحاظ سے مصنف کی توقع کے عین مطابق نہایت مفید ثابت ہوئی اور ہو رہی ہے۔ اس کے بھی کتنے ہی بلا اجازت چھپنے والے ایڈیشن ہندوستان و پاکستان کے بازار میں نظر آتے ہیں۔ یہ کتاب تمام تر اس عاجز کی تحریر پر مبنی نہیں ہے اس میں اسی نوعیت کا ایک نہایت روح پرور مضمون مولانا علی میاں کا بھی ہے اور کچھ مزید بھی۔

آسان حج:۔

آپ حج کیسے کریں کہ تجربے کی روشنی میں اس عاجز نے اپنے مضمون کو اور بہت زیادہ آسان اور کچھ مختصر کر

کے ایک الگ کتابچے کی شکل میں شائع کرنا مفید سمجھا اور الحمدللہ وہ بھی عام عازمین حج کے لئے بہت نافع ثابت ہوا اور ہو رہا ہے۔ ان دونوں کتابوں کی بدولت امید ہے کہ سیکڑوں حجاج کی دعاؤں میں اس عاصی و عاجز کو بھی حصہ پانے کی سعادت ہوگی اور ان شاء اللہ ملتی رہے گی۔

ان کے علاوہ کلمہ طیبہ کی حقیقت، نماز کی حقیقت نامی تالیفات کے بارے میں بھی عاجز کا گمان یہی ہے کہ ان مختصر رسالوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی ایک اچھی خدمت کا موقع عطا فرمایا۔ **اللھم صدق ظنی ھذا**

معارف الحدیث:۔

آخری کتاب جو اس سلسلے میں بے حد شکر کے ساتھ قابل ذکر ہے وہ معارف الحدیث ہے جس کی سات جلدیں (ڈھائی ہزار صفحات پر مشتمل) الحمدللہ شائع ہو چکی ہیں صرف آٹھویں جلد کی اشاعت پر یہ کتاب ان شاء اللہ مکمل ہو جائے گی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی آخری رجلد کو جلد اپنے فضل سے مکمل کرا دے۔ یہ کتاب اپنے زمانے کے خاص حالات اور عام پڑھے لکھے آدمی کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے حدیث کے ضخیم دفتر سے ایک انتخاب ہے جو ترجمے کے ساتھ ایسی سادہ اور مختصر تشریح پر مبنی ہے جس سے حدیث کا اصل مغز و مدعا ذہن نشین اور دل نشین ہو اور عملی و روحانی اصلاح و ترقی کا ذریعہ بنے۔ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے اس ضخیم تالیف کو تقریباً تکمیل کی منزل تک ہی نہیں پہنچا دیا، بلکہ اس کی افادیت اور مقبولیت کو بھی آنکھوں سے دکھا دیا۔ تربیتی درس کے انداز میں پڑھی اور مطالعہ کی جاتی ہے جن حلقوں کا کوئی خاص تعلق اس عاجز سے نہیں ہے۔ مزید یہ کہ اس کتاب کی تالیف اگرچہ علمی نہیں بلکہ اصلاحی نقطہ نظر سے کی گئی ہے مگر یہ بات کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ بہت سی علمی گرہیں جن پر درس حدیث میں اکثر لمبی بحثیں ہوتی ہیں وہ اس کتاب میں بغیر اس کے کہ ان کو باقاعدہ موضوع بحث بنایا گیا ہو صاف طور پر حل ہوئی ملتی ہیں۔ حدیثوں کی بنیاد پر فقہی مسائل کے اختلافات کا تذکرہ صرف انتہائی ضرورت کے بقدر کیا گیا ہے اور وہ بھی حضرت شاہ ولی اللہ کے طرز پر ایسے انداز میں کہ اس سے افتراق باہمی کے رجحانات کی ہمت شکنی ہو، نہ یہ کہ ان رجحانات کو غذا ملے۔

ایرانی انقلاب۔

یہ اس عاجز کی سب سے آخری تالیف ہے، اور اس کی اپنی خاص نوعیت اور تاریخ کے اعتبار سے اس کی توفیق کو میں اللہ کا بہت ہی خاص الخاص احسان اور انعام سمجھتا ہوں، یہ کتاب جس کی تیاری اس عاجز کے لئے خاصی محنت طلب یعنی ایک طویل مطالعہ اور گہرے غور و فکر کی محتاج تھی، اس کے لکھنے کا جن دنوں میں تقاضہ پیدا ہوا، اس وقت اس عاجز کی عمر اسی سال سے اوپر ہو چکی تھی، اور کبر سنی کے ضعف کے علاوہ طرح طرح کے عوارض نے بھی گھیر رکھا تھا۔ خاص طور سے ہائی بلڈ پریشر کے مرض کی وجہ سے لکھنے پڑھنے کی صلاحیت بہت متاثر ہو گئی تھی۔ یہ تقاضہ

۸۴-۱۹۸۳ء میں اس وقت پیدا ہوا جب ایران کے آیت اللہ روح اللہ خمینی صاحب نے ۱۹۷۹ء میں شاہ ایران کے خلاف اپنی تحریک میں کامیابی حاصل کر کے خالص شیعہ عقائد پر مبنی حکومت قائم کی۔ مگر اس کو ایک غیر فرقہ وارانہ خالص اسلامی حکومت اور اسلامی انقلاب کا نام دے کر ساری اسلامی دنیا میں غیر معمولی پیمانے پر پروپیگنڈہ کے ذریعے اپنی عالمی امامت تسلیم کرانے کی مہم چلائی، اور اسلامی دنیا کے وہ نوجوان خاص طور سے پروپیگنڈے کے اس سیلاب میں بہنے لگے جو مختلف اسلامی ملکوں میں چلنے والی اسلامی نظام حکومت کی تحریکوں کی کامیابی کا انتظار کرتے کرتے تھک گئے تھے اور کسی طرف سے کوئی اچھی خبر سننے کے لئے بے چین تھے۔ مسلمان نوجوانوں کی فریب خوردگی کا یہ منظر کہ وہ شیعہ عقائد پر مبنی ایک حکومت کو اسلامی حکومت کی نظر سے ہی نہیں دیکھ رہے تھے بلکہ نہایت جوش وخروش سے خواہش مند اور دعا گو تھے کہ اس حکومت کا دائرہ ساری مسلم دنیا پر وسیع ہو جائے، اس عاجز کے لئے ناقابل برداشت ہوا اور تقاضہ پیدا ہوا کہ کسی طرح دو باتیں لوگوں کو سمجھائی جائیں۔ ایک یہ کہ خمینی صاحب کی حکومت خالص شیعہ مذہب کی بنیادوں پر مبنی ہے اور دوم یہ کہ شیعیت جس چیز کا نام ہے اگر کوئی غیر شیعہ مسلمان اس کو فی الحقیقت جان لے تو اسلام سے اس کا رشتہ جوڑنے کو وہ کبھی بھی قبول نہ کر سکے گا۔ الا یہ کہ وہ باتوں کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہ رکھتا ہو یا کسی دنیاوی غرض سے مغلوب ہو۔

اس کام کے لئے ضروری تھا کہ شیعیت کو اس کے مستند حوالوں سے پیش کیا جائے اور اس غرض کے لئے جو مطالعہ ضروری سمجھا گیا تھا وہ اس سے کہیں زیادہ محنت طلب اور صبر آزما ثابت ہوا جس کا شروع میں اندازہ کیا گیا تھا، یہ ضعیف اور عاجز بندہ اسے صرف اللہ کی مدد کا کرشمہ سمجھتا ہے کہ سال بھر منہمک رکھنے والا یہ کام بالآخر تکمیل کو پہنچ گیا اور اللہ نے خمینی فتنے کے بارے میں نہ صرف یہ کتاب تیار کرادی، بلکہ تقریباً پوری ہی اسلامی دنیا میں اس کا چرچا بھی آناً فاناً کرادیا۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ کتنے ملکوں اور کتنی زبانوں میں لوگوں نے از خود اس کا ترجمہ کیا اور پھیلایا، اور مصنف کو ان کی دعائیں میسر آئیں۔

یہ کتاب ابھی اردو میں بھی شائع نہیں ہوئی تھی، بلکہ اس کا صرف ابتدائی حصہ ماہنامہ الفرقان میں قسط وار نکلا تھا کہ اس عاجز کے فاضل دوست مولانا سعید احمد اکبرآبادی مرحوم (مدیر برہان دہلی) جو برہان کے اداریوں میں خمینی صاحب کے اسلامی انقلاب کا زوردار خیر مقدم کر چکے تھے انہوں نے الفرقان کی یہ قسطیں پڑھ کر اکتوبر ۱۹۸۴ء کے برہان میں لکھا کہ...... اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے ہمارے برادر محترم مولانا محمد منظور نعمانیؒ کو کہ انہوں نے نہایت محنت اور جان فشانی سے ان کتابوں کا براہ راست مطالعہ کیا جو خود علامہ خمینی کے قلم کی رہین منت ہیں، اور اس دقیق اور عمیق ووسیع مطالعہ کے نتائج صاف اور شستہ زبان میں نہایت سنجیدگی اور متانت کے ساتھ ماہنامہ الفرقان کی گذشتہ چند اشاعتوں میں شائع کر دیئے ہیں، میں نے مولانا کے یہ مقالات بڑی دلچسپی سے از اول تا آخر پڑھے اور اب میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ ایرانی انقلاب یا موجودہ ایرانی حکومت کے متعلق میں نے اب تک ''برھان'' میں جو کچھ لکھا ہے

میں اس سے رجوع کرتا ہوں۔

مولانا کے یہ مضامین اس درجہ اہم اور بصیرت افروز ہیں کہ ان کے مطالعہ کے بعد میں نہیں سمجھتا کہ کوئی بھی صحیح العقیدہ مسلمان ان سے اختلاف کی جرات کر سکتا ہے۔

اس کتاب کے سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ۱۹۸۴ء میں جب یہ کتاب تیار ہوئی تو یہ عاجز اپنے جسمانی عوارض کی بنا پر تقریباً ۶ سال سے کہیں سفر کے قابل نہ رہا تھا، اور شدید ضرورت میں بہت اہتمام کے ساتھ ہی کوئی سفر کیا جا سکتا تھا، چنانچہ رابطہ عالم اسلامی کے جلسوں میں بھی شرکت بند تھی۔ مگر جس داعیے کے ماتحت یہ کتاب لکھی گئی تھی اس داعیے کی بنا پر یہ علم اور احساس بہت تکلیف دہ تھا کہ عرب ممالک خاص کر حرمین شریفین کے ذمہ دار حضرات خمینی فتنے کے سلسلے میں بالکل ساکت وصامت ہیں حالانکہ اس فتنے کا سب سے اہم اور مقدم نشانہ حرمین شریفین پر قبضہ ہی تھا۔ اپنے اس احساس کے ماتحت ارادہ کیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس سال ۸۴ء رابطے کے دعوت نامے پر سفر کیا جائے تاکہ وہاں کے ذمہ داروں تک اپنی بات پوری طرح پہنچائی جا سکے۔ چنانچہ عزیز القدر مولوی خلیل الرحمٰن سجاد اور برادر زادہ مولوی محمد زکریا کو ساتھ لے کر یہ سفر کیا، اور جس جس سے جو کچھ کہا جا سکتا تھا کہا گیا، مگر افسوس کے ساتھ ذکر کرنا پڑتا ہے کہ وہاں کے ذمہ داروں اور حکمرانوں پر اپنی دوسری مصلحتیں اتنی حاوی ہیں کہ خود اس کتاب کو بھی برسہا برس مملکت سعودیہ عربیہ میں داخلے کی اجازت نہ مل سکی، البتہ جب فتنہ بالکل ہی برہنہ ہو کر حملہ آور ہوا تب یہ بندش کھلی۔'' (8)

''اپنی بات واضح دوٹوک لفظوں میں بے تکلفی سے کہہ دینے کی جس علمی نثر کو انہوں نے فروغ دیا وہ خالص زبان وادب کی بھی ان کی ایک بڑی خدمت ہے۔ ان کی تصنیفات اگر صرف زبان سیکھنے کے لئے پڑھی جائیں تو طالب علم کو وہ ادراک حاصل ہوگا جو کم سے کم اس زمانہ کے مشہور ادیبوں کو پڑھنے سے نہیں ہوسکتا۔'' (9)

فصل دوم: مختلف رسائل وجرائد میں بکھری تحریریں

ا۔ ماہنامہ البلاغ:۔

مولانا منظور نعمانیؒ نے مفتی شفیعؒ کے بارے میں ''چند یادیں'' کے عنوان سے مندرجہ ذیل مضمون تحریر کیا۔

''برصغیر میں علوم دینیہ کے سب سے بڑے مرکز دارالعلوم دیوبند میں ایک طالب علم کی حیثیت سے راقم السطور اب سے قریباً ستاون سال پہلے شوال ۱۳۴۳ھ میں داخل ہوا تھا۔اس وقت ہمارے دینی مدارس میں منطق ،فلسفہ اور علم کلام وغیرہ ''معقولات'' کا بہت زور تھا، میں ان فنون اور علوم عربیہ کی تعلیم وتحصیل سے فارغ ہوکر وہاں پہنچا تھا۔میرا طالب علمانہ قیام دارالعلوم میں صرف دوسال رہا۔پہلے سال مشکوۃ شریف اور ہدایہ اخیرین کی جماعت میں شرکت رہی اور دوسرے سال دورہ حدیث میں۔۔۔ان جماعتوں کے سارے اسباق اس دور کے دارالعلوم کے اکابر اساتذہ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی ،حضرت مولانا سراج احمد رشیدی، حضرت مولانا رسول خاں ہزاروی، حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، رحمھم اللہ تعالیٰ ہی پڑھاتے تھے اس لئے راقم السطور کو دارالعلوم کے صرف انہی اساتذہ کبار کے تلمذ کا شرف حاصل ہو سکا۔اپنی طالب علمی کے دور میں بھی کم آمیزی کا گویا مریض تھا بہرحال کم آمیزی کی اسی عادت کی وجہ سے دارالعلوم کے اس دور کے ان حضرات اساتذہ سے کوئی خاص تعلق اور رابطہ نہیں رہا۔جن سے کوئی سبق پڑھنے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی، ان اساتذہ میں حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب بھی تھے۔جو دارالعلوم کے کم عمر اساتذہ میں اپنے علم اور سیرت وصلاح کے لحاظ سے اس وقت بھی ممتاز سمجھے جاتے تھے۔

ان کا ایک امتیازی وصف جس کا اس زمانے میں بھی قلب پر خاص اثر تھا، تواضع کا غیر معمولی رویہ تھا۔جہاں تک یاد ہے، جب بھی ان کو دیکھا ،نگاہ نیچی اور سر جھکا ہی دیکھا، جو طالب علم سامنے آتا، سلام میں سبقت فرماتے، اور اگر طالب علم سلام کرتا تو ازراہ تواضع کسی قدر خمیدہ ہوکر، بڑی محبت سے سلام کا جواب دیتے، جب کسی سے مخاطب ہوتے یا کوئی آپ سے مخاطب ہوتا ہمیشہ حسین چہرے پر مسکراہٹ کھیلتی۔دار العلوم کی مسجد سے متصل ایک بالائی کمرے پر آپ کا تجارتی کتب خانہ تھا (جو غالباً اس زمانے میں استاذنا حضرت میاں سید اصغر حسین صاحب کی شرکت میں تھا۔جب کبھی اپنے لئے یا کسی دوسرے کے لئے کوئی کتاب خریدنے کے واسطے وہاں جاتا تو مفتی صاحب مجھ سے اس طرح پیش آتے کہ مجھے بڑی ندامت اور شرمندگی ہوتی۔غالباً ہر ایک کے ساتھ وہ اسی طرح پیش آتے ہوں گے۔

یہ دور جب کہ راقم السطور دار العلوم کا طالب علم تھا وہ خاص دور تھا جب کہ استاذ نا حضرت کشمیری قدس سرہ پر قادیان کے متنبی کذاب غلام احمد اور اس کی امت کے خلاف قلمی ولسانی جہاد کا جذبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ اس طرح طاری کر دیا گیا تھا جس طرح مسلیمہ کذاب کے خلاف جہاد بالسیف کا جذبہ صدیق اکبرؓ پر طاری کیا گیا تھا۔ حضرت استاذ اردو میں لکھنے کے بالکل عادی نہیں تھے۔ خط وکتابت بھی عربی یا فارسی ہی میں فرماتے تھے اور عربی میں لکھنے کا انداز بھی متقدمین کا تھا۔ جس کا ہمارے زمانے کے عام عربی دانوں کے لئے سمجھنا آسان نہ ہوتا تھا۔ اس لئے چاہتے تھے کہ آپ کے باصلاحیت تلامذہ قادیانی فتنہ پر اردو میں لکھیں اور ان کے مافی الضمیر کی ترجمانی کریں۔ اس کام کے لئے حضرت استاذ نے جن چند حضرات کو خصوصیت سے منتخب کیا تھا ان میں حضرت مولانا محمد شفیع صاحب کا خاص مقام تھا۔۔۔ ختم نبوت کے موضوع پر اردو زبان میں ختم النبوۃ کے تینوں حصے اور عربی میں ''ھدیۃ المھدیین'' اس زمانے میں لکھی گئی تھیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ مفتی صاحب کو اس خاص موضوع میں تخصص کا مقام حاصل تھا۔

دار العلوم کی طالب علمی کا دور ختم کرنے کے کچھ ہی دن بعد یہ عاجز امروہہ (ضلع مراد آباد) کے مدرسہ عالیہ اسلامیہ میں مدرس ہو گیا۔ اس زمانے میں ملک کے طول وعرض میں قادیانی فتنے کا زور تھا۔ جابجا مناظرے ہوتے تھے۔ اسی طرح اس زمانے میں حجاز مقدس پر سلطان عبد العزیز ابن سعود کی حکومت قائم ہو جانے کے بعد سے بریلوی مبتدعین نے بھی اودھم مچا رکھا تھا۔ ارقم سطور کا تدریسی مشغلے کے ساتھ ان میدانوں سے بھی تعلق تھا اور اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت وتائید نصیب تھی۔ والحمد للہ علی ذالک۔

غالباً ۱۹۲۸ء کا کوئی مہینہ تھا کہ حضرت مولانا محمد عبد الشکور صاحب فاروقی لکھنوی اچانک بغیر کسی اطلاع کے امروہہ تشریف لائے۔ کسی نے مجھے اطلاع دی اور بتلایا کہ تم سے ابھی ملنا چاہتے ہیں۔ میں خود فوراً ہی حاضر خدمت ہو گیا۔ فرمایا کہ میں اس وقت صرف تم کو ساتھ لینے کے لئے راستے میں ٹرین سے اترا ہوں، ضلع میرٹھ میں کوئی قصبہ اینچولی ہے، وہاں قادیانیوں سے مناظرہ طے ہو گیا ہے اس قضیئے نے بڑی اہمیت حاصل کر لی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ کچھ لوگوں کے قادیانی ہو جانے کا خطرہ ہے۔۔۔ ایک صاحب جو

مولانا کے ساتھ تھے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کل ہی مجھے لینے کے لئے انچولی سے لکھنو پہنچے تھے، میری طبیعت کئی دن سے خراب چل رہی تھی، لیکن میں نے پہنچنا ضروری سمجھا اور یہ طے کرلیا کہ امروہہ سے تم کو ساتھ لے لوں گا۔ اب پہلی ٹرین سے تم کو میرے ساتھ میرٹھ چلنا ہے، ممکن ہے مناظرہ تم ہی کو کرنا ہو۔۔۔ الغرض ہم لوگ میرٹھ کے لئے روانہ ہو گئے، وہاں سے رات کے وقت انچولی پہنچے، معلوم ہوا کہ دیوبند سے حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب اور مولانا محمد شفیعؒ صاحب اور کچھ حضرات بھی ہم سے پہلے تشریف لا چکے ہیں۔۔۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مناظرہ تین دن ہو گا، پہلے دن مسئلہ ختم نبوت پر اور دوسرے، تیسرے دن صدق و کذب مرزا پر۔ جس میں پہلے دن قادیانی مناظر مدعی ہو گا اور مرزا غلام احمد کے دعوائے نبوت و ت کی صداقت ثابت کرنے کی کوشش کرے گا اور دوسرے دن مسلمانوں کا نمائندہ مناظر مدعی ہو گا اور مرزا کا کذاب ہونا ثابت کرے گا۔ معلوم ہوا کہ مناظرے کے یہ موضوعات اور یہ ترتیب فریقین کے مقامی لوگوں نے پہلے سے طے کر رکھی ہیں۔

مشورے سے طے ہوا کہ پہلے دن مسئلہ نبوت پر مناظرہ مجھے کرنا ہو گا دوسرے دن حضرت مولانا لکھنوی اور آخری دن حضرت مولانا چاند پوری مناظرہ فرمائیں گے۔۔۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔۔۔ مناظرے میں ایک ایسے معاون کا وجود بہت مفید ہوتا ہے جس کی زیر بحث مسئلے کے مالہ و ماعلیہ پر خود بھی پوری نظر ہو اور حسب ضرورت و موقع کتابوں کے حوالے نکال کر مناظر کو دیتا رہے اور خود مناظر کو کتابوں سے حوالے نکالنے کا کام نہ کرنا پڑے۔ اس مناظرے میں یہ مدد مجھے جیسی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے ملی، کبھی کسی مناظرے میں، کسی سے ایسی مدد نہیں مل سکی، معلوم ہوتا تھا کہ ختم نبوت کے موضوع سے متعلق مجھے جن حوالوں کی ضرورت پڑ سکتی تھی وہ مفتی صاحب کو گویا حفظ تھے۔۔۔ اس مناظرے پر پچاس سال سے زیادہ مدت گذر چکی ہے لیکن اس سلسلے کی ایک دو قابل ذکر باتیں اب تک یاد ہیں۔ میرے فریق مقابل قادیانی مناظر (عبدالرحمٰن خادم، مولوی فاضل، بی اے) نے قرآن پاک کے لفظ خاتم سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے لغت حدیث کی مشہور کتاب ''مجمع بحار الانوار'' کا حوالہ دیا اور کتاب ہاتھ میں لے کر عبادت پڑھی، مفتی صاحب نے فوراً مجمع بحار الانوار کا وہی مقام ہی نکال کر مجھے دیا اور بتلایا کہ اس قادیانی نے عبارت پڑھنے میں یہ خیانت کی

ہے۔۔۔اسی طرح جب اس نے شیخ ابن عربی کی ''فتوحات مکیہ'' سے ایک عبارت پیش کی، جس سے مسئلہ ختم نبوت کے بارے میں لوگوں کو مغالطہ ہوسکتا ہے جنہوں نے خود فتوحات کا مطالعہ نہیں کیا ہے اور جو شیخ اکبرؒ کی اصطلاحات سے واقف نہیں ہیں۔تو فوراً مفتی صاحب نے فتوحات سے وہ ساری عبارتیں نکال کر میرے سامنے رکھ دیں جن سے شیخ اکبر کی اصطلاح کی وضاحت ہوجاتی ہے اور عقیدہ ختم نبوت کے بارے میں شیخ کا مسلک وموقف غیر مشتبہ طور پر سامنے آجاتا ہے۔اور پھر کسی غلط فہمی کی بھی گنجائش نہیں رہتی۔اس مناظرے میں مناظر تو میں ہی تھا لیکن حضرت مفتی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے میرے لئے گویا روح القدس بنادیا تھا۔۔اس مناظرے کے سلسلے میں جو تین چار دن مفتی صاحب کا ساتھ نصیب ہوا تو اس سے وہ قرب وتعارف حاصل ہوا جو دارالعلوم کے دوسالہ قیام میں حاصل نہیں ہوسکا تھا۔

دارالعلوم کی رسمی طالب علمی کا دور ختم ہونے کے بعد راقم سطور جہاں بھی رہا، سال میں ایک دو دفعہ دیوبند حاضری کا معمول رہا۔ان حاضریوں میں بھی حتی الامکان حضرت مفتی صاحب سے ملاقات کا اہتمام کرتا، وہ ہمیشہ اس طرح پیش آتے کہ گویا میں ان کا چھوٹا نہیں ہوں، کم ازکم اقران میں سے ہوں ان کے اس رویہ سے میں ہمیشہ شرمسار رہتا۔دراصل یہ تواضع ہمارے اکابر واسلاف کا خاص ورثہ تھا اور حضرت مفتی صاحب نے اس سے حصہ وافر پایا تھا......عارفین اور حکماء اخلاق کا مشہور مسلمہ ہے کہ تمام محاسن اخلاق کی اصل اور سرچشمہ ''تواضع'' ہے جس طرح تمام مساوی اخلاق کی جڑ اور بنیاد کبر ہے۔

مفتی صاحب اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر تیزی سے ترقی کے درجات طے فرماتے رہے اور دارالعلوم کے اکابر اساتذہ کی صف میں آگئے۔پھر جلد ہی وہ وقت آگیا کہ دارالعلوم کے دارالافتاء کی صدارت کے عظیم منصب پر فائز ہوگئے۔اس کے بعد ہی سے مفتی گویا ان کے نام کا جز بن گیا۔اس سے پہلے ان کو صرف مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی کہا اور لکھا جاتا تھا۔''(10)

۲۔ماہنامہ بینات:۔

مولانا منظور نعمانیؒ کے قلم سے ''مولانا محمد یوسف بنوریؒ'' کے بارے میں تحریر کیا جانے والا مضمون ملاحظہ فرمائیں۔

''۱۳۴۵ھ، دارالعلوم دیو بند میں راقم سطور کی تعلیم کا آخری سال تھا۔ اس سال کے ختم پر کچھ واقعات قضاء وقدر کے فیصلہ کے نتیجے میں ایسے پیش آئے کہ دارالعلوم کے صدر المدرسین امام العصر حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ کشمیری اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور دارالعلوم کے متعدد اور اساتذہ کو دارالعلوم سے قطع تعلق کر لینا پڑا۔ بظاہر یہ واقعہ بہت ہی نا مبارک تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت نے اس شر سے خیر پیدا فرمایا کہ ڈابھیل ضلع سورت (گجرات) کے ایک معمولی سے مدرسہ تعلیم الدین کے ذمہ داروں نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کو ہندوستان کا دوسرا ''دارالعلوم دیو بند'' یا جامعہ اسلامیہ بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ اور ضروری انتظامات کر کے ان سب حضرات کو اجتماعی طور پر وہاں بلا لیا۔ ان حضرات کے ساتھ دارالعلوم کے مختلف درجات کے طلبہ کی بھی اچھی خاصی تعداد چلی گئی۔ اس طرح ۱۳۴۶ھ میں گجرات کے علاقے میں یہ عظیم الشان جامعہ الاسلامیہ قائم ہو گیا۔۔۔۔ مولانا بنوری بھی ان طلبہ میں تھے جو دارالعلوم دیو بند چھوڑ کر ڈابھیل کے اس جدید جامعہ اسلامیہ میں چلے گئے۔ اس وقت غالباً متوسطات پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے دورہ حدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ہی میں پڑھا۔ استعداد کے لحاظ سے وہ طلبہ میں بہت ممتاز اور فائق تھے۔ اللہ تعالیٰ نے طالب علمانہ شوق اور محنت کے ساتھ ذہانت اور قوت حافظہ کی نعمت سے بھی خوب نوازا تھا۔ مزید برآں ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ بھی خاص فضل تھا کہ حضرت الامام کشمیری قدس سرہ کے ساتھ عام رشتہ تلمذ کے علاوہ ان کو گہرا قلبی تعلق بھی تھا اور حضرت کی بھی ان پر خاص نظر عنایت تھی۔ پھر اس طالب علمی سے فراغت کے بعد بھی انہوں نے حضرت شاہ صاحب سے وابستہ اور حضرت ہی کی خدمت میں رہ پڑنے کا فیصلہ کر لیا اور ایسا ہی کیا۔

راقم سطور کا اندازہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب سے جتنا علمی فائدہ مولانا بنوری نے حاصل کیا اتنا حضرت کے کسی دوسرے شاگرد نے نہیں کیا۔

حضرت شاہ صاحب کے وصال کے بعد سب سے پہلے آپ نے حضرت کی سوانح حیات عربی زبان میں ''نفحۃ العنبر'' کے نام سے لکھی۔ نیز قرآن مجید کے مشکلات سے متعلق آپ کے خاص افادات کو اپنے تفسیری مقدمے کے ساتھ ''مشکلات القران'' کے نام سے شائع کیا۔

فصیح عربی تحریر وتقریر پر ان کو شروع ہی سے وہ قدرت تھی جو ہمارے حلقہ کے بہت کم اہل علم کو ہوئی ہے اور یہ بھی غالباً حضرت الاستاذ قدس سرہ کے فیضان خاص کا نتیجہ تھا۔ حضرت شاہ صاحب کے وصال کے بعد وہ ڈابھیل بلا لئے گئے۔ اور پھر ایک وقت وہ بھی آیا کہ ''جامعہ اسلامیہ'' کے وہی شیخ الحدیث اور صدر المدرسین یعنی حضرت الاستاذ امام الکشمیری قدس سرہ کے جانشین ہوئے...... اللہ تعالیٰ نے مولانا میں بہت سے کمالات جمع کر دیئے تھے لیکن علم کا کمال دوسرے کمالات پر غالب تھا...... ان کا سب سے بڑا علمی کارنامہ جامع ترمذی کی شرح ''معارف السنن'' ہے...... معارف السنن کے مطالعہ سے مولانا بنوری کی علمی خصوصیات اور خاص کر فن حدیث میں ان کے رسوخ وتجربہ اور وسعت کا اندازہ ہوتا ہے...... مولانا کی مجاہدانہ مہمات اور عملی خدمات کے سلسلہ میں ان کا سب سے بڑا کارنامہ پاکستان کی پارلیمنٹ اور حکومت پاکستان سے قادیانیوں کے غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کا فیصلہ کروالینا ہے۔ مرحوم اس دینی مطالبہ کی تحریک کے مسلمہ اور متفقہ قائد اور امام تھے...... جب سے مولانا سے واقفیت ہوئی اور ہندوستان و پاکستان یا حجاز مقدس میں جب بھی ملاقات ہوئی ہمیشہ یہ محسوس ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کمال علمی کے ساتھ علم کے مطابق عمل کے اہتمام، اخلاص للہ، خشیت وانابت، ورع وتقویٰ اور ان سب کے ساتھ دین کا درد بھی بھرپور عطا فرمایا تھا۔ اور جس بندہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ اوصاف جمع فرما دیئے بلاشبہ اس کو وراثت نبوت کا بڑا حصہ نصیب ہوا۔'' (11)

۳۔ ماہنامہ الفرقان:۔

ماہنامہ الفرقان بریلی میں تو مولانا کے بے شمار مضامین شائع ہوئے لیکن ذیل میں حضرت شاہ ولی اللہ کی شخصیت و افکار کے حوالے سے ''حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ اور ان کے کام کا مختصر تعارف'' کے عنوان سے مولانا نعمانیؒ کا مضمون ان اہم ترین مضامین میں شامل ہے جنہیں خاص امتیاز حاصل ہے۔

اس مضمون کے حوالے سے مولانا نعمانیؒ خود رقمطراز ہیں۔

''اس نمبر کے لئے جو مقالہ قریباً ڈیڑھ سوصفحہ کا شاہ صاحب کی سوانح حیات اور آپ کے مساعی تجدید واصلاح کی تفصیلات پر تیار کیا تھا۔ اس کا تذکرہ اور شائع نہ ہو سکنے کی وجہ بھی ابتدائی صفحات میں عرض کی جا چکی ہے اور آئندہ اس کی اشاعت کے متعلق اب جو خیال ہے وہ بھی وہیں ظاہر کیا جا چکا ہے...... اس وقت تو صرف انگلی کٹا کر شہیدوں کی

فہرست میں نام لکھوانے کی نیت سے ۲۶ صفحے کی محدود وسعت کو پیش نظر رکھ کر مضمون لکھنے کے لئے قلم ہاتھ میں لیا ہے۔ اتنی سی جگہ میں بھی حضرت شاہ صاحب کے کام کے کسی ایک مخصوص اور محدود شعبہ پر کچھ لکھا جا سکتا تھا لیکن اتفاق کی بات ہے کہ کسی اور مقالہ میں بھی آپ کے سوانح حیات مرتب اور مستقل طور پر نہیں لکھے گئے لہذا اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ضروری معلوم ہوا کہ ان صفحات میں حسب گنجائش اختصار واجمال کے ساتھ ہی سہی مگر آپ کے سوانح ہی لکھے جائیں۔ اگر چہ ظاہر ہے کہ شاہ صاحب کی جو سوانح حیات ۲۶ صفحے میں لکھی جائے گی وہ سوانح نہیں ہوگی بلکہ اس کو سوانح کے خلاصہ کا خلاصہ بھی مشکل ہی سے کہا جا سکے گا لیکن اب اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں۔ البتہ بعض دوسرے مقالات میں (بالخصوص مولانا گیلانی اور مولانا سندھی کے مقالوں میں) متفرق طور پر خود شاہ صاحب کے اور آپ کے والد ماجد نیز اساتذہ و مشائخ اولاد واحفاد، تلامذہ و مستفیضین کے جو تذکرے اور ان حضرات کے کاموں کی جو تفصیل گذر چکی ہے وہ سب کے ساتھ ملا کر یہ خلاصہ بھی ان شاء اللہ زیادہ ناقص نہ رہے گا۔"(12)

اس مضمون میں مولانا نعمانیؒ نے شاہ ولی اللہؒ کے سلسلہ نسب کو نہایت عرق ریزی سے جامع انداز سے پیش کیا۔ اور شاہ صاحبؒ کی اپنی کتب سے ان کے حالات زندگی کو ترتیب کے ساتھ سپرد قلم کیا۔ اور جہاں جہاں تفصیل کی ضرورت پیش آئی وہیں آپ نے حاشیہ لکھا اور تشنگی کو دور کیا، شاہ صاحب کی سوانح حیات کے بعد ان کی تصنیف شدہ کتب کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا۔ اس کے بعد شاہ صاحب کے تلامذہ کے بارے میں مختصر لیکن جامع انداز سے بیان کیا گیا۔ اس کے بعد شاہ ولی اللہ کی فکر کی جامعیت، ان کے مفسر قرآن ہونے، شارح حدیث ہونے، فقیہ امت، اور بحیثیت متکلم کے حوالے سے بیان کیا گیا۔ اس کے علاوہ شاہ صاحب کے امام سلوک وتصوف، علم حقائق کے اسرار، بحیثیت معلم اور بحیثیت ماہر معاشیات واقتصادیات کے ان کی فکر کا تعارف پیش کیا۔ اس کے بعد شاہ صاحب کے مسلکی مزاج اور ان کی اصلاحی تحریک کے حوالے سے مختصر لیکن جامع انداز سے بیان کیا گیا۔

یقیناً مولانا نعمانیؒ کا یہ مضمون شاہ صاحب کی حیات اور افکار کا ایک خوبصورت، جامع اور سلیس تعارف ہے۔ جس سے شاہ صاحب کی شخصیت کی ایک نہایت جامع تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے۔ اس سے مولانا نعمانیؒ کی قلم کی خوبصورتی اور مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا نعمانیؒ نے ماہنامہ الفرقان میں، مفتی نسیم احمد فریدی کی یاد میں "ایک قابل رشک دوست ایک بے مثال رفیق" کے عنوان سے مضمون تحریر کیا۔

اس مضمون میں مولانا نے ان کے ابتدائی حالات زندگی کا بہت خوبصورت انداز سے احاطہ کیا۔ اور اس کے بعد الفرقان میں مولانا فریدیؒ کے شائع ہونے والے مضامین پہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے ''وقتاً فوقتاً ان کے مضامین اور مقالات شائع ہوتے رہے۔ جنہوں نے بلاشبہ الفرقان کے مزاج کے عین مطابق اس کے پیغام کو عام کرنے، اور اس کی جوڑوں کو مضبوط کرنے اور مقبولان بارگاہ الہیٰ کی توجہات کو کھینچنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ مولانا کا خاص محبوب موضوع تھا امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے لے کر اب تک کے اپنے سلسلہ کے اکابر و مشائخ، مصلحین امت کا تذکرہ، ان کی سوانح حیات اور ایمان افروز مکتوبات و ملفوظات (جو عموماً فارسی زبان میں ہیں) عہد حاضر کے اردو خواں مسلمانوں کے لئے سادہ وسلیس اور دلکش و دلنشین اردو زبان میں منتقل کر کے مرتب کرنا۔۔ اس سلسلہ میں وہ جو کچھ لکھتے تھے جہاں تک اس عاجز کا اندازہ ہے اللہ کی رضا، اجر آخرت کی طلب اور امت محمدیہ کی خدمت ہی کی نیت سے لکھتے تھے اور خاص بات یہ تھی کہ سب سے پہلے خود ان کا قلب سلیم اس سے سبق اور اثر لیتا تھا، ان کے اخلاص وللّٰہیت اور قلبی کیفیت کے اثر سے ان کی یہ تحریریں، ہر پڑھنے والے کے دل کو غیر معمولی طور پر متاثر کرتی تھیں، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ ان کے ان مقالات نے کتنے بندوں کے دلوں میں خدا طلبی، آخرت کی فکر اور ان اکابر و مشائخ عباد اللہ الصالحین کے نقش قدم پر چلنے کا شوق و جذبہ پیدا کیا، ایمان ویقین کی کیفیت میں اضافہ ہوا اعمال صالحہ کی توفیق ملی، اور قرب و رضاء الہیٰ کی نعمت عظمیٰ نصیب ہوئی۔۔ رسول اللہ ﷺ کے بیان فرمائے ہوئے خداوندی قانون ومنشور رحمت ''من دل علیٰ خیر فلہ اجر مثل فاعلہ'' کے مطابق یقین ہے کہ ان سب بندگان خدا کے اعمال کا اجر بھی ان کو عطا ہوگا۔''(13)

مولانا کی یہ تحریر جہاں ان کی مولانا فریدی کے ساتھ حد درجہ انسیت کی دلیل ہے وہاں مولانا نعمانی کے قلم سے ان کے لئے نکلنے والے الفاظ بھی حد درجہ تواضع لئے ہوئے ہیں، یہ مولانا نعمانی کی تحریروں کی خصوصیت ہے کہ ان کا طرز بیاں حد درجہ علمی صلاحیتوں کے باوجود کہیں بھی غرور کا شائبہ بھی نہیں ہوتا بلکہ تواضع، انکساری اور محبت کے جذبات موجزن نظر آتے ہیں۔ مولانا فریدی کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''قریباً ساٹھ سالہ تعلق، بریلی کی تین چار سالہ رفاقت، خط وکتابت کے مسلسل رابطے' اور اکثر سالوں میں ایک دو دفعہ ملاقات کے باوجود میں مولانا کے بلند مقام کو نہیں جان سکا وہ عمر میں مجھ سے چھوٹے تھے انہوں نے میرے ساتھ معاملہ ایسا ہی رکھا جیسا کہ چھوٹوں کا بڑوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس عاجز کا رویہ بھی کچھ اسی طرح کا رہا لیکن ان کے اس دنیا سے جانے کے بعد احساس ہوا کہ وہ بہت بڑے تھے میں ان سے بہت چھوٹا تھا مجھے ان کے ساتھ اس طرح کا تعلق رکھنا چاہئے تھا۔ جس طرح چھوٹے بڑوں کے ساتھ رکھتے ہیں، اب اپنی اس تقصیر پر بے حد افسوس ہے۔ ہم جیسوں کا عام مرض ہے کہ نعمت کی قدر اس سے محروم ہو جانے کے بعد ہوتی ہے۔ خدا کرے کہ میں اپنے باقی ماندہ دنوں میں ان کے لئے زیادہ سے زیادہ دعاؤں کا اہتمام کر کے اپنے قصور کی تلافی کرسکوں۔'(14)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی تحریریں جہاں اکابر علماء کی شخصیت کا تعارف کا باعث ہے وہاں وہ برملا ان سے استفادے کی اہمیت کو بھی بیان کرتی ہیں، جو یقیناً قارئین کے لئے اصلاح کا پہلو رکھتی ہیں۔اس طرح کی تحریر مفتی کفایت اللہ کے بارے میں لکھی گئی، ملاحظہ فرمائیں۔

''مفتی اعظمؒ کی خصوصیات''

علم دین میں حضرت مفتی صاحب کی بلند مقامی اور خاص کر فقہ وفتوئی میں ان کی مرجعت اور سیاسیات میں ان کی خاص بصیرت اور ذہن وفکر کا سلجھاؤ یہ تو وہ چیزیں ہیں جن سے کسی درجے میں وہ لوگ بھی واقف ہوں گے جن کی واقفیت کا ذریعہ اخبارات یا دوسرے وسائط ہوں گے لیکن ان کے علاوہ حضرت مفتی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے غیر معمولی کمالات سے بھی نوازا تھا جن سے صرف وہی حضرات واقف ہوں گے جنہیں نزدیک رہنے اور قریب سے دیکھنے اور برتنے کا زیادہ موقع ملا ہوگا۔یہ عاجز حضرت مفتی صاحب کی علمی عظمت کا پوری طرح قائل ہونے کے باوجود ان کے دوسرے قسم کے کمالات سے ہمیشہ زیادہ متاثر رہا۔ان میں سے ان کے جس کمال کا نقش میرے دل پر سب سے زیادہ گہرا ہے وہ ان کی بے انتہا تواضع اور بے نفسی ہے۔اس بارے میں اس عاجز کا جو تاثر اور احساس ہے واقعہ یہ ہے کہ اس کے اظہار کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ اللہ نے ان کو جتنی بلندیاں عطا فرمائی تھیں وہ اتنے ہی متواضع اور بے نفس تھے۔ان سے ملنے والے، ان کے کسی نیاز مند نے بھی کبھی محسوس نہ کیا ہوگا کہ وہ اپنے کو کچھ بھی سمجھتے ہیں۔بعض اوقات اپنے بہت چھوٹوں کے ساتھ اس طرح پیش آتے اور ایسا معاملہ کرتے کہ انہیں شرم آتی۔اس عاجز نے اس مقام کی کسی شخصیت میں کبھی اس درجہ کا تواضع نہیں دیکھا۔

دوسری جس خصوصیت سے یہ عاجز بہت متاثر ہوا وہ یہ ہے کہ سفر وحضر کی سینکڑوں صحبتوں میں، میں نے کبھی ان کی زبان سے نہ نجی، گفتگو میں اور نہ مجلسی بحثوں اور گفتگوؤں میں، کسی بڑے سے بڑے اپنے مخالف کے متعلق بھی کوئی سخت لفظ کبھی نہ سنا۔اس طرح کبھی غیبت کا کوئی کلمہ سننا یاد نہیں...... تیسری خاص بات جس سے یہ عاجز بہت متاثر ہے۔یہ ہے کہ بعض حدیثوں میں حضور ﷺ کے متعلق آتا ہے کہ ''کان یخدم نفسہ'' (آپ خود ہی اپنے خادم تھے، اپنے گھر اور اپنی ذات کے معمولی معمولی کام خود کرلیا کرتے تھے) حضرت مفتی صاحب اسوہ نبی ﷺ کے خاص نمونہ تھے۔اس بلند مقامی کے باوجود اپنے گھر کے اور بچوں کے بہت سے ایسے معمولی اور حقیر کام خود کیا کرتے تھے جن کے کرنے میں ایک معمولی آدمی بھی اپنی توہین سمجھے گا۔واقعہ یہ ہے کہ یہ عاجز حضرت مفتی صاحب کی سیرت کی خصوصیات سے اتنا متاثر ہے کہ اگر ان کے ہاتھ پر کھلی کرامتیں دیکھتا تو غالباً اس سے زیادہ متاثر نہ ہوتا۔'' (15)

۴۔دیگر رسائل و جرائد:۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی شخصیت کا تعارف ہندوستان کے علمی اور دینی صحافی حلقوں میں خاصہ تھا،ان کی تحریریں از خود مختلف جرائد اور اخبار اکثر اوقات شائع کرتے رہتے تھے۔اس طرح کی ایک تحریر روحانی ڈائجسٹ میں ''عبادت نبوی'' کے عنوان سے شائع ہوئی،ملاحظہ فرمائیں:

''عبادت ہر پاکیزہ روح کی غذا اور ہر قلب سلیم کے لئے آرام اور چین کا وسیلہ ہے۔اور رسول اللہ ﷺ کا اس باب میں جو حال تھا،اس کا کچھ اندازہ اسی سے کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کا نزول جب شروع بھی نہیں ہوا تھا،اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبادت کا بلکہ کسی چیز کا بھی کوئی حکم آپ کو نہیں ملا تھا۔تو آپ خود اپنے اندرونی جذبے اور تقاضے سے مجبور ہو کر سب سے الگ یکسو ہو کر مکہ کی آبادی سے کافی فاصلہ پر جبل نور کی بہت اونچی ایک چوٹی کے غار میں جا جا کر عبادت کیا کرتے تھے۔صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ میں آغاز نبوت کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جو مفصل روایت ہے اس کے الفاظ ہیں:و کان یخلوا بغار حراء فیتحنث فیه وھو التعبد اللیالی ذوات العدد۔اس کا مطلب یہی ہے کہ آپ سب سے یکسو ہو کر غار حرا میں کئی کئی دن معتکف رہتے تھے۔اور اس تنہائی کے عالم میں صرف اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے۔یہاں تک کہ گھر بھی کئی کئی دن بعد تشریف لاتے تھے۔میرے نزدیک آپ کے ذوق عبادت کا اندازہ کرنے کے لئے نبوت اور نزول قرآن سے پہلے آپ کا یہ معمول ہی کافی ہے۔

اس کے بعد نبوت کا دور شروع ہو گیا اور رسالت کی ذمہ داریاں آپ ﷺ پر عائد ہو گئیں،جن کے کے لئے آپ کو بڑا وقت درکار تھا۔نیز آپ کی زندگی کو اب امت کے لئے یعنی مستقبل کی پوری نسل انسانی کے لئے اسوہ ونمونہ بھی بننا تھا۔اس لئے اب اس کی تو گنجائش ہی نہیں رہی کہ سب سے الگ تھلگ رہ کر حرا جیسے غار میں ہمہ وقت اپنے پروردگار کی یاد اور عبادت میں آپ مصروف رہ سکیں۔چنانچہ اس کے بعد وحی الہیٰ کی رہنمائی میں آپ کی عبادت کا ایک ایسا معتدل اور متوازن نظام قائم ہو گیا۔جس کے ساتھ سارے پیغمبرانہ کام انجام پاتے رہے۔اور امت کے لئے اس کی تقلید اور پیروی میں زیادہ زحمت اور مشقت بھی نہ ہو۔دیکھنے والا اگر صحیح نظر رکھتا ہو تو آپ کی حیات طیبہ اس کو ایک نہایت جامع حسین اور متوازی پیغمبرانہ زندگی نظر آئے گی۔جس میں نماز،روزہ،اعتکاف،صدقات وقربانی ،عمرہ وحج اور اذکار ودعوات جیسی تمام عبادات اپنی اپنی جگہ مختلف رنگ و بو رکھنے والے نہایت حسین وجمیل پھولوں کی طرح درخشاں ہیں۔اور پھر ان سب میں چونکہ نماز سب سے اہم اور مکمل ہے اس لئے آیئے رسول اللہ ﷺ کی نماز

ہی کی کچھ باتیں کریں۔

رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک کو نماز میں جو کیفیت ولذت حاصل ہوتی تھی اور روح کو جو لطیف ولذیذ غذا ملتی تھی، بلاشبہ اس کا ادراک واحساس تو ان ہی بندگان خدا کا حصہ ہے جنہوں نے اس دولت سے کوئی حصہ پایا ہو، اور اس کا کچھ ذائقہ چکھا ہو۔

ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تا بہ چشتی

لیکن ہم جیسے عوام بھی ''قرۃ عینی فی الصلوٰۃ اور قم یا بلال ارحنی بالصلوٰۃ جیسے آپ کے ارشادات سے اس کا کچھ نہ کچھ اندازہ کر سکتے ہیں۔ جو خوش نصیب بندے اس دولت سے کچھ بہرہ ور ہوئے ہیں، انہوں نے اپنی یافت اور اپنے تجربے کے مطابق اس اجمال کی تفصیل بھی اپنے کلمات میں بیان کی ہے۔ مثلاً امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں۔

نماز ہی بیماران عشق ومحبت کا چین وآرام ہے۔ حضور کے ارشاد ''ارحنی یا بلال'' میں اسی طرف اشارہ ہے اور ''قرۃ عینی فی الصلوٰۃ'' میں بھی اسی مدعا کا اظہار ہے۔ جو نماز پڑھنے والا نماز کی حقیقت سے آشنا ہے۔ وہ نماز ادا کرتے وقت گویا اس دنیا کے دائرے سے نکل کر ایک دوسرے عالم میں پہنچ جاتا ہے۔ پھر اس کو اس دولت عظمیٰ میں سے کچھ حصہ مل جاتا ہے جو آخرت کے ساتھ مخصوص ہے یعنی بے شائبہ ظلیت ایک گونہ وصال ولقا میسر ہو جاتا ہے۔

نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

ان احدکم اذا اقام فی الصلوٰۃ فانما ینا جی ربہ.. (جمع الفوائد بحوالہ صحیحین و نسائی عن انسؓ)

''تم میں سے کوئی جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ سے وہ اپنے دل کی باتیں کرتا ہے۔

اس حدیث میں جس کیفیت کو ''یناجی ربہ'' کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یقیناً اس کا اعلیٰ ترین درجہ رسول اللہ ﷺ کو نماز کی حالت میں حاصل ہوتا تھا۔ اور غور کر کے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہر چیز سے زیادہ ہمارے اپنے رب سے اس بلا واسطہ مخاطبہ اور مکالمہ میں آپ کو کیسی لذت اور حلاوت ملتی ہوگی۔ اس کیفیت کو سمجھنے میں امام ربانیؒ کا ایک اشارہ ہماری کچھ رہنمائی اور مدد کر سکتا ہے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں۔

''معلوم ہونا چاہئے کہ دنیا میں نماز کا درجہ و مقام وہی ہے جو آخرت میں دیدار الٰہی کا

ہے۔اس دنیا میں بندے کو مولا کا انتہائی قرب نماز ہی میں حاصل ہوتا ہے۔اور آخرت میں انتہائی قرب دیدار کے وقت نصیب ہوگا۔''

نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ کے قلبی تعلق کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ ہجرت سے پہلے طائف میں اور بعد کو احد کے معرکے میں دشمنوں کے ہاتھ سخت سے سخت تکلیفیں پہنچنے پر بھی آپ نے موذیوں کے حق میں بددعا نہیں فرمائی۔ بلکہ ان کی ہدایت اور انجام بخیر ہی کی دعا کی۔لیکن غزوہ احزاب میں جب دشمنوں نے ایک دن آپ کو نماز عصر پڑھنے کی مہلت نہ دی اور آپ کی نماز قضا ہوگئی تو اتنی سخت بددعا زبان مبارک سے نکلی کہ ایسی سخت بددعا شاید کسی کے لئے سوچی بھی نہیں جا سکتی۔حدیث کی کتابوں میں آپ ﷺ کی اس بددعا کے الفاظ یہ نقل کئے گئے ہیں۔

حبسونا عن صلوٰة الوسطیٰ :صلوٰة العصر ملاء الله بيوتهم و قبورهم نـاراً (متفق علیہ) ''ان لوگوں نے آج ہمیں عصر کی نماز پڑھنے نہیں دی۔اللہ ان کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے۔

نماز میں روح پاک کو جو لذت اور حلاوت ملتی تھی،اس کا اندازہ کرنے کی ایک راہ یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے فیض یافتہ صحابہ کرامؓ کی اس حالت سے اس کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔اس سلسلے کے بہت سے قابل ذکر واقعات میں سے صرف ایک واقعہ یہاں یاد کر لیجئے جو سنن ابی داؤد اور مسند احمد میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک غزوہ میں خطرے کے ایک موقع پر رات کو پہرہ دینے کے واسطے دو صحابیوں کو متعین فرمایا ان میں سے ایک مہاجر تھے اور دوسرے انصاری۔ان صاحبوں نے ڈیوٹی کو نصف نصف تقسیم کر لیا۔یعنی طے کیا کہ ہر ایک آدھی آدھی رات پہرہ دے اور دوسرا اس وقت سوئے۔انصاری صحابی نے رات کے پہلے حصے میں پہرہ دینا شروع کیا اور مہاجر ساتھی قرارداد کے مطابق سو گئے۔پھر انصاری بزرگ نے خالی جاگنے کی بجائے یہ بہتر سمجھا کہ نماز میں مشغول رہ کر یہ وقت گذارا جائے۔چنانچہ انہوں نے نماز شروع کر دی۔دشمن کی جانب سے کوئی شخص آیا اور اس نے آدمی کو کھڑا دیکھ کر تیر مارا۔اور جب یہاں کوئی حرکت نہ ہوئی اور نہ کوئی آواز نکلی تو شاید یہ سمجھ کر کہ نشانہ خطا ہو گیا دوسرا اور پھر تیسرا تیر مارا۔ادھر یہاں ہر تیر ان کے جسم میں پیوست ہوتا رہا اور یہ جسم سے اس کو نکال نکال کر پھینکتے رہے۔اور نماز میں مشغول رہے۔پھر اطمینان سے رکوع کیا، پھر سجدہ کیا اور نماز پوری کر کے مہاجر ساتھی کو جگایا۔انہوں نے اٹھ کر

دیکھا کہ ایک نہیں تین تین جگہ سے خون جاری ہے۔ انہوں نے ماجرا پوچھا اور کہا کہ تم نے مجھے شروع ہی میں کیوں نہ اٹھا دیا۔ ان انصاری بزرگ نے جواب دیا۔ میں نے ایک سورۃ کہف شروع کر رکھی تھی۔ میرے دل نے نہ چاہا کہ اس کے ختم کرنے سے پہلے رکوع کروں، لیکن پھر مجھے یہ خطرہ ہوا کہ اگر اسی طرح پے در پے تیر لگتے رہے اور میں یوں ہی مر گیا تو حضورﷺ نے پہرے داری کی جو خدمت ہمارے سپرد کی تھی وہ فوت ہو جائے گی۔ اس خیال سے میں نے رکوع کر دیا۔ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا تو سورہ ختم کرنے سے پہلے رکوع نہ کرتا اگرچہ مر ہی کیوں نہ جاتا۔ تیر پہ تیر کھانے اور تین جگہ سے خون کا فوارہ جاری ہو جانے کے باوجود ان انصاری بزرگ کا نماز میں مشغول رہنا اور نماز کو مختصر کرنے کا بھی ارادہ نہ کرنا، نماز کے اندر کی جس لذت وحلاوت کا پتہ دیتا ہے۔ یقیناً رسول اللہ ﷺ اس میں اپنے ان انصاری خادم سے بدرجہا زیادہ تھا، بلکہ جو کچھ ان کو ملا تھا یا امت میں کسی کو ملا ہو وہ آپ ہی کا فیض اور نسبت کا ایک ذرہ تھا۔'' (16)

مولانا کی یہ تحریریں جہاں تاریخ اسلام کے یادگار دور سے جوڑتی ہیں وہاں سیرت رسول ﷺ کے روشن پہلوؤں سے بھی متعارف کرواتی ہیں، عبادت، اعلیٰ اخلاق، اخلاص ومحبت جو کہ دینی تعلیمات کا خلاصہ ہیں سے آشنا کرنا اور ان کی طرف رغبت دلانا، یہ مولانا ہی کے قلم کا کمال تھا۔

مولانا نعمانیؒ نے ''امیر شریعت'' کے عنوان سے مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے حوالے سے مضمون تحریر کیا۔ جس میں انہوں نے مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے اپنی واقفیت ان سے ملاقاتوں کا احوال اور ان کی تقاریر اور ان کی تاثیر پہ روشنی ڈالی۔ مضمون کے اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

''امیر شریعت آج ہماری اس دنیا میں نہیں ہیں اور ان کو ہمارے کسی خراج عقیدت اور تحسینی تذکرے کا انتظار بھی نہیں ہے۔ جو چیز اس دوسرے عالم میں ان کی خدمت میں پیش کرنے کے لائق ہے اور جس کا پہنچنا بھی ان شاءاللہ یقینی ہے وہ اچھی ساعتوں میں ان کے لئے رحمت، مغفرت کی پرخلوص دعائیں اور اعمال خیر کے ثواب کا ہدیہ اور یہی ان کی محبت کا ان کے محبین پر خاص حق ہے اللہ تعالیٰ اس حق کے ادا کرنے کی توفیق دے۔ اسی کے ساتھ یقین ہے کہ ان کی بعض ایمانی خصوصیات اور ان کی زندگی کے بعض واقعات کا تذکرہ ان شاءاللہ زندوں کے لئے ضرور نافع ہوگا، اسی امید پر یہ سطریں ایک عزیز سے بطور املا لکھا رہا ہوں۔

عظمت رسالت کا نگہبان

جہاں تک اب یاد آتا ہے اخبارات میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا نام سب سے پہلے اس ناچیز نے اس وقت پڑھا جب لاہور کے دریدہ دہن آریہ سماجی نے اللہ کے آخری رسول کے خلاف ایک نہایت گندی اور رسوائے عالم کتاب لکھ کر شائع کی۔ اس کتاب کا نام بھی اتنا خبیث اور دل آزار تھا کہ کوئی شریف آدمی خواہ وہ کسی مذہب وملت سے تعلق رکھتا ہو، دلی تکلیف کے بغیر وہ نام نہیں لے سکتا۔ ہندوستان کی فرقہ وارانہ فضا شدھی سنگھٹن کی تحریک نے پہلے ہی سے خراب کر دی تھی اس کتاب کی اشاعت نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور مسلمانوں میں سخت ہیجان بلکہ طوفان برپا کر دیا۔ اس سلسلے میں امیر شریعت نے لاہور میں ایک تقریر کی تھی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ پردہ نشین خواتین نے اپنے بچے ان کے قدموں میں ڈال دیئے تھے کہ ان کو رسول اللہ کے ناموس پر قربان کر دو۔ عطاء اللہ شاہ بخاری اس تقریر پر گرفتار کر لئے گئے ان پر مقدمہ چلا اور بالآخر ایک سال کی سخت قید ہوئی۔ بہرحال جہاں تک میری یادداشت کا تعلق ہے میرے دل میں ان کی محبت کا بیج اسی واقعے کے بعد پیدا ہوا۔

قبول خواص

یہاں تک کہ ایک وقت انجمن خدام الدین لاہور کے جلسے میں جس میں پنجاب کے علمائے حق کی ایک بڑی تعداد شریک تھی۔ سید صاحب امیر شریعت بنا دیئے گئے اور اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم دین اور سب سے بڑی دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے صدر و شیخ الحدیث استاذ نا واستاذ العلماء حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری قدس سرہ نے بھی بحیثیت امیر شریعت ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اخبار میں یہ خبر پڑھ کر قدرتاً سید صاحب کی عظمت واہمیت میرے دل میں پہلے سے زیادہ ہوگئی۔ اور دید وملاقات کا اشتیاق بہت بڑھ گیا۔ ان کے نام کے ساتھ بخاری، اور شاہ کے دو پر عظمت ضمیمے لگے ہونے کی وجہ سے میرا تصور اس وقت ان کے بارے میں یہ تھا کہ ان کی شکل وصورت بخاری علماء کی سی اور وضع وہیئت مشائخ طریقت کی سی ہوگی۔ لیکن اتفاق کی بات عرصہ تک ملاقات کی نوبت نہیں آئی۔ میں ۱۹۳۰ء میں امروہہ ضلع مرادآباد میں مدرس تھا۔ حسن اتفاق کہ اس سال جمعیۃ العلماء ہند کا اجلاس امروہہ میں ہونا طے ہوگیا۔ اس زمانے میں مجھے جمعیۃ العلماء اور اس کے کاموں سے خاصی دلچسپی تھی۔ یہ وہ وقت تھا کہ چند ہی مہینے پہلے آل انڈیا کانگریس اپنے لاہور کے اجلاس میں ۱۹۲۸ء والی نہرو رپورٹ کو منسوخ قرار دے کر، جس کی بناء پر ۱۹۲۹ء میں جمعیۃ العلماء ہند بھی کانگریس سے علیحدہ ہوگئی تھی۔ آزادی کامل کی تجویز پیش کی تھی، اور پھر اس کے بعد گاندھی جی نے نمک سازی کی شکل میں انگریزی اقتدار کے خلاف سول نافرمانی کی جنگ گجرات سے شروع کر دی تھی۔ بہرحال

اس ماحول میں یہ اجلاس امروہہ میں ہونے والا تھا۔

ایک اہم واقعہ

ادھر ایک بات اسی درمیان میں یہ ہو چکی تھی کہ مولانا محمد علی مرحوم اور جمعیۃ العلمائے ہند کے درمیان سخت اختلاف پیدا ہو گیا تھا اور نوبت یہاں تک پہنچی تھی کہ جمعیۃ العلمائے ہند کے مقابلے میں ایک دوسری جماعت جمیعت العلماء بنالی گئی تھی جس کے صدر خود مولانا محمد علی مرحوم تھے، یہ کش مکش ناسنجیدگی میں کس حد تک جا چکی تھی اس کا اندازہ بس اسی سے کیا جا سکتا ہے کہ جمعیۃ علماء ہند دہلی کا اجلاس امروہہ میں جن تاریخوں میں طے ہونا ہوا تھا انہیں تاریخوں میں امروہہ ہی میں اس دوسری جماعت کا اجلاس بھی طے کیا گیا اور ہوا۔ اور خود مولانا محمد علی مرحوم نے اس کی صدارت کی جمعیۃ کا اجلاس شروع ہونے سے ایک دن پہلے ہی قریبی مقامات سے جمعیتی رضا کاروں کے جتھے انتظام کے لئے آنا شروع ہو گئے، میرے وطن سنبھل کا ایک جتھا ایک دن پہلے پہنچنے والا تھا۔ اس میں سے بعض آدمی علی الصبح پہنچ گئے اور انہوں نے بتایا کہ ہمارا پروگرام یہ ہے کہ ہمارا جتھہ ایک جلوس کی شکل میں امروہہ میں داخل ہو، اس جلوس میں کچھ اونٹ ہوں اور ان پر نقارے ہوں اس لئے ہمارے واسطے اونٹوں اور نقاروں کا انتظام کیا جائے۔ (دراصل سنبھل کے رضا کار اس طرح کے حجازی جلوس نکالا کرتے تھے) ہم لوگ جو اس وقت امروہہ میں اجلاس کے کاموں کے ذمہ دار تھے ان کے سامنے یہ مسئلہ آیا۔ قریباً ۸۔۹ بجے صبح کا وقت تھا مجلس استقبالیہ کے دفتر میں بیٹھے ہم اسی مسئلے پر مشورہ کر رہے تھے کہ اونٹوں اور نقاروں والا یہ حجازی جلوس نکالنا مناسب ہے یا نہیں۔ میری اکثر کارکنوں کی رائے میں اس وقت کے حالات میں جلوس کے حق میں تھی۔ ہم سب کے مخدوم اور ہر حیثیت سے بزرگ حافظ عبدالرحمٰن صاحب صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ امروہہ کی رائے نہیں تھی۔ وہ اس کو ثقاہت اور سنجیدگی کے خلاف سمجھتے تھے، یہ مشورہ جاری تھا کہ اچانک دو حضرات دفتر میں داخل ہوئے ان میں سے ایک تو مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی تھے اور دوسرے صاحب کو ہم میں سے کوئی بھی نہیں پہنچانتا تھا۔ جسم پر از سرتا پا کھدر کا لباس جسم پہلوانوں کا سا میں سمجھا کہ یہ مفتی صاحب

کے ساتھ کوئی رضا کار ہیں۔ اتنے میں خود مفتی صاحب نے بتایا کہ یہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہیں۔ یہ سن کر خصوصاً میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کیونکہ میرے تصور میں تو ان کی صورت اور وضع بخارا کے کسی شیخ خانقاہ کی سی تھی، مصافحہ اور ملاقات کے بعد بڑی بے تکلفی سے شاہ صاحب نے ہم لوگوں سے فرمایا کیا ہو رہا ہے؟ میں نے کہا ہم لوگ ایک چھوٹے سے مسئلے پر غور کر رہے ہیں، سنبھل کے رضا کاروں کا جتھہ آ رہا ہے وہ اس طرح کا جلوس نکالنا چاہتا ہے ہم میں سے کچھ کی رائے یہ ہے کہ نکلنا چاہئے اور بعض اسے ٹھیک نہیں سمجھتے۔ شاہ صاحب نے اپنے خاص انداز میں فرمایا کہ اس وقت کے ہم مفتی ہیں ہم فتویٰ دیتے ہیں کہ ایسا جلوس نکالنا چاہئے منگواؤ اونٹ اور نقارے ایک اونٹ پر میں خود بیٹھوں گا...... اس عاجز کی سب سے پہلی ملاقات شاہ صاحب سے یہی تھی اور ان کے انداز و مزاج کا یہ پہلا تجربہ تھا جہاں تک یاد ہے یہ جمعہ کا دن تھا۔‘‘(17)

عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی تقریر سنی اور اس سے بہت متاثر ہوئے، اس کے حوالے سے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

’’تقریر نے لوگوں کو اتنا متاثر کیا کہ پوری زندگی میں کسی کا اتنا اثر مجھے یاد نہیں، رسول دشمنی والے ناپاک اتہام کے سلسلے میں کچھ کہتے ہوئے جب شاہ صاحب نے مولانا جامی کے دو شعر اس موقعہ پر پڑھے تو دو آدمی تڑپ کر بے ہوش ہو گئے جن کو بہت دیر کے بعد ہوش آیا۔ یہ تقریر ڈھائی گھنٹے تک ہوئی اور یہ واقعہ ہے کہ اس پہلی تقریر نے سینوں کو انگریز دشمنی کے جذبے سے بھر دیا اور امروہہ کی فضا کو جمعیۃ کے حق میں اور آزادی کی جنگ میں شمول کے لئے آمادہ کر دیا، اور اس فضا میں اس تجویز کے پاس کرا لینے میں سب سے زیادہ حصہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہی کا تھا۔ عام و خاص مجالس کی اس شخص کی تقریروں نے کایا پلٹ دی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اللہ کا بندہ تقریر نہیں سحر کر رہا ہے۔‘‘(18)

مولانا منظور احمد نعمانیؒ نے مولانا حسین احمد مدنیؒ کے بارے میں ’’حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے میری واقفیت اور تاثرات‘‘ کے عنوان سے ایک مضمون تحریر کیا جس کے اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

مولانا مدنی سے ابتدائی تعارف کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

’’کچھ عرصہ کے بعد سننے میں آیا کہ حضرت شیخ الہند مالٹا سے رہا ہو کر دیو بند تشریف

لائے ، غالباً یہ تشریف آوری رمضان مبارک ۳۸ھ میں ہوئی تھی ۔شروع شوال میں جب عربی مدارس کا تعلیمی سال شروع ہوتا ہے میرے والد ماجد نے آئندہ تعلیم کے لئے مجھے دہلی استاذی حضرت مولانا کریم بخش صاحب سنبھلی مرحوم کے ساتھ بھیجنے کا فیصلہ فرمایا(مولانا مرحوم ان دنوں مدرسہ عبدالرب دہلی میں مدرس تھے) مولانا نے نظام سفر اس طرح بنایا کہ پہلے اپنے استاذ حضرت شیخ الہند کی زیارت کے لئے دیوبند جائیں گے ۔اور پھر وہاں سے دہلی ۔ مجھے بھی اس کی خوشی تھی کہ حضرت شیخ الہند کی زیارت نصیب ہوگی ۔اس زمانہ میں میرے وطن سنبھل اور مرادآباد کے درمیان ٹرین نہیں چلتی تھی ۔اس لئے سنبھل سے مرادآباد تک سفر لاری سے ہوا ۔مرادآباد پہنچ کر دیوبند کے لئے ٹکٹ خرید لئے گئے ۔لیکن تھوڑی دیر کے بعد مرادآباد کے ایک بزرگ سے حضرت استاذ کو یہ معلوم ہو گیا کہ حضرت شیخ الہند آج ہی دیوبند سے فتح پور ہسوہ روانہ ہونے والے ہیں اس لئے اس وقت دیوبند پہنچ کر حضرت کی زیارت نہ ہو سکے گی ۔افسوس کے ساتھ خریدے ہوئے وہ ٹکٹ واپس کر دیئے گئے اور دہلی کے ٹکٹ لے کر براہ راست دہلی روانہ ہو گئے ۔صبح کو جب ہم دہلی پہنچ کر مدرسہ عبدالرب میں داخل ہوئے تو وہاں فرش وفروش کا کچھ غیر معمولی اہتمام دیکھا۔دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہند اسی وقت تشریف لا رہے ہیں ۔شام تک یہیں مدرسہ میں قیام رہے گا اور آج ہی یہاں سے فتح پور کے لئے روانگی ہو جائے گی ۔استاذ مرحوم اور اس ناچیز کو بھی یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی ۔ دیر کے بعد حضرات رفقاء سمیت تشریف لے آئے ، ناچیز کو بھی زیارت کی سعادت نصیب ہوئی ،مولانا عزیر گل صاحب خادم خاص کی حیثیت سے ساتھ تھے ان کی زیارت بھی سب سے پہلے اسی وقت ہوئی ۔حضرت مولانا حسین احمد صاحب کا نام نامی سن چکا تھا اس لئے قدرتی طور پر ان کی زیارت کا بھی اشتیاق تھا، دریافت کرنے پر کسی سے معلوم ہوا کہ مولانا اس سفر میں حضرت شیخ الہند کے ساتھ نہیں ۔۔۔چند مہینے کے بعد صفر ۱۳۳۹ھ میں حضرت شیخ الہند کا وصال ہو گیا۔حضرت کی آمد پر خلافت کی تحریک میں ایک دم وسعت اور طاقت پیدا ہو گئی ملک بھر میں خلافت کے نام پر جلسے اور کانفرنسیں ہونے لگیں ۔ ہمارے وطن سنبھل میں بھی ایک بڑا جلسہ ہوا جس میں قریب قریب وہ سب بڑے علماء تشریف لائے جو خلافت کی تحریک میں اس وقت نمایاں اور پیش پیش تھے ۔حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ بھی تشریف لائے مجھے یاد

ہے کہ مدنی نسبت اور اسارت مالٹا کی وجہ سے ہر شخص کو دوسرے بزرگوں سے زیادہ حضرت مولانا ہی کی زیارت کا شوق تھا کم عمری کے باوجود میرا بھی یہی حال تھا۔حضرت مولانا کی پہلی زیارت اسی موقع پہ ہوئی ،خوب یاد ہے کہ حضرت مولانا جدھر کو نکلتے تھے مشتاقان زیارت کی بھیڑ لگ جاتی تھی۔''(19)

مولانا مدنی کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پہ اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''نماز کا امتیاز

خالص دینی اعمال میں نماز سب سے زیادہ عام چیز ہے اس لئے حضرت مولانا جیسی کسی عظیم دینی شخصیت کی نماز کا ذکر شاید بہت سے لوگوں کو کچھ عجیب سا معلوم ہوگا۔لیکن واقعہ یہ ہے کہ نماز کی حقیقت اگر کسی بندے کو نصیب ہو تو اس کو بندگی کا کمال نصیب ہوا اسی لئے نماز کو معراج المومنین کہا گیا ہے۔اور اسی لئے سیدنا حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں اسلامی قلمرو کے تمام عمال یعنی صوبوں کے افسران اعلیٰ کے نام بھیجے جانے والے ایک مراسلہ میں سب سے پہلی بات یہ لکھی تھی کہ ان اھم امورکم عندی الصلوٰۃ (تمہارے کاموں میں سب سے زیادہ اہم اور دوسرے سب کاموں سے زیادہ اہتمام کی مستحق میرے نزدیک نماز ہے)

حضرت مولانا مدنیؒ کے ساتھ اور قریب کھڑے ہو کر جب کبھی نماز ادا کرنے کا اتفاق ہوا تو ہمیشہ یہ محسوس ہوا کہ حضرت مولانا وہ نماز پڑھتے ہیں جو ہم کو نصیب نہیں خاص کر جب مولانا فجر کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھتے تھے تو بعض اوقات تو خطرہ ہونے لگتا کہ کہیں قلب نہ پھٹ جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی محبت اور اتباع سنت:۔

حدیث میں حقیقت ایمان کو رسول اللہ ﷺ کی محبت سے وابستہ بتلایا گیا ہے۔فرمایا گیا ہے کہ جس شخص کو اپنے ماں باپ ،اپنی اولاد اور خود اپنی ذات سے بھی زیادہ رسول اللہ ﷺ سے محبت نہ ہو اس کو حقیقت ایمان نصیب نہیں ہے۔اور حضور کی اس محبت کا لازمی نتیجہ آپ سے نسبت رکھنے والی ہر چیز کی عظمت و محبت اور آپ کی سنتوں اور عادات و اطوار کے اتباع کا اہتمام اور شغف ہے۔اس عاجز نے اس باب میں بھی حضرت مولانا کو بہت ممتاز پایا رسول اللہ ﷺ سے ادنیٰ نسبت رکھنے والی ہر چیز کے ساتھ حتیٰ کہ مدینہ طیبہ کی مٹی کے ساتھ حضرت مولانا کو جو خاص قلبی تعلق تھا جس کا ظہور اپنے موقع پر ہوتا رہتا تھا۔اس کی مثال اس عاجز نے دوسری جگہ نہیں دیکھی۔اس طرح اتباع سنت کا اہتمام اور شغف ،عبادات ہی میں نہیں بلکہ امور معاشرت اور عادات میں بھی جس قدر

فرماتے تھے، تلاش کرنے والے کو اس کی مثالیں خواص اہل دین میں بھی شاذ و نادر ہی ملیں گی۔ سنن نبویہ کا اتباع گویا آپ کا مزاج بن گیا تھا۔ مثلاً تکیہ چمڑے کا استعمال فرماتے تھے، کھانا کھاتے وقت نشست ہمیشہ سنت کے مطابق ہوتی تھی، اپنے دستر خوان پر (جو عام طور پر گول ہوتا اور جس پر دس بارہ آدمی آپ کے ساتھ دائرہ بنا کر بیٹھتے سالن ایک ہی بڑے برتن میں ہوتا اور سب کے ہاتھ اسی ایک برتن میں پڑتے حتیٰ کہ اگر کہیں دعوت میں شرکت فرماتے اور وہاں آج کل کے رواج کے مطابق ہر شخص کے کھانے کی پلیٹ الگ ہوتی تو اپنے قریب والوں کو اپنے ساتھ شامل فرما کر وہاں بھی مسنون طریقہ پر ان کے ساتھ ایک ہی پلیٹ میں کھانا تناول فرماتے۔ اسی طرح اٹھنے بیٹھنے اور لیٹنے سونے حتیٰ کہ لباس جوتا پہننے میں طریقہ سنت کی پابندی فرماتے۔۔ اگر آپ کے تشریف لانے پر آپ کے نیاز مندانہ اور خدام تعظیماً کھڑے ہو جاتے' جیسا آج کل کا عام دستور ہے) تو ناراضگی کا اظہار فرماتے بلکہ بعض اوقات اس اظہار ناراضگی میں برافروختگی بھی ہوتی۔۔ اور فرماتے کہ آپ لوگ کیوں کھڑے ہوئے کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس طرح کھڑے ہونے سے ناگواری ہوتی تھی۔'' (20)

اس مضمون میں مولانا نعمانیؒ نے حضرت مدنیؒ کے ذاتی اوصاف، تواضع، خاکساری، تعلق باللہ، ایثار و مہمان نوازی، کے بارے میں مختلف واقعات اور ان کی عادات و اطوار کے بارے میں تحریر کیا۔ جس سے مولانا حسین احمد مدنیؒ کی زندگی کے بہت سے پہلو جو عام لوگوں سے مخفی تھے، ظاہر ہوئے۔ اس مضمون سے اس دور کے حوالے سے بھی خاصی معلومات ملتی ہیں جس میں مولانا مدنی آزادی کی تحریک کے ساتھ وابستہ تھے۔ یہ مولانا نعمانیؒ کی تحریر کا امتیاز ہے کہ جب وہ کسی شخصیت کی ذاتی زندگی کے بارے میں لکھتے ہیں تو ساتھ ہی اس دور کے سیاسی مذہبی حالات کو بھی اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اصل عنوان بھی مدنظر رہتا ہے اور ساتھ ساتھ اس دور کے بارے میں معلومات بھی قارئین تک پہنچ جاتی ہیں۔

علمائے دین کے ساتھ مولانا منظور نعمانیؒ کو نہایت عقیدت اور انس تھا، آپ نے علمائے حق کی سیرت و کردار ،ان کے حالات زندگی میں بہت کچھ لکھا ہے، ان کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا مقصد نہ صرف علمائے حق کی قربانیوں، ان کی شخصیت اور کردار کو متعارف کروانا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان کی سوچ و فکر کو بھی عام کرنا تھا۔ اسی حوالے سے مولانا نعمانیؒ، مولانا یوسف لدھیانویؒ کی تحریروں کو ترتیب دے کر انہیں شائع کیا۔ اس سلسلے میں ایک رسالہ تحریر کیا جس میں ''مولانا کا طرز فکر چند جھلکیاں'' کے عنوان سے ان کی تقریروں کو ترتیب دے کر شائع کیا۔ اس

کاوش کے بارے میں مولانا منظور نعمانیؒ خود تحریر کرتے ہیں۔

''اس عاجز کے پاس حضرت مولانا محمد یوسفؒ صاحب کی مختلف تقریروں کے کچھ منتشر نوٹس تھے۔ یہ سارے نوٹس صرف اشارات میں تھے جو دراصل خود اپنے استفادہ اور اپنی یادداشت کے لئے نوٹ کئے گئے تھے ان میں سے چند ٹکڑے مرتب کئے جا رہے ہیں۔ ہر ٹکڑے کے مضمون کے متعلق اظہار اطمینان ہے کہ وہ حضرت مولانا ہی کا ہے لیکن الفاظ کی ذمہ داری تمام تر اس عاجز پر ہے۔اسی طرح آیات قرآنی کے جو ترجے کئے گئے ہیں ان کا ذمہ دار بھی یہ ناچیز ہے۔

یہ مختلف تقریروں کے الگ الگ اجزا ہیں۔اب یہ بھی پتہ نہیں کہ ان میں کون تقریر کس زمانہ میں کی گئی تھی جن لوگوں نے مولانا کی تقریریں سنی ہیں اور ان کی دینی دعوت کو بنیادی طور پر سمجھا ہے۔امید ہے یہ ٹکڑے انہیں بہت کچھ یاد دلائیں گے اور وہ ان میں اپنے لئے رہنمائی کا کافی سامان پائیں گے۔''(21)

اس کے علاوہ مولانا منظور نعمانیؒ نے مولانا یوسفؒ لدھیانوی اور مولانا الیاسؒ کے حوالے سے ایک مضمون تحریر کیا۔

جو کہ ایک رسالہ ''تذکرہ حضرت جی'' کے نام سے مکتبہ خلیل لاہور سے اکتوبر ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا۔اس مضمون میں مولانا الیاسؒ کی رحلت، نیابت، مولانا یوسفؒ لدھیانوی کے حالات میں تبدیلی اور تبلیغی کام میں ان کا والہانہ لگاؤ اور نصرت خداوندی کے مختلف مظاہر کا بیان کیا گیا ہے۔

مولانا منظور نعمانیؒ نے دینی دعوت واصلاح کے حوالے سے کئی مضامین اور کتب تحریر کیں۔اس سلسلے کا ایک اہم مضمون جس کا عنوان ہے ''اگر رسول اللہ ﷺ اس زمانے میں ہوتے!'' ملاحظہ فرمائیں۔

''فرض کیجئے اگر رسول اللہ ﷺ اس زمانے میں ہوتے۔

اور کسی قابل اعتماد اور باوثوق ذریعہ سے ہم کو معلوم ہوتا کہ فلاں دن اور فلاں جگہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نہایت اہم پیغام سنانے والے ہیں جس میں ہدایت وضلالت اور نجات و ہلاکت کے راستوں کو صاف صاف بیان کر کے قیامت تک آنے والے بندوں پر اللہ کی حجت تمام کر دی جائیگی، اور مقدس رسول کی زبانی اللہ پاک کا یہ آخری پیغام ہوگا، جس کے بعد ہم کوئی الٰہی پیغام اور رسول خدا کا کوئی جدید بیان نہیں سن سکیں گے......اور اس مقررہ مشتہرہ مقام پر پہنچنا بھی ہمارے

لئے بہ آسانی ممکن ہوتا، اوراس تاریخ کے آنے میں بھی اتنے دن بھی باقی ہوتے کہ اس سرکاری پیغام کی اصلی زبان اگر ہم جانتے ہوتے تو اس کا سیکھ لینا بھی اس عرصہ میں ہمارے لئے ممکن ہوتا جس کے بعد ہم اس پیغام کواس کی اصلی اسپرٹ میں پوری طرح سمجھ سکتے اور پھراس کے سیکھنے کے وسائل بھی ہم کو میسر ہوتے ...... لیکن اس کے باوجود ہم اس زبان کے سیکھنے کی کوئی کوشش نہ کرتے، اور جب وہ مبارک دن آجاتا تو اللہ کے اس نہایت اہم پیغام اور رسول کے اس آخری بیان کو سننے یا بعد کو بالواسطہ ہی اس سے واقفیت حاصل کرنے کا خیال بھی ہمارے دل میں نہ آتا اوراس کی طرف ہم کوئی توجہ ہی نہ کرتے تو کیا دنیا کی کوئی عقل بھی ہمارے اس طرزِ عمل کو دیکھ کر یہ رائے قائم کرسکتی تھی کہ ہمارے دلوں میں اللہ ورسول کی کوئی عظمت و وقعت اور ہماری نظروں میں ان کے پیغاموں کی کچھ بھی قدر و قیمت؟ کوئی دوسرا کچھ کیوں کہے! آپ ہی خوب سوچ سمجھ کر دلوں سے اس کا جواب لیجئے...... اچھا اگر آج کسی شخص کے متعلق آپ کو معلوم ہوجائے کہ اس نے اللہ ورسول اوران کے مقدس پیغاموں کی طرف سے اتنی ہی بے اعتنائی اور ایسی ہی لاپرواہی اختیار کررکھی ہے تو کیا اس کے بعد بھی دولت ایمان وایقان سے اس کی محرومی میں آپ کو کچھ شک وشبہ ہوگا؟

سوال کی جوصورت سطور بالا میں آپ کے سامنے رکھی گئی ہے کیا یہ محض فرضی ہے؟ بے شک رسول اللہ ﷺ اپنے جسد عنصری کے ساتھ اس دنیا میں رونق افروز نہیں ہیں لیکن اللہ پاک کا جو آخری فیصلہ کن پیغام اس کے آخری رسول، حضرت محمد ﷺ عربی لے کر آئے تھے وہ بغیر کسی ادنیٰ تغیر وتبدل کے آج ساڑھے تیرہ سو برس سے زیادہ زمانہ گذر جانے پر بھی اپنی اسی شان جلالی و جمالی اور اسی شادابی و تازگی کے ساتھ موجود ہے ہمارے گھروں میں اس کی کئی کاپیاں اور کئی کئی نسخے رکھے ہوئے ہیں۔۔۔اب ہم جس وقت چاہیں خداوند قدوس کے اتارے ہوئے اور مقدس رسول کے لائے ہوئے اس ''پیغام ہدایت'' کو بالکل اسی کے اصلی لفظوں میں دیکھ سکتے ہیں پڑھ سکتے ہیں اور اگر تھوڑی سی بھی عربی آتی ہو تو خود اس کا مطلب ومنشاء سمجھ سکتے ہیں۔اور کسی درمیانی واسطہ کے بغیر اس سے براہ راست ہدایت حاصل کرسکتے ہیں، اللہ کی رضامندی اور فلاح دینوی واخروی کے طریقے اس سے دریافت کرسکتے ہیں، گویا یوں سمجھئے کہ نہایت پیاری اور بے حد شیریں عربی زبان بولنے والا اور عربی ہی میں خدا کا ''پیغام

ہدایت'' سنانے والا ایک زندہ جاوید پیغمبر (بشکل قرآن ہمارے گھروں میں آج بھی موجود ہے) لیکن ہمارا برتاؤ اس کے ساتھ کیا ہے؟۔۔۔ کتنے ہم میں ہیں جو اس سے ہدایتی تعلق رکھتے ہیں۔۔۔ کتنے ہیں؟ جو اس سے اچھی طرح فیض حاصل کرنے کے لئے اور اس کو براہ راست سمجھنے کے لئے عربی زبان سیکھ چکے ہیں یا سیکھ رہے ہیں؟ اور کتنے ہیں جو عربی زبان نہ جاننے اور اس کے لئے کوئی ذریعہ بھی نہ پاسکنے کی مجبوری سے کسی اردو ترجمہ یا تفسیر کی روشنی میں یا درس قرآن کے کسی حلقہ میں شریک ہو کر ہی اس کی بات سمجھنے کی اور اس سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرتے اور اس کے لئے اپنے وقت کا کچھ حصہ صرف کرتے ہیں؟

ذرا ہندوستان ہی کے ''نو کروڑ مسلمانوں'' پر اس جہت سے ایک نظر ڈالئے اور سوچئے کہ کتنی گہرائی ہے ان کے ایمانی دعوؤں میں اور کتنا تعلق ہے ان کو اللہ و رسول اور ان کے پیغاموں سے؟ اللہ کے بندو! رسول کی محبت کا دم بھرنے والو! اور قرآن کی عظمت و تقدیس کی قسمیں کھانے والو! اللہ و رسول کے اس مقدس پیغام (قرآن) کے ساتھ یہ بے اعتنائی اور یہ لا پروائی! کیا خدا کے سامنے اپنے اس تغافل مجرمانہ کی تم جواب دہی کر سکو گے؟ اور کیا عذر ہو گا تمہارا اس وقت جب رب العزت کے تخت جلال کے سامنے اس کا رسول فریادی بن کر درد و حسرت کے ساتھ کہتا ہو گا۔۔۔ یارب ان قومی اتخذ واھذا القرآن مھجورا (اے میرے خداوند! میری اس قوم نے اس قرآن کو بالکل چھوڑ رکھا تھا)

قرآن پاک کے ساتھ مسلمانوں کے معاملہ پر اگر آپ طبقہ وار نظر ڈالیں تو دیکھیں گے کہ ''مسلمان'' کہلانے والی امت میں ایک بہت بڑی بلکہ خارج از حد و شمار تعداد تو ان غیر تعلیم یافتہ سب سے نیچے کے طبقہ عوام کی ہے جن بے چاروں کو کبھی قرآن مجید کی ہوا بھی نہیں لگی۔ پھر ان سے کچھ کم تعداد میں دوسرے درجے کے وہ عوام ہیں جنھوں نے کبھی بچپن میں کسی پرانے طرز کے مکتب میں بیٹھ کر یا کسی ''حافظ جی'' سے قرآن مجید ناظرہ پڑھا تھا لیکن اس کے بعد کبھی اس کو کھول کر دیکھنے کی نوبت ہی نہیں آتی، بجز اس کے کہ محلّہ، برادری میں کبھی کبھار کوئی مر جاتا ہو اور پڑوس یا قرابت کے خیال سے اس کے ''تیجے'' میں ایک آدھ بار پارہ پڑھنا پڑ جاتا ہو۔ پھر وہ بھی اپنے لئے نہیں بلکہ اس مر جانے والے کو ''بخشنے'' کے لئے بلکہ فی الحقیقت تو اکثر و بیشتر صرف محلّہ یا برادری کا

''حق'' اتارنے ہی کے لئے ......تو اس طبقے کا تعلق ''قرآن مجید'' سے بس کسی کی موت اور تیجے ہی کا ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔

اس قسم کے لوگوں سے کچھ کم تعداد میں کچھ ایسے نیک لوگ بھی ہیں ''جو حصول ثواب و برکت'' کی خاطر کبھی کبھی یا روزمرہ قرآن مجید کے پارہ دو پارہ کی تلاوت تو کرتے ہیں اور بڑی خوش اعتقادی سے کرتے ہیں مگر بے چارے اس کے مطلب و مقصد سے قطعاً ناآشنا ہیں، کیونکہ عربی جو اس کی زبان ہے اس سے واقف نہیں اور جس زبان میں پڑھنا لکھنا وہ جانتے ہیں مثلاً اردو تو اگرچہ اس میں اب بہت سے ترجمے اور تفسیریں لکھی جا چکی ہیں اور ایک اردو داں ان کی مدد سے بھی قرآن مجید کے مطلب و مقصد سے اچھی خاصی حد تک آشنا ہو سکتا ہے لیکن ان بے چاروں کے ذہن میں کبھی یہ خیال ہی نہیں آتا کہ قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرنا اور اپنی عملی زندگی کے لئے اس سے ہدایت لینا بھی کوئی بہت ضروری بات ہے اس لئے مدت العمر وہ بس تلاوت ہی کا ثواب حاصل کرنے پر قانع رہتے ہیں، گویا کہ قرآن مجید بس ان کی تلاوت ہی کے لئے نازل ہوا ہے اور اس سے زیادہ اس کا کوئی مطالبہ ان سے نہیں ہے اسی واسطے قرآن پاک کے مطالب و مقاصد سے واقفیت حاصل کرنے کا کوئی داعیہ کبھی ان کے دل میں پیدا نہیں ہوتا، رہا جدید تعلیم یافتہ طبقہ تو باستثنائے شواذ اس کی غالب ترین اکثریت نے دین کے تمام ہی علمی و عملی شعبوں سے جیسی کنارہ کشی اختیار کر رکھی ہے۔'' (22)

علماء کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''تمام طبقات کی بنسبت محدود اور قلیل التعداد ایک گروہ ''باضابطہ علمائے کرام'' کا بھی جو اپنی اس قلت کے باوجود بھی ہزاروں سے متجاوز اور لاکھوں کے شمار میں ہوگا، ان حضرات نے برسہا برس دینی مدرسوں میں گذار کے عربی سیکھی ہے، اس کی صرف و نحو تک آٹھ آٹھ دس دس کتابیں پڑھی ہیں۔ معانی اور بیان و بدیع میں بھی کم از کم ''تلخیص المفتاح'' اور ''مختصر المعانی'' تو ضرور ہی ان کے زیر درس رہی ہوگی، فقہ اور حدیث کی بہت سی کتابوں پر بھی انہوں نے عبور حاصل کیا ہے، قرآن کی تفسیر کے نام سے بھی کم از کم ایک کتاب ''جلالین'' تو سبقاً سبقاً پڑھی ہوگی اور اگر خوش نصیبی سے تعلیم کسی بڑے ''دارالعلوم'' میں ہوئی ہے تو شاید ''بیضاوی'' و ''مدارک'' کا کچھ حصہ بھی زیر درس رہا ہو، اس لئے قرآن پاک میں تدبر و تفکر اور اس کی ہدایات سے براہ راست استفادہ کم

از کم ان کا شغل حیات ہی ہونا چاہئے۔اور ان کے متعلق تو یہ امید بجا اور درست ہی ہونی چاہئے کہ اللہ کی اس کتاب عظیم سے ان کا تعلق بڑا گہرا ہوگا اور یہ خوش نصیب حضرات تو ''قرآن حکیم'' کی تلاوت بالکل اسی طرح اور اس تصور کے ساتھ کرتے ہوں گے کہ ان کے سامنے گویا ایک پیغمبر ہے جو خدا کی غیر مشکوک وحی ان کو سنا رہا ہے اور وہ اپنے سینے کے کواڑ کھول کر اس کے سامنے اس کا درس ہدایت سننے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے بیٹھے ہیں۔مگر آہ یہاں بھی یہ امید بڑی حد تک پامال ہی ہے۔مستثنیات کو چھوڑ کر (جن کا شمار غالباً پانچ فیصد بھی نہ ہوگا) اس طبقہ علماء کا عام حال بھی اس باب میں دوسروں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔یہاں بھی قرآن مجید کی عموماً ''تلاوت'' ہی کی جاتی ہے اور ''کتاب ہدیٰ'' و ''موعظہ وذکری'' ہونے کی اس کی جو اصل حیثیت تھی وہ یہاں بھی عموماً کم از کم عملاً تو فراموش ہی کر دی گئی ہے۔حالانکہ خود اس کا نازل کرنے والا اسی میں یہ اعلان کر رہا ہے کہ ''یہ کتاب اسی واسطے بھیجی جا رہی ہے کہ تم غور وتامل سے اس کی باتیں سنو، اس کے احکام کو سمجھو اور اس سے ہدایت ونصیحت حاصل کرو۔''(23)

قرآن حکیم کی تعلیم کو سیکھنے اور سمجھنے کے حوالے سے مولانا نعمانیؒ لکھتے ہیں۔

''اگر آپ نے معاملہ کی اہمیت کو اچھی طرح محسوس کر لیا ہے، اور اس سلسلہ میں آپ پر جو فرض عائد ہوتا ہے اس سے عہدہ برآ ہونا چاہتے ہیں تو پہلا کام آپ کا یہ ہے کہ اولاً اس نقطہ نظر سے اپنے ہی طرز عمل پر نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ اگر خدانخواستہ آپ نے بھی اب تک قرآن پاک کے سمجھنے اور اس سے ہدایت ونصیحت حاصل کرنے کی کوشش میں کوتاہی کی ہے تو آئندہ کے لئے آج ہی سے رویہ کو بدل دیجئے اس طرح کہ اگر آپ خدا کے فضل وکرم سے قرآن پاک سمجھنے کے بقدر عربی جانتے ہیں تو اب ہدایت ونصیحت حاصل کرنے کے ارادہ سے اس کو سمجھ سمجھ کر پڑھنے کی عادت ڈالئے اور اگر آپ اتنی عربی نہیں جانتے ہیں تو پھر کسی عربی داں کی مدد سے اتنی عربی سیکھ لیجئے اور یقین کیجئے کہ اگر اس راہ میں آپ کو کوئی اچھا رہنما مل گیا تو بس دو تین مہینے کی معمولی محنت سے آپ قرآن فہمی کی ضرورت کے بقدر عربی سیکھ سکیں گے، اور جو کمی رہ بھی جائے گی وہ ان شاء اللہ قرآن پاک کے اشتغال سے یوں ہی پوری ہوتی رہے گی۔ بلکہ اس عاجز کا تجربہ تو صرف ایک مہینہ کا بھی ہے۔کاش میرے سر دوسرے کاموں کی ذمہ داریاں نہ ہوتیں تو

جی چاہتا تھا کہ میں شہر شہر گشت کر کے اسی کی تبلیغ کرتا پھرتا اور جو لوگ عربی زبان کو مشکل سمجھ کر اس کی تحصیل سے ہچکچاتے ہیں اور اس لئے قرآن وحدیث کی برکات سے محرومی ہی پر قانع ہو جاتے ہیں ان کو صرف ایک مہینہ میں بعون اللہ تعالیٰ اتنی عربی سکھا کر دکھاتا جس کے بعد وہ قرآن وحدیث کو ایک عربی داں طالب علم کی طرح پڑھ سکتے اور اپنی ذاتی بصیرت کے ساتھ اس سے ہدایت وموعظت حاصل کر سکتے۔''(24)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے مختلف جرائد ورسائل میں بکھرے مضامین ان کی علمی قابلیت، عصری مسائل سے واقفیت اور دینی تعلیمات کے پرچار اور اصلاح معاشرہ کے حوالے سے ان کے جذبہ صادقہ کا اظہار ہوتا ہے۔

فصل سوم: مولانا محمد منظور نعمانیؒ اپنی تصنیفات کے آئینے میں (جائزہ)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی تصانیف ان کی علمی وفنی اور ادبی محنت اور صلاحیتوں کی عکاس ہیں ان کی اس صلاحیت کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے استاد مولانا انور شاہ کشمیریؒ لکھتے ہیں۔

''اللہ پاک اسلام کی صحیح خدمت کے لئے آپ کو عمر دراز عطا فرمائے اور علم میں ترقی عطاء فرمائے۔ اللہ پاک نے آپ کو اپنی خصوصی عنایات سے تصنیف کا بہترین ملکہ عطا فرمایا ہے''(25)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی کتاب جو کہ انہوں نے ایرانی انقلاب کے رد میں لکھی جس کا عنوان تھا ''انقلاب ایران اور امام خمینی'' پہ تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں۔

''۱۹۸۴ء میں برصغیر ہندو پاکستان میں خمینی صاحب کی دعوت اور ایرانی انقلاب کے سلسلہ میں حوصلہ من طبیعتوں اور عالم اسلام کے جمود، متعدد مسلم ممالک میں دینی تحریکوں کی مخالفت اور دنیا کی دو عظیم طاقتوں (امریکہ اور روس) سے اپنی قسمت کو وابستہ کرنے اور ان کے سایہ میں زندگی گزارنے والے متعدد عرب ومسلم ممالک کے حالات سے بیزار مسلمانوں کی نفسیاتی کیفیت یہی ہوگئی تھی کہ انہوں نے علامہ خمینی کو اس افسردہ اور تاریک فضا میں روشنی اور امید کا ایک روشن تارا اور امام منتظر کی حیثیت دینی شروع کر دی اور بہت سے سنجیدہ اسلامی الفکر اہل قلم اور داعیوں نے عقیدہ ومسلک اور ضلالت کو ہدایت کے فرق وامتیاز اور اس حقیقت سے آنکھیں بند کر کے خمینی صاحب کی اس دعوت کا اثر اسلام کے پورے ذخیرہ نبوت محمدی کی مساعی اور نتائج اور اسلام کے پورے تاریخی کردار پر کیا پڑے گا ان کی حمایت شروع کر دی۔ اس صورتحال سے متاثر

ہو کر رفیق محترم مولانا محمد منظورؒ صاحب نعمانی نے جوادیان وفرق کے تقابلی مطالعہ کے پرانے ماہر اور میدان مناظرہ کے ایک تجربہ کار سپاہی اور مجاہد تھے اور عرصہ تک امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی کی زندگی میں دارالمبلغین میں تدریس وتربیت کی خدمت انجام دے چکے تھے، اپنے امراض و پیرانہ سالی کے باوجود ''ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت'' کے عنوان سے ایک مدلل اور مفصل کتاب لکھی جس میں صحابہ کرامؓ، خلفائے راشدینؓ، امامت اور ائمہ کے عقیدہ اور تحریف قرآن کے دعویٰ کے سلسلہ میں فرقہ اثنا عشریہ کی مستند اور متفق علیہ کتابوں کے قائل اور داعی ہیں، اور اس کے ثبوت میں ان کے رسائل وکتب کے اقتباسات پیش کئے۔'' (26)

معارف الحدیث مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی اہم ترین تصنیف ہے جس میں احادیث کو موضوع بنایا گیا ہے ، ماہنامہ معارف نے آپ کی تصنیف معارف الحدیث پہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''مولانا منظور نعمانی نے عقیدہ وکلام اور فقہ وتصوف کے موضوعات پر کثرت سے تحریریں سپرد قلم کیں۔ لیکن علم حدیث میں ان کی معارف الحدیث کو خاص مقام حاصل ہے، اس سلسلے کی سات جلدوں میں انہوں نے کتاب الایمان سے کتاب المعاشرہ تک مستند احادیث کے انتخاب، تشریح اور توضیح کی نہایت مفید علمی و دینی خدمت انجام دی، زیر نظر کتاب اس سلسلے کی آٹھویں اور آخری جلد ہے، جو ان کے انتقال کے چار سال بعد شائع ہوئی ہے۔ اس میں کتاب العلم، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، کتاب الفتن اور کتاب الفضائل کی احادیث شامل ہیں، مباحث کو سہل وسادہ اور منطقی اسلوب میں پیش کرنے کا مولانا کو خاص ملکہ تھا، اس مجموعہ کی بھی سب سے نمایاں خوبی یہی ہے۔ خاص طور پہ نبی کریم ﷺ کے مرض وفات، نزول حضرت عیسیٰ، ظہور مہدی ، فضائل خلفائے راشدین اور کتاب الفتن کی احادیث شریفہ میں ان کا انداز بیان بڑا مئوثر ہے۔ اہل قرآن ، منکرین سنت اہل تشیع کے رد میں ان کی طبعی مناظرانہ صلاحیت بھی جابجا نظر آتی ہے۔ لیکن اصل روح یعنی حضور اکرم ﷺ سے ایمانی تعلق اور حصول ہدایت پوری کتاب میں جاری وساری ہے۔ مولانا مرحوم کی علالت اور پھر انتقال کی وجہ سے چند ابواب تشنہ رہ گئے تھے، ان کی تکمیل ان کے خویش مولانا زکریا سنبھلی نے بخوبی کردی، مولانا مرحوم کے صاحبزادے مولانا عتیق الرحمٰن نے مقدمہ میں اس خوبی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ تشریح وتفہیم بنیادی طور پر فکر ولی اللہی کی روشنی میں کی گئی

ہے۔''(27)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی کتاب ''دین وشریعت'' ان کی دینی مسائل کے حل پہ گرفت اور اصلاح واحوال کے لئے ہر ذہنی سطح کے لئے قابل سمجھ وقبول کی صلاحیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

''یہ کتاب مصنف کی چند تقریروں کا مجموعہ ہے جو نظر ثانی اور اضافوں کے بعد کتابی شکل میں شائع کی گئی ہے۔ اس میں دین وشریعت کے بنیادی اصول یعنی ایمانیات و اعتقادات، عبادات، معاملات، اخلاق اور حکومت و سیاست، تصوف واحسان سے بحث کی گئی ہے۔ اور ان کی اہمیت وضرورت اور ان سے متعلق ضروری باتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ غیر مؤثر اور بے روح عبادات کو خالص اور مؤثر بنانے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ ایک باب میں دین کی خدمت ونصرت کی مختلف صورتیں، دعوت الی الخیر، امر بالمعروف و نہی عن المنکر تبلیغ و ارشاد، تعلیم وتربیت اور قتال فی سبیل اللہ کا ذکر ہے۔ حکومت وسیاست کے باب کا وہ حصہ خاص طور سے زیادہ مفید ہے جس میں غیر اسلامی ملکوں میں رہنے والے مسلمانوں کے مسائل پہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ فاضل مصنف دینی بصیرت اور اسلام کی خدمت کا مخلصانہ جذبہ رکھنے کے ساتھ اس دور کے حالات اور تقاضوں سے بھی باخبر ہیں، اس لئے ملحدین اور اہل زیغ وضلال کے شکوک وشبہات اور مغالطوں کا جواب بھی دیتے گئے۔ اس لئے یہ کتاب ہر حیثیت سے بڑی قابل قدر ہے۔ مصنف کے پختہ قلم اور مؤثر اسلوب تحریر نے اس میں مزید دلنشینی اور تاثیر پیدا کر دی ہے، جس سے ایمان میں تازگی اور عمل میں درستگی پیدا ہوتی ہے۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ اس سے اوسط درجہ کے پڑھے لکھے لوگ فائدہ اٹھائیں۔''(28)

''اس کتاب کا انگریزی زبان میں ترجمہ جناب ڈاکٹر آصف قدوائی نے کیا ہے جو لکھنو کے علاوہ پاکستان سے بھی شائع ہو چکا ہے۔''(29)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی شخصیت کا حقیقی عکس معارف الحدیث سے ملتا ہے۔

''فاضل مصنف نے اردو میں منتخب احادیث کی جمع وترتیب اور ان کے ترجمہ وتشریح کا جو مفید سلسلہ شروع کیا ہے یہ اس کا دوسرا حصہ ہے، پہلا عرصہ ہوا شائع ہو چکا ہے۔ ان دونوں حصوں میں ایسی حدیثیں جمع کی گئی ہیں۔ جن کا تعلق عملی زندگی سے ہے اور جن سے دینی اور روحانی تربیت، سیرت سازی اور صحیح اسلامی زندگی کی تعمیر میں ہدایت و رہنمائی حاصل ہوتی ہے چنانچہ پہلے حصہ میں اس کی اساس و بنیاد، ایمان وآخرت سے

متعلق اور اس حصہ میں رقاق واخلاق کی احادیث ہیں۔ کتاب الرقاق میں خوف خدا ،فکرآخرت، دنیا کی تحقیر ومذمت، زہد واس کے ثمرات وبرکات، اور زہد نبوی اور کتاب الاخلاق میں اچھے برے اخلاق، سخاوت وبخل، احسان وایثار، اور اس کی حقیقت، انس ومحبت اور بے گانگی وعداوت، دینی اخوت واسلامی ہمدردی، نرم مزاجی، اور درشت خوئی، خوش کلامی اور بدزبانی، صدق وامانت اور کذب وخیانت، ایفائے وعدہ ووعدہ خلافی، تواضع وخاکساری اور غرور وتکبر، شرم وحیا، قناعت واستغفار اور حرص وطمع، صبر وشکر، توکل اور رضا بالقضاء، اخلاص وللّٰہیت اور نام ونمود وغیرہ کے عنوانات کے ماتحت ان سے متعلق حدیثیں جمع کی گئی ہیں۔ ہر عنوان کے شروع میں اس کی اہمیت وحقیقت واضح کی گئی ہے۔ اس کے بعد اس کے متعلق احادیث مع ترجمہ تحریر کی گئی ہیں اور ان کی دلنشین تشریح کی گئی ہے۔ مصنف دینی بصیرت کے ساتھ موجودہ زمانہ کے مذاق اور رجحانات سے بھی واقف ہیں اس لئے احادیث کے انتخاب اور ان کی تشریح میں بھی اس کا لحاظ رکھا ہے۔ چنانچہ اگر کسی حدیث کے کسی پہلو پر کوئی شبہہ یا اعتراض وارد ہوتا ہے تو تشریح میں اس کو صاف کر دیا گیا ہے۔ مگر اس طرح کہ حدیث کی اصل روح میں کوئی فرق نہیں آنے پایا ہے۔ اردو میں حدیثوں کے جو مجموعے اب تک مرتب ہو چکے ہیں، یہ مجموعہ ان سب میں بہتر ومفید اور اس لائق ہے کہ مسلمان اس گنج گرانمایہ سے پورا فائدہ اٹھائیں۔'' (30)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ اپنی کتاب ''تصوف کیا ہے''؟ کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

''آج کل تصوف کے بارہ میں بڑی افراط وتفریط پائی جاتی ہے ایک طبقہ جو تصوف کی حقیقت سے نا آشنا ہے وہ اس کے غلط نمونوں کو دیکھ کر سرے سے اس کا مخالف ومنکر ہے، دوسرا خوش عقیدہ گروہ خانقاہی بدعات وخرافات کو تصوف سمجھتا ہے، کچھ لوگ تصوف کے تو منکر نہیں لیکن ان کو ان کے بعض اعمال واشغال کے متعلق شکوک وشبہات ہیں۔ مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ، مولانا منظورؒ صاحب نعمانی اور مولانا محمد اویس صاحب نگرامی نے جو شریعت وطریقت دونوں کے جامع اور دین کے صحیح علم کے ساتھ بادہ عرفان کے بھی ذوق شناس ہیں تصوف کے متعلق غلط فہمیوں کے ازالہ اور اس کی حقیقت پر مختلف مضامین لکھے تھے جن میں سے بعض مضامین الفرقان میں بھی شائع ہو چکے ہیں اب ان کو کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے اس مجموعے میں حسب ذیل مضامین

ہیں ،تصوف پر ابتدائی غور اور تجربہ ،تصوف اور اس کے اعمال و اشغال کے متعلق میرے چند یقین ،تصوف اور اس کے اعمال و اشغال کے متعلق شکوک وشبہات کا جواب ۔یقین اور اس کے ثمرات تصوف شیخین (امام ابن تیمیہ اور ابن قیم)،مولانا محمد اویس نگرامی ،اہل تصوف اور دینی جدوجہد ،ان مضامین سے متعلق تمام شکوک وشبہات اور غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں اور یہ واضح ہو جاتا ہے کہ صحیح تصوف روح شریعت ہے اس لئے یہ مجموعہ تصوف کے قائلین ،منکرین اور متشککین سب کے پڑھنے کے لائق ہے۔''(31)

مولانا کی کتاب ''نماز کی حقیقت''

''نماز درحقیقت اللہ تعالٰی کی الوہیت اس کی عظمت و کبریائی اور بندہ کی عبدیت اور عجز و درماندگی کا اعتراف اور اللہ تعالٰی سے دعا و استعانت ہے اس لئے اسلامی عبادات میں سب سے زیادہ اہمیت نماز کو حاصل ہے اور کلام مجید و احادیث نبوی میں اس کی بڑی فضیلت اور اس کے پڑھنے کی بڑی تاکید اور اس کے ترک پر بڑی وعید ہے۔اور اس کے بڑے دنیاوی واخروی فضائل و برکات بیان کئے گئے ہیں۔لیکن آج کل عموماً مسلمان نماز ہی سے غافل ہیں جو لوگ پڑھتے ہیں ان کی نمازیں بے روح ہوتی ہیں اس لئے ان سے موعودہ فوائد وثمرات بھی حاصل نہیں ہوتے ۔فاضل مصنف نے اس رسالہ یں مئوثر اور دلپذیر انداز میں کلام مجید اور احادیث نبی سے نماز کی اہمیت وعظمت اس کی روح وحقیقت اس کے ظاہری شرائط اور باطنی آداب و کیفیات اس کے دنیاوی و اخروی فوائد و برکات وغیرہ کو پورے بسط وشرح کے ساتھ تحریر کیا ہے،درحقیقت نماز اسلامی تعلیمات کا عطر وخلاصہ ہے اور اس سے سارے دینی محاسن پیدا ہو جاتے ہیں اگر پورے شرائط کے ساتھ نماز ادا کی جائے تو دینی حیثیت سے قطع نظر نفسیاتی طور سے بھی نماز پڑھنے والے کی زندگی اسلامی رنگ میں رنگ جائے گی ۔اس لئے اس رسالہ میں گویا اسلام کی پوری روح آگئی ہے اور ضمناً اور بہت سے فوائد ومعلومات بھی آگئے ہیں ۔اردو میں اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی گئی اور وہ خصوصیت کے ساتھ تعلیم یافتہ طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہے۔''(32)

مولانا کی کتاب ''اسلام کیا ہے'' ؟

''آج مسلمانوں کو اسلام سے عملاً بہت کم علاقہ رہ گیا ہے اوران کی زندگی کا کوئی پہلو بھی اسلامی تعلیم کے مطابق نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی بڑی تعداد اسلام کی حقیقت تک سے نا آشنا اور اسلامی زندگی کے صحیح تصور سے بھی بیگانہ ہے اور مسلمان نام رہ گیا ہے' صرف مسلمان کہلانے کا، زیادہ سے زیادہ کلمہ توحید پڑھ لینے اور روزہ نماز کی ظاہری صورت کسی نہ کسی شکل میں ادا کر لینے کا۔ اس کے علاوہ دوسرے اسلامی فرائض کا احساس بھی نہیں رہ گیا ہے۔ اس لئے فاضل مصنف نے جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی روح کو سمجھنے اور اس کی تبلیغ و اشاعت کی خاص توفیق عطا فرمائی ہے۔ اس کتاب میں کلام مجید اور احادیث نبوی سے اسلام اور اسلامی زندگی کی حقیقت بیان فرمائی ہے۔ اور اس کے تمام اجزاء توحید، عبادات، روزہ، نماز، حج و زکوۃ، تقویٰ و پرہیزگاری ،معاملات اور اخلاق ،معاشرتی حقوق و فرائض، اللہ اور اس کے رسول کی محبت ، دین سے تعلق، اس پر استقامت اس کی خدمت و نصرت و حمایت ، عالم برزخ ، عالم آخرت ، جنت و دوزخ ، ذکر اللہ توبہ و استغفار وغیرہ اسلام کے جملہ ارکان اور اس کے تکمیلی عناصر یعنی اسلام، ایمان احسان اور اسلامی زندگی کے ہر رخ اور ہر پہلو کی پوری تفصیل اور نہایت مؤثر اور دلنشین انداز میں اس کی تشریح اور اس کی روح بیان کر دی ہے اور ان کا یہ لکھنا بالکل صحیح ہے کہ ''اس کتاب میں دین کا پورا لب لباب آ گیا ہے اور قرآن وحدیث سے وہ سب تعلیمات بیس اسباق کی شکل میں جمع کر دی گئی ہیں جن سے واقف ہو کر اور جن پر عمل کر کے ایک عامی مسلمان بھی نہ صرف اچھا مسلمان بلکہ ان شاء اللہ کامل اور ولی بن سکتا ہے۔ اس لئے یہ کتاب اس لائق ہے کہ ہر مسلمان اس سے فائدہ اٹھائے بلکہ اس میں اسلام اور اسلامی زندگی کی صحیح تصویر پیش کی گئی ہے۔ اس لئے وہ ان غیر مسلموں کے بھی مطالعہ کے لائق ہے جو اسلام کے متعلق غلط خیالات رکھتے ہیں اس سے اسلام کی صحیح تصویر ان کے سامنے آ جائے گی۔'(33)

ڈاکٹر فیوض الرحمٰن ''اسلام کیا ہے'' کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''اس کتاب میں آپ نے آسان زبان میں اسلام کا تعارف کرایا ہے بہت پیاری کتاب ہے اس کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ اس کا انگریزی ترجمہ لکھنو اور پاکستان سے شائع ہو چکا ہے اور ہندی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔''(34)

ملفوظات حضرت مولانا الیاسؒ:۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے مولانا الیاسؒ کے افکار اور ان کے کام کے حوالے سے کتاب تحریر کی۔ ''مولانا الیاسؒ کی زندگی کا ہر لمحہ تبلیغ دین کے لئے وقف تھا، ان کے تمام افکار وتصورات اور اعمال واقوال کا مرکز تبلیغ تھا، ان کی کوئی مجلس اور کوئی گفتگو اس مقصد سے خالی نہ ہوتی تھی۔ اور ان کی زبان فیض ترجمان سے ہر وقت مسلمانوں میں دینی روح کی تجدید اور اس کے احکام کی تبلیغ اس کے علمی وعملی طریقوں اور اس کے جملہ متعلقات کا چشمہ فیض جاری رہتا تھا۔ مولانا منظور نعمانیؒ مولانا مرحوم کی زندگی ہی میں ان کی دینی دعوت کے سرگرم مبلغ تھے، اور اس سلسلہ میں ان کو وقتاً فوقتاً مولانا کی خدمت میں حاضری اور قیام کا اتفاق ہوتا تھا، اور وہ مسلمانوں کی دینی تجدید اور دعوت وتبلیغ کے متعلق مولانا کے ملفوظات قلم بند کرتے جاتے تھے اب ان کو انہوں نے افادہ عام کی غرض سے شائع کر دیا ہے۔ ان ملفوظات میں اسلامی تعلیمات اور اسلامی زندگی کے حصول کی پوری روح آ گئی ہے اور وہ اپنے گوناں گوں مذہبی وروحانی فوائد کے اعتبار سے مسلمانوں کے ہر طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہیں۔'' (35)

کلمہ طیبہ کی حقیقت:۔

''کلمہ طیبہ کا حقیقی مقصد محض زبان سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار نہیں ہے بلکہ اس مختصر کلمہ میں اسلامی عقائد واعمال کی پوری روح پوشیدہ ہے البتہ اس کے مدارج ہیں زبان سے اقرار اس کا ادنیٰ ترین درجہ ہے۔ اور آخری درجہ تفویض کامل یعنی تمام اعمال اور پوری زندگی کو مرضی الٰہی کے تابع کر دینا ہے۔ اس رسالہ میں اسی نقطہ نظر سے کلمہ کی تشریح کی گئی ہے۔ اور غیر اللہ کی نفی، توحید الٰہی اور رسالت محمدی کی تصدیق کا حقیقی مفہوم ومنشاء اس کے مدارج، اس کے حصول کی تدبیر، عقائد واعمال میں اس کے آثار ونتائج، محبت رسول وغیرہ کلمہ طیبہ کے تمام مضمرات ومتعلقات کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے۔ رسالہ گو مختصر لیکن نہایت مفید اور مسلمانوں کے مطالعہ کے لائق، انداز بیان مؤثر اور دلکش ہے۔'' (36)

تحدیث نعمت:۔

''یہ کتاب مولانا منظور نعمانیؒ کی آپ بیتی ہے۔ لیکن اس کی نوعیت اس طرح کی دوسری کتابوں سے مختلف ہے۔ اس میں قرآن مجید کے ارشاد واما بنعمۃ ربک فحدث کے

بموجب مولانا نے اپنے اوپر اللہ کے علمی ،عملی اور دینی احسانات کی تفصیل قلمبند کی ہے۔اور اسی لحاظ سے یہ کتاب بھی دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے کا عنوان نعمت علم اور توفیق عمل ہے اور دوسرے کا بندگان حق کی یافت، پہلے میں ان انعامات خداوندی کا ذکر ہے کہ مولانا ایک خوشحال دیندار گھرانے میں پیدا ہوئے دینی تعلیم سے بہرہ ور ہوئے ،دار العلوم دیوبند کے ممتاز ولائق اساتذہ سے تحصیل علم کی سعادت میسر آئی۔ جن میں سرفہرست مولانا انور شاہ کشمیریؒ تھے۔تعلیم سے فراغت کے بعد احقاق حق و ابطال باطل کی خدمت انجام دی۔ماہنامہ الفرقان جاری کیا جس کے ذریعہ دین کی اشاعت کی اور اس کے متعدد اہم اور خاص نمبر نکالے، جماعت اسلامی کی تاسیسی کمیٹی میں شریک ہوئے ،مگر ان کے بقول فکر ونظر کی اس غلطی سے واپسی کے لئے بالکل ابتدائی مرحلے ہی میں توفیق الہی نے دستگیری کی اور مولانا محمد الیاسؒ کی خدمت میں رسائی ہوئی اور الفرقان تبلیغی تحریک کا نقیب بن گیا، تقسیم ملک کے بعد بہت سے دینی وملی کام سرانجام دیئے۔رابطہ عالم اسلامی کی ممبری کے طفیل حرمین شریفین میں بار بار حاضری ہوئی،مسلمانوں کی اصلاح و ہدایت کے لئے بہت سی کتب ورسائل تصنیف کئے ،دوسرے حصہ میں جن بندگان حق اور خاصان خدا سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور ان کے جو واقعات مولانا کے مشاہدہ میں آئے یا ان کی سیرت وشخصیت کے جو نمایاں جوہر سامنے آئے۔اور ان کی تعلیم وارشاد اور اصلاح خلق کے جو مفید انداز دیکھے ان سب کو بڑے اچھے اور مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔ یہ حصہ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ،مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ ،مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ ،مولانا اشرف علی تھانویؒ ،مولانا الیاسؒ ،مولانا حسین احمد مدنیؒ ،مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ ،مولانا محمد زکریاؒ ،مولانا شاہ وصی اللہؒ ،مولانا حسین علی شاہ مجددیؒ ،حاجی عبدالغفور جودھ پوریؒ کی روح پرور صحبتوں کے حال، ان کی زندگیوں کے خط وخال اور ان کے ممتاز اوصاف و خصوصیات پر مشتمل ہے،اس کتاب سے موجودہ صدی میں ہندوستانی مسلمانوں کی بعض ملی ودینی سرگرمیوں کا حال بھی معلوم ہوتا ہے اور یہ مولانا کے حسن بیان اور دلکش و دلآویز تحریر کا نمونہ ہے۔'' (37)

مسلمانان عالم کی کمزوری کے بنیادی اسباب اوران کا قرآنی علاج:۔

'' قرآن مجید مسلمانوں کی اخروی فلاح وسعادت کے ساتھ ان کی دنیاوی کامیابی کا

بھی صحیفہ ہے یعنی اس کی تعلیمات پر عمل کئے بغیر ان کو دنیاوی ترقی بھی حاصل نہیں ہوسکتی اور ان کے زوال کا بڑا سبب ان سے غفلت ولاپرواہی ہے اس لئے ان کی دنیاوی ترقی کے لئے بھی مادی تدبیروں کے ساتھ قرآن کی بتلائی ہوئی تدبیروں پر عمل بھی ضروری ہے اس رسالہ میں اسی نقطہ نظر سے آیات قرآنی سے مسلمانوں کے زوال کے اسباب اور ان کے حل کی وضاحت کی گئی ہے۔"(38)

درس قرآن:۔

"مولانا منظور نعمانیؒ کو تحریر وخطابت دونوں میں خاص ملکہ ودیعت ہوا تھا آسان، عام فہم، دل نشین اور موثر اسلوب کی وجہ سے ان کی تحریر کی طرح خطابت بھی انفرادیت کا درجہ رکھتی تھی۔ لکھنو میں ان کے درس قرآن کی نشستیں بھی اس کی مثال ہیں یہ سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہا اور اس کے کچھ حصے قلم بند ہوکر رسالہ الفرقان کی زینت بھی بنتے رہے۔ زیر نظر کتاب میں اس تمام سرمائے کو سلیقے سے جمع کر دیا گیا ہے، قریب پینتیس صورتوں کے مضامین اس میں شامل ہیں، تفسیر کے عام روایتی مواد و تفصیل کی ان میں گنجائش ہی نہیں تھی۔ اصل توجہ کلام الہیٰ کے مدعا ومنشاء کی وضاحت وتبلیغ پر مرکوز رہی، خصوصاً آخرت اور مغفرت کے مضامین پر زیادہ زور دیا گیا، شرک ونفاق، جہاد و ہجرت اور اسراء کہف، معجزات موسیٰ اور رفع عیسیٰ جیسے مقامات پر بھی تاریخی وفقہی و کلامی مباحث سے حتی الامکان گریز کیا گیا اور اصل مقصود پر ہی نظر رہی۔ مولانا مرحوم کی ہر تحریر کی طرح یہ مجموعہ بھی مفید ونافع ثابت ہوگا۔"(39)

بوارق الغیب:۔

"ماضی قریب میں جو مسائل مسلمانوں کے درمیان مابہ النزاع اور ان کی تحریر وتقریر اور بحث ومناظرہ کا خالص موضوع رہے ہیں۔ ان میں ایک علم غیب کا مسئلہ بھی ہے اس کی تائید وتردید میں متعدد کتابیں اور رسالے لکھے گئے ہیں، ایک زمانہ میں مولانا محمد منظور نعمانیؒ مدیر الفرقان کو بھی ان بحثوں سے بہت دلچسپی تھی، زیر نظر کتاب ان کے اسی دور کی یادگار ہے، لیکن اب نہ مولانا کا یہ ذوق ہی رہا اور نہ وہ اس طرح کی بحثوں کو مفید سمجھتے ہیں، مگر ادھر کئی برسوں سے ان فرسودہ بحثوں کو از سر نو زندہ کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ جن سے عام مسلمانوں میں انتشار وافتراق بڑھتا جارہا ہے۔ اس لئے مولانا

کو اپنے عزیزوں اور احباب کے اصرار و خواہش پر اس نایاب اور پرانی کتاب کو دو بارہ شائع کرنے کے لئے آمادہ ہونا پڑا۔ اس کے دو حصے ہیں...... پہلے حصے میں قرآن پاک کی ایسی چالیس آیتیں نقل کر کے ان کی تشریح ترجمہ کے ساتھ کی گئی ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ غیب کا علم صرف خدائے تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔ مولانا نے یہ احتیاط بھی کی ہے کہ آیتوں کے متعلق اپنا خیال اور نقطہ نظر نہیں پیش کیا بلکہ پہلے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فارسی اور شاہ عبدالقادرؒ کے اردو ترجمے نقل کئے ہیں، پھر آیتوں کے مفہوم کی وضاحت کے لئے دوسرے قرآنی نظائر یا آنحضرت ﷺ کے ارشادات اور صحابہ کرامؓ کے اقوال پیش کئے اور مزید توضیح و تائید کے لئے تابعین عظامؒ اور کبار مفسرینؒ کی آراء نقل کی ہیں، آخر میں ان آیتوں کی غلط تاویل و توجیہ کرنے والوں کے شبہات کا ازالہ کیا ہے، اس طرح یہ کتاب مدلل ہے اور اس سے غیر اللہ کے لئے علم غیب ثابت کرنے والوں کی مکمل تردید ہوگئی لیکن یہ مولانا کے ابتدائی اور مناظرانہ دور کی تصنیف ہے اس لئے اس میں یہی رنگ نمایاں ہے۔ مولانا نے جس مقصد اور جذبہ سے یہ کتاب اب دوبارہ شائع کی ہے امید ہے کہ اس کی قدر کی جائے گی۔ آخر مسلمان کب تک باہم سر بگریبان رہ کر اپنی صلاحیت اور قوت ضائع کرتے رہیں گے۔''(40)

''فیصلہ کن مناظرہ'' کے حوالے سے اظہار خیال کرتے ہوئے مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں۔

''طالب علمی کے دوران علمائے دیوبند اور علمائے بریلی کے مسلکی اختلافات پر متعدد کتابیں پڑھنے کی نوبت آئی۔ اکابر علمائے دیوبند کی جن بعض تحریروں پر علمائے بریلی کی طرف سے سخت اعتراضات کئے گئے تھے۔ ان کے بارے میں حقیقت حال کی وضاحت بہت سے حضرات نے کی، لیکن اس موضوع پر جس کتاب نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا، وہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی کتاب ''فیصلہ کن مناظرہ'' تھی۔ اس کتاب میں حضرت مولانا نے جس مدلل، دلنشین اور مستحکم انداز میں ان تحریروں کی وضاحت فرمائی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسے پڑھنے کے بعد کسی بھی انصاف پسند انسان کے دل میں ان اکابر کے عقائد کے بارے میں کوئی ادنیٰ شبہ باقی نہیں رہ سکتا۔ کتاب کا نام اگرچہ کہ ''فیصلہ کن مناظرہ'' ہے جس سے تاثر یہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی عام قسم کی مناظرانہ کتاب ہوگی اور ہماری شامت اعمال سے مناظرے کے بارے میں یہ تاثر

بن گیا ہے کہ یہ ایک فرقہ وارانہ اکھاڑے کا نام ہے۔ جس میں دومنہ زور پہلوان ہر حق وناحق حربے سے ایک دوسرے کو زیر کرنے کے داؤ استعمال کرتے ہیں اور اس داؤ پیچ میں حق طلبی کا جذبہ کچل کر رہ جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مولانا کی یہ کتاب اس قسم کی مناظرانہ فضا سے کوسوں دور ہے۔ بلکہ اس کو پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نیک نیتی والا مناظرہ کیا ہوتا ہے؟ اصل میں ''مناظرہ'' عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں ''مل جل کر کسی مسئلے پر غور کرنا'' مولانا نے اس کتاب میں مناظرے کا اسلوب نہیں ''خالص علمی مثبت، معروضی اور مدلل انداز بیان اختیار کیا ہے۔ جس کا مطمع نظر حق کی تفہیم ہے نہ کہ مخالف کی تذلیل۔'' (41)

مولانا نعمانی کی تحریر کی جامعیت اور خوبصورتی کی ایک مثال ان کا مختصر مگر جامع خراج تحسین جو کہ انہوں نے مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کو پیش کیا۔ ان کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

''ہماری اس دنیا میں ایسے لوگ بہت ہی کم پیدا ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذہن ثاقب بھی ملا ہو اور دل روشن بھی، جو اس دوڑتی ہوئی اور کروٹیں بدلتی ہوئی دنیا کے حالات و مزاج اور اس کے نت نئے تقاضوں سے پورے باخبر بھی ہوں اور دینی ایمانی حقائق کے بارے میں وارثین انبیاء کی طرح صاحب یقین بھی۔۔ الغرض ہماری اس دنیا میں یہ جنس بہت ہی کم یاب ہے اور اللہ کے ایسے بندے جو ان دونوں صفتوں کے جامع ہوں، اس عاجز نے غالباً اتنے بھی نہیں دیکھے جتنی کہ اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں ہیں، لیکن جو دو چار دیکھے ہیں، ان میں ایک ذات رفیق محترم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی بھی ہے اللہ کی خاص عنایت اور توفیق سے وہ صاحب نظر وفکر بھی ہیں اور صاحب قلب بھی، وہ اپنے علم و معلومات کے لحاظ سے جدید بھی ہیں اور ایمان و یقین اور رسوخ فی الدین اور طرز زندگی کے لحاظ سے قدیم بھی، ان کی ذات میں مدرسہ بھی ہے اور خانقاہ بھی۔۔۔'' (42)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی مختلف تحریریں دیگر رسالوں میں بھی مختلف حوالوں سے شائع ہوتی رہیں، ان میں شرعی مسائل کے حوالے سے بھی انہوں نے اپنی آراء پیش کیں، اس حوالے سے ذیل میں ان کی تحریروں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

ا۔ ''سونے کے دانتوں کا شرعی حکم''

اس حوالے سے مولانا نعمانیؒ لکھتے ہیں۔

''بمبئی کے ایک دندان ساز ڈاکٹر جو اپنے فن میں بڑے ماہر اور ممتاز سمجھے جاتے ہیں اس عاجز کے خاص عنایت فرما دوستوں میں سے ہیں، جہاں تک علم و اندازہ ہے اللہ تعالیٰ نے دینداری اور تقویٰ کی دولت سے بھی وافر حصہ عطا فرمایا ہے۔ایک دفعہ جب کہ میں بمبئی گیا ہوا تھا انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ دانتوں کے بعض مریض ایسے آتے ہیں کہ ان کے لئے سونے کے دانت ہی مناسب ہوتے ہیں دوسرے دانت کام نہیں دے سکتے اس میں شرعاً کوئی حرج تو نہیں؟

میں نے ان کو بتلایا تھا کہ ایسی صورت میں سونے کے دانت لگوانے کی اجازت ہے کچھ دن ہوئے ان کا خط آیا کہ ایک صاحب جو اچھے دینداروں میں ہیں، میرے پاس آئے میں نے ان کا حال دیکھ کر سونے کے دانت لگوانے کا مشورہ دیا، وہ دوسرے دن میرے پاس آئے اور بتلایا کہ میں نے ایک مولوی سے دریافت کیا تھا انہوں نے بتلایا کہ مردوں کو سونے کے دانت لگوانا جائز نہیں ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے مجھے لکھا کہ آپ اس مسئلے کی پوری تحقیق کر کے مجھے بتلائیں اگر سونے کے دانت لگوانا مردوں کے لئے جائز نہیں ہیں تو آئندہ میں خود بھی احتیاط کروں گا اور اگر جائز ہے تو مسئلہ پر تفصیل سے اس طرح روشنی ڈالیں کہ مجھے خود بھی اطمینان ہو جائے اور جن مولوی صاحب نے ناجائز بتلایا ہے وہ بھی آپ کے جواب کی روشنی میں دوبارہ غور کرسکیں گے۔''(43)

مولانا منظور نعمانیؒ نے اس ڈاکٹر کے جواب میں جو مسئلہ کے ضمن میں تفصیلات بیان کیں وہ پیش خدمت ہیں۔

''باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

مخلص زیدت الطافکم سلام مسنون!

اخلاص نامہ مورخہ ۱۴ اپریل کو موصول ہوا آپ کی فرمائش کی تعمیل کرتے ہوئے میں نے اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے کتابوں سے بھی مراجعت کی۔یہی معلوم ہوا کہ طبی نقطہ نظر سے اگر ماہر ڈاکٹر کا مشورہ سونے کے بنے ہوئے دانت لگوانے یا سونے کی تاروں سے دانت بنوانے کا ہو تو شرعاً جائز ہے۔اس کی واضح دلیل عرفجہ ابن سعدؓ کی وہ حدیث ہے جس کو امام ابوداؤدؒ اور امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ نے اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے اور انہیں کے حوالے سے صاحب مشکوٰۃ المصابیح نے بھی اس کو نقل کیا ہے۔

حدیث کا مضمون یہ ہے کہ ایک جنگ میں عرفجہ ابن اسعدؓ کی ناک کٹ گئی تھی انہوں نے

چاندی کی مصنوعی ناک لگوالی، کچھ دنوں کے بعد اس میں بد بو پیدا ہونے لگی تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ سونے کی مصنوعی ناک لگوالیں۔

ترمذی کی روایت میں حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فا مرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اتخذ انفا من ذھب.

رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ سونے کی ناک بنوا کے لگوالوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب چاندی کی ناک نے کام نہیں دیا اور اس سے بد بو پیدا ہونے لگی تو حضور ﷺ نے سونے کی ناک لگوانے کی ہدایت فرمائی۔ اس سے دانت کا مسئلہ بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ دونوں نے اس حدیث سے دانتوں میں سونے کے استعمال کا جواز سمجھا ہے۔ امام ترمذی نے باب باندھا ہے۔ ''باب ما جآء فی شد الاسنان بالذھب'' (جامع ترمذی ابواب اللباس) اور امام ابوداؤدؒ نے باب باندھا ہے۔ ''باب ما جاء فی ربط الاسنان بالذھب'' (سنن ابی داؤد کتاب الخاتم) اور بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد میں اسی حدیث کے ذیل میں لکھا ہے۔

''وکذا حکم الاسنان فانه یثبت هذا الحکم فیها بالمقایسه سواء ربطها بخیط الذهب او صنعها بالذهب (بذل المجهود : جلد۵ صفحه۸۷)''

اور دانتوں کا حکم بھی یہی ہے کہ ناک کی طرح ان میں بھی سونے کا استعمال جائز ہے۔ یہ حکم دانتوں کے لئے اس حدیث سے بطور قیاس ثابت ہوتا ہے پھر اس میں بھی کوئی فرق نہیں کہ دانتوں کو سونے کے تاروں سے باندھا جائے یا دانت ہی سونے کے بنائے جائیں یعنی دونوں صورتیں جائز ہیں'' ارنصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ میں اس مسئلہ سے متعلق چند حدیثیں نقل کی گئی ہیں ان میں ایک معجم اوسط طبرانی کی یہ روایت ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے آگے کے دانت گر گئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ وہ ان کو سونے سے بندھوالیں۔ ''فامرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یشدھا بذھب'' اور اس سے بھی زیادہ صریح وہ حدیث ہے جس کو امام زیلعی نے ابن قانع کی معجم الصحابہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی سلول کے بیٹے عبداللہؓ نے بیان کیا کہ غزوہ احد میں میرے آگے کے دانت ٹوٹ گئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں وہ دانت سونے کے لگوالوں۔ ''فامرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تخذ ثنیۃ من ذھب'' اور مسند احمد کی روایت نقل کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے

دانتوں پر سونے کے خول چڑھوائے تھے۔''انہ ضبب اسنانہ بذھب''اور طبرانی کے حوالے سے حضرت انس بن مالکؓ کے بارے میں نقل کیا گیا ہے کہ ان کے دانت سونے کے تاروں سے بندھے ہوئے تھے(نصب الرایہ لام زیلعی : جلد۴ صفحہ۲۳۷)ان روایات کے بعد اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ بضر ورت سونے کے دانت لگوانا جائز ہے ہاں اگر طبی ضرورت نہ ہو اور کوئی شخص صرف اپنی دولت مندی کے خاطر اور تفاخر کے لئے لگوائے تو جائز نہ ہوگا۔جب صاحب نے ناجائز بتلایا انہوں نے غالباً ہدایہ وغیرہ فقہ حنفی کی کتابوں میں دیکھا ہو۔کہ اگر چہ امام محمدؒ نے اس کی اجازت دی ہے۔لیکن امام ابو حنیفہؒ اجازت حق میں نہیں ہے مگر صاحب ہدایہ نے امام صاحب کے قول عدم جواز کی وجہ اور بنیاد یہ بتلائی ہے کہ دانت میں سونے کے استعمال کی ضرورت ہی نہیں ہوتی ہے چاندی وغیرہ استعمال کافی ہو جاتا ہے۔(ہدایہ جلد۳ صفحہ ۳۸۸)اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر ماہر ڈاکٹر اس پر مطمئن ہو کہ سونے کے دانتوں کی ضرورت ہے اور چاندی وغیرہ سے ضرورت پوری نہ ہوگی تو پھر امام صاحب کے اصول پر بھی اجازت ہوگی۔علاوہ ازیں مندرجہ بالا احادیث و آثار کا تقاضہ اور حق ہے کہ فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر دیا جائے۔واللہ اعلم۔(الفرقان ماہ ربیع الاخر۱۳۹۳ھ''(44)

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی چیرمین ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ لکھتے ہیں۔

''مولانا مرحوم کے مقالات وشذرات کے مطالعہ اور فہم کی نوبت تو کافی دیر میں آئی،ان سے بطور مؤلف ومصنف تعارف وروشناسی''اسلام کیا ہے؟سے ہوئی،بلا تکلف وتردد رقم کرتا ہوں کہ بچپن میں جن کتابوں نے مجھے متاثر کیا اور اسلام فہمی کی راہ دکھائی ان میں مولانا مرحوم کی اس تالیف لطیف کا بہت بڑا حصہ ہے۔اس میں بھی کوئی شبہہ نہیں کہ ان گنت دوسرے عام وخاص افراد وطبقات کو بھی اس کتاب مستطاب نے صحیح فہم اسلامی سے آشنا کیا۔اثر انگیزی،سلاست وسادگی،صحت،فکر ونظر،سادگی میں پرکاری اور موضوعاتی جامعیت کے اعتبار سے وہ اپنی نظیر آپ ہے۔انہیں خصوصیات سے وہ بہت مقبول ومتداول رہی۔بالعموم اسلام کی تعریف میں عقیدہ توحید ورسالت اور آخرت کے علاوہ ارکان اربعہ کا ذکر کیا جاتا ہے،جس کی بناء پر اخلاق ومعاملات کا باب خارج ہو جاتا ہے۔حضرت مولانا نے عام قارئین اور طلبہ کے لئے اسلام کا جامع

تعارف پیش کیا جو بالکل نئی چیز ہے۔ کم از کم عمومی سطح پر، بیس ابواب پر مشتمل اور مختصر کلمہ طیبہ اور ارکان اربعہ کے علاوہ معاملات، تقویٰ و پرہیز گاری، عمدہ اخلاق، اللہ اور اس کے رسول کریم ﷺ اور دین کی محبت، دین پر استقامت، اس کی نصرت وحمایت، شہادت، آخرت وقیامت، جنت و دوزخ، ذکر الٰہی، تلاوت قرآن پاک، دعا درود شریف، توبہ واستغفار اور خاتمہ میں رضائے الٰہی کے حصول کے نصاب الٰہی سے بحث کرتی ہے۔

موضوعات کی جامعیت اس کتاب لطیف کو مختصر ترین اسلامی نصاب کا درجہ عطا کرتی ہے، وہ ایک عام شخص کو دین کا جامع تصور بتاتی اور اسے اسلام سے پوری طرح متعارف کرتی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ اس کی سلیس و آسان زبان، مدلل تشریحات، قرآن پاک کی آیات کریمہ اور حدیث شریف کی خوبصورت ترین مبادیات سے روشناس کراتی ہے۔ ''اسلام کیا ہے؟ کی اثر انگیزی، روح وقلب کو گرمانے کی خصوصیات بلاشبہ اسے ایک لازوال قدر و قیمت عطا کرتی ہے۔ اس کتاب کا اس خاکسار راقم پر ہمیشہ گہرا اثر رہا۔

مولانا نعمانی مرحوم نے اسلام کیا ہے؟ کی موضوعاتی اور معیاری توسیع اپنی دوسری کتاب ''دین وشیعیت'' میں پیش کی۔ اس کے پیش لفظ میں مولانا مرحوم نے خود رقم فرمایا ہے: اسلام کیا ہے؟ کی اشاعت کے کچھ ہی دنوں بعد سے مجھے خیال تھا کہ ایسی ہی جامع اس سے آگے کے درجہ کی ایک کتاب اور تیار ہونی چاہئے۔ جس میں اسلامی اصول وتعلیمات کو اس طرح پیش کیا جائے کہ دلوں سے عہد حاضر کے ملحدانہ شکوک وشبہات اور اہل زیغ و ضلال کے مغالطات وتحریفات کی بھی صفائی ہو۔۔۔۔ یہ دراصل مولانا مرحوم کے چھ خطبات اور بعض تحریری اضافات پر مبنی کتاب ہے جس میں ایمانیات، عبادات، اخلاق، معاشرت ومعاملات کے ساتھ ساتھ اسلام کے سیاسی نظام۔۔۔ خلافت راشدہ پر بھی بحث ملتی ہے۔ آخر میں احسان وتصوف پر ایک باب ہے۔

مولانا مرحوم تالیف وتصنیف کے ذریعہ اسلام اور اس کی صحیح تعلیمات پیش کرنا چاہتے تھے اور ان کا مخاطب زیادہ تر کم تعلیم یافتہ یا جدید تعلیم یافتہ طبقہ تھا جو دینی مبادیات سے بالعموم ناواقف ہوتا ہے یا معمولی شد بد رکھتا ہے۔ یہ تو ان کی تا ‌ ‌ مات کا مثبت اور بنیادی پہلو تھا۔ اس مقصد سے انہوں نے مذکورہ بالا دونوں کتابوں کے علاوہ بہت سی چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں۔ ان میں ''نماز کی حقیقت'' کلمہ طیبہ کی حقیقت'' ''قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟'' تصوف کیا ہے؟، حج کیسے کریں، وغیرہ شامل ہیں، افادیت اور اثر انگیزی کے اعتبار سے ان تا ‌ ‌ مات نعمانی نے اپنے اصل مخاطبین کے روح وقلب کو گرمایا، خواص کو بھی بہت فائدہ پہنچایا۔ اتنی وضاحت، صراحت اور سلاست کے ساتھ قلم نعمانی کے سوا اور کون رقم کرسکتا تھا؟ تا ‌ ‌ مات نعمانی کا دوسرا پہلو یہ رہا کہ مسلم اور غیر مسلم طبقات کے انحرافات اور ان کی اسلام دشمنی کو بھی اجاگر کیا جائے تا کہ عوام وخواص دونوں ان کے مکر وفریب سے واقف اور ان کی چالوں سے

محفوظ رہیں، یہاں مولانا نعمانی ''متکلم'' اسلام بن جاتے ہیں۔۔نعمانی تا ماات کے انہیں دونوں زمروں میں ان کی دوسری نگارشات بھی آتی ہیں کہ یا تو وہ اسلام اوراس کے عظیم علمبرداروں کی خدمات جلیلہ اوران کی عبقریات نادرہ کو ان کے صحیح تناظر میں پیش کرتی ہیں یاان کے حسین وجمیل چہروں سے اغیاروحاسدین کی اڑائی ہوئی خاک کودور کر کے ان کو آئینہ بناتی ہیں۔اول الذکر زمرہ میں حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ، حضرت مولانا محمد یوسفؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ، جیسے بزرگان دین وملت پر ان کی نگارشات یا ان کی مرتب کردہ کتابیں بصورت خاص اشاعتوں یارسائل کے شامل ہیں۔

دوسرے زمرے میں وہ تا ماات نعمانی آتی ہیں جوابطال اسلامی اور رجال دینی کے خلاف دشمنوں کے معاندانہ پرچار کی قلعی کھولتی اوران کی مجلا ومصفا تصاویر پیش کرتی ہیں۔شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف پروپیگنڈہ اور حضرت شاہ اسماعیل شہید پر معاندین اہل بدعت کے الزامات اوران جیسی دوسری تحریریں اور تقریریں اس میں شامل کی جاسکتی ہیں۔

> مولانا مرحوم کی ان تا ماات کا مقصود اصلی صرف ایک تھا کہ اسلام اوراس کے جاں نثار خادموں اور عظیم علمبرداروں کو ان کے صحیح رنگ وروپ میں پیش کیا جائے۔انہوں نے قرآن وحدیث کو اپنی تمام تا ماات کی بنیاد بنایا کہ یہی دونوں اصل کسوٹی ہیں جن پر کھرے کھوٹے کو پرکھا جاسکتا ہے اور جن سے معاندین ومخالفین بھی انکار کرنے کی جرات نہیں کرسکتے۔دوسرے تمام ماخذ ومصادر کو مولانا مرحوم نے استعمال ضرور کیا ہے مگران کو معیار حق وباطل نہیں بنایا۔وہ صرف معلومات، مشاہدات اور واقعات فراہم کرنے کے وسائل وذرائع ہیں۔تصوف اور صوفیائے کرام پران کی تحریریں ان کے اسی طریقہ کار کو واضح کرتی ہیں۔اسلامی تصوف ان کے نزدیک شریعت ودین اسلامی کی روح کے سوا اور کچھ نہیں۔ان کی بعض تعبیرات وتشریحات سے اختلاف کیا جاسکتا ہے مگر روح احسانی کے وجود وکارفرمائی سے انکار ناممکن ہے۔تصوف اور صوفیہ نئی اصطلاح اور مصلحین کا نیا طبقہ ہو سکتے ہیں مگران کی بنیاد واساس قرآن وحدیث پر تھی۔مولانا نعمانیؒ تصوف کے غیر اسلامی تجاوزات پر نقد وتنقید کرنے سے بھی نہیں چوکتے جوایک قائل تصوف کے ایمانی واحسانی صلابت کی دلیل محکم ہے۔'' (45)

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، صدر شعبہ تفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو لکھتے ہیں

''مولانا کی تحریروں کا ہر پڑھنے والا جانتا بھی ہے، موصوف کے قلم میں اللہ تعالیٰ نے غضب کی تاثیر، چاشنی اور سادگی وسلاست رکھ دی تھی کہ مشکل سے مشکل مضمون پانی ہو

جاتا اور بمشکل سمجھ میں آسکنے والے عقائد وحقائق کا سمجھنا نہایت آسان اور سہل ہو جاتا ہے کہ پھر کسی عامی کو بھی دشواری نہیں ہوتی بلکہ دل و دماغ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔اسی کے ساتھ الفاظ نہایت نپے تلے اور بقدر ضرورت ہوتے نہ کم نہ زیادہ۔یہ صفت یوں تو مولانا کے قلم سے نکلے تمام نقوش میں، فی الجملہ پائی جاتی ہے مگر عقائد ،معجزات اور تصوف جیسے دقیق مباحث میں ان کے نوک قلم سے عقدہ کشائی دل و دماغ روشن کرنے والی اور شبہات کے چبھتے کانٹے نکال دینے والی ہوتی ہے۔اس کی مثالیں یوں تو مولانا کی ہر تصنیف میں بکثرت پائی جاتی ہیں مگر جن کتابوں میں بکثرت ملتی ہیں ان میں حسب ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔'' (46)

مولانا محمد حنیف ملی، شیخ الحدیث معہد ملت، مالیا گاؤں انڈیا لکھتے ہیں۔

''مولانا نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قلم بڑا رواں، جہاں دیدہ، تصنع سے پاک، عام فہم اور سادہ ہوتا ہے۔قدرت نے انہیں مشکل ترین مضامین کو آسان زبان میں پیش کرنے کا بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا۔زبان ایسی میٹھی اور اپنائیت لئے ہوئے کہ ایک معمولی پڑھا لکھا لکھاتی بھی خوب محظوظ ہوتا ہے، سجع اور قافیہ آرائی سے پیدا ہونے والی غرابت اور تعقید (گراوٹ) سے ان کی تحریر پاک تھی نازک ترین موقعہ پر بھی مرحوم نے مغلوب الغضب صحافی اور اہل قلم کی طرح کوئی بات تحریر نہیں فرمائی، رکیک جذبات، یاوہ گوئی سے مولانا کی تحریر ڈھلی ہوئی تھی۔ان کی تصنیفات کی مقبولیت کی سب سے بڑی وجہ کہ وہ زمانے کے تقاضوں اور لوگوں کی نفسیات سے واقف تھے۔'' (47)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی تصانیف کے جائزے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان کی شخصیت میں درج ذیل خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں۔

۱۔علمی وفنی قابلیت

۲۔فن تحریر سے حد درجہ واقفیت

۳۔ادبیانہ طرز تحریر

۴۔تحریر میں سلاست اور سادگی

۵۔عصری مسائل سے آگاہی

۶۔دینی اجتماعی معاملات سے آگاہی

۷۔للّٰہیت اور اخلاص

۸۔جذبۂ عمل واصلاح

۹۔حریت وحمیت

۱۰۔راست بازی

۱۱۔تواضع وانکساری

۱۲۔اسلام اور مسلمانوں سے محبت

۱۳۔اکابرین کا عزت واحترام

مندرجہ بالا خوبیوں کی بدولت ان کی تصانیف نے کافی شہرت پائی اور معاشرے کو ان سے فائدہ پہنچا۔

فصل چہارم:۔ تصانیف کی فہرست

مولانا منظور نعمانیؒ کی تصنیف کردہ کتب کی فہرست ملاحظہ فرمائیں۔

نمبر شمار	نام کتاب	مقام اشاعت	ناشر مطبع
۱۔	اسلام کیا ہے؟	کراچی	دارالاشاعت
۲۔	دین وشریعت	کراچی	ادارہ اسلامیات
۳۔	قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟	کراچی	ادارہ اسلامیات
۴۔	معارف الحدیث	کراچی	دارالاشاعت
۵۔	تذکرہ مجدد الف ثانیؒ	کراچی	دارالاشاعت
۶۔	آپ حج کیسے کریں؟	کراچی	دارالاشاعت
۷۔	آسان حج	لکھنو	کتب خانہ الفرقان
۸۔	ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت	کراچی	کتب خانہ مظہری

۹۔برکات رمضان، لکھنو، کتب خانہ الفرقان

۱۰۔بوارق الغیب، کراچی، قدیمی کتب خانہ

۱۱۔تبلیغی جماعت جماعت اسلامی اور بریلوی حضرات، لکھنو، مجلس نشریات اسلام

۱۲۔تحدیث نعمت، کراچی ،الفرقان بک ڈپو

۱۳۔الشالیہ اردو شرح خیالی، کراچی، قدیمی کتب خانہ

۱۴۔ تحفہ نعمانیہ اردو شرح قاضی مبارک، کراچی، قدیمی کتب خانہ

۱۵۔ تصوف کیا ہے؟ کراچی، دارالاشاعت

۱۶۔ جماعت اسلامی مجلس مشاورت تک کانپور، مکتبہ نظام کرنیل گنج

۱۷۔ خمینی وشیعیت کیا ہے؟ علماء پاک وہند کی آراء، کراچی اقراء ڈائجسٹ

۱۸۔ دارالعلوم دیوبند کا قضیہ عوام کی عدالت میں، مرادآباد، دارالاشاعت

۱۹۔ دین وشریعت، کراچی، ادارہ اسلامیات

۲۰۔ دیوبند اور بریلی کے اختلاف ونزاع پر فیصلہ کن مناظرہ، مرادآباد، دارالاشاعت

۲۱۔ صلوۃ وسلام، کراچی، عوامی کتب خانہ

۲۲۔ سیف یمانی ، گوجرانوالہ، مکتبہ مدنیہ

۲۳۔ فتوحات نعمانیہ، کراچی، قدیمی کتب خانہ

۲۴۔ کلمہ طیبہ کی حقیقت، کراچی، مجلس نشریات اسلام

۲۵۔ لغات القران، کراچی، قدیمی کتب خانہ

۲۶۔ ملفوظات شاہ الیاسؒ، کراچی، دارالاشاعت

۲۷۔ منتخب تقریریں، لکھنو، الفرقان بک ڈپو

۲۸۔ مولانا مودودی سے میری رفاقت کی سرگذشت اور اب میرا موقف، لکھنو، الفرقان بکڈپو

۲۹۔ ہدیہ نعمانیہ اردو شرح بیضاوی شریف ، کراچی، مجلس نشریات اسلام س،ن

۳۰۔ نماز اور خطبہ کی زبان، بریلی، بریلی الیکٹرک پریس

۳۱۔ نماز کی حقیقت، کراچی، مجلس نشریات اسلام

۳۲۔ ہماری کمزوری کے بنیادی اسباب اور قرآن کا طریق علاج، رحیم یارخان ادارہ نشریات اسلام

مندرجہ بالا کتب کے علاوہ درج ذیل کتب ورسالہ جات بھی مولانا کے قلم سے لکھے گئے۔

۱۔ مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ

۲۔ دینی دعوت

۳۔ فیصلہ کن مناظرہ

۴۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ اور معاندین اہل بدعت کے الزامات

۵۔سب سے پہلا سفر نامہ حج

۶۔انیس نسواں

۷۔الفیۃ الحدیث

۸۔قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ

۹۔انسانیت زندہ ہے

۱۰۔میری طالب علمی

۱۱۔قادیانی مسلمان کیوں نہیں؟ ۱۲۔خاکسار تحریک۔''(۴۸)

۱۳۔شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف پروپیگنڈہ اور علمائے حق پر اس کے اثرات

۱۴۔عقیدۂ علم غیب

۱۵۔مسئلہ حیات النبی کی حقیقت

۱۶۔قرب الٰہی کے دو راستے

۱۷۔ آپ کون ہیں؟ آپ کیا ہیں؟ اور آپ کی منزل کیا ہے؟۔

۱۸۔کفر و اسلام کے حدود اور قادیانیت

۱۹۔قرآن و حدیث کی سود عائیں

۲۰۔خمینی اور اثنا عشریہ کے بارے میں علمائے کرام کا متفقہ فیصلہ

۲۱۔مومن کی پہچان از روئے قرآن

۲۲۔ایک ہفتہ چند دینی مراکز میں

۲۳۔خطبات بمبئی

۲۴۔نصرت دین۔۔۔اصلاح مسلمین کی ایک کوشش

۲۵۔میری زندگی کے چند تجربے

۲۶۔اسلام اور موجودہ مسلمان قوم

۲۷۔دعوت احیائے دین یا دینی انقلاب کی ایک کوشش

۲۸۔دعوت اصلاح و تبلیغ

۲۹۔ اسلام و نظام سرمایہ داری

۳۰۔ خاکسار تحریک کیوں قابل قبول نہیں؟

۳۱۔ درس قرآن (مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے درسہائے قرآن) ترتیب و تحقیق مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

۳۲۔ درس قرآن (مولانا محمد منظور نعمانیؒ) ترتیب و تحقیق مولانا عقیل الرحمٰن

۳۳۔ الفرقان بیادگار مولانا نسیم احمد فریدی

۳۴۔ الفرقان وفیات نمبر

۳۵۔ شارع حقیقی

۳۶۔ امعان النظر فی اذان القبر

۳۷۔ مباحثہ سماج بریلی

۳۸۔ حدوث روح و مادہ

۳۹۔ میری طالب علمی

۴۰۔ جماعت اسلامی سے مجلس مشاورت تک

اردو اور دیگر زبانوں میں شائع ہونے والی کتب کی فہرست

ا۔ اسلام کیا ہے؟ (اردو، ہندی، انگریزی)

۲۔ دین وشریعت (اردو، انگریزی)

۳۔ آپ حج کیسے کریں؟ (اردو، ہندی)

۴۔ آسان حج (اردو، ہندی، انگریزی)

۵۔ انسانیت کیا ہے؟ (اردو، ہندی)

اور کچھ کتابیں ایسی بھی ہیں جو لکھی گئیں، حتیٰ کہ بعض کی کتابت بھی ہوگئی مگر چھپنے کا مرحلہ رہ گیا۔ اور پھر وہ عدم توجہ سے ضائع ہوگئیں۔ اس لئے کہ حضرت مصنف کی ذہنی وفکری توجہات کسی دوسری سمت مرکوز ہوگئیں۔ آپ کی معروف تصنیف ''فیصلہ کن مناظرہ'' کے مقدمے میں بغیر نام کے ایسی کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ افسوس

بھی کہ ان کتابوں کی حق تلفی ہوئی۔ بہت کام کی تھیں اور بڑی محنت سے لکھی گئی تھیں۔

(۴۹)

فصل پنجم: تذکرہ مولانا محمد منظور نعمانیؒ مختلف کتب و رسائل میں

مشاہیر علما، مصنفہ ڈاکٹر فیوض الرحمٰن میں مولانا محمد منظور نعمانی کے حالات زندگی شائع ہوئے۔ جس میں مولانا کی پیدائش، ان کی ابتدائی و اعلیٰ تعلیم، درس و تدریس کے حوالے سے ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پہ روشنی ڈالی گئی۔ مولا موصوف کی طرز تحریر پہ دلچسپ تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر فیوض الرحمٰن لکھتے ہیں۔

> ''مولانا نعمانیؒ اردو ادب کے کامیاب مضمون نگار اور مصنف ہیں ان کی تصانیف عام فہم ہوتی ہیں، طرز نگارش سادہ، سلیس اور شگفتہ ہے، عوام اور خواص دونوں حلقوں میں ان کی کتابیں مقبول اور پسندیدہ ہیں، معارف الحدیث جس کی اب تک چھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں احادیث نبوی کا ایک جامع انتخاب اور شاہکار ہے جس میں احادیث کی تشریح میں اس دور کی نفسیات کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اسلام کیا ہے؟ دین و شریعت اور قرآن پاک آپ سے کیا کہتا ہے؟ ان کی نہایت معرکہ آراء تصانیف ہیں ان کے علاوہ کلمہ طیبہ کی حقیقت، نماز کی حقیقت، آپ حج کیسے کریں؟ برکات رمضان، تحقیق مسئلہ ایصال ثواب، تصوف کیا ہے؟ تذکرہ امام ربانی، ملفوظات مولانا محمد الیاس، بوارق الغیب (دو جلدوں میں) معرکتہ القلم، حضرت شاہ اسماعیل شہید پر معاندین کے الزامات، خاکسار تحریک، قرآن علم کی روشنی میں، اسلام اور کفر کے حدود اور قادیانیت وغیرہ ان کی اہم کتابیں ہیں۔'' (۵۰)

رسالہ علماء دیوبند کی عہد ساز شخصیات میں مولانا نعمانیؒ کا تذکرہ نہایت تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے، اس میں ان کے حالات زندگی کے ساتھ ساتھ ان کی تصانیف وغیرہ پہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ ذیل میں اقتباس پیش خدمت ہے۔

> ''حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، علمی دنیا میں ان کا نام بہت بلند تھا، وہ ایک جید عالم بھی تھے، نازک خیال ادیب بھی، کامیاب صحافی بھی، بہترین مناظر اور بہت سی قابل قدر کتابوں کے مصنف بھی، کاش ان کی عمر نے وفا کی ہوتی اور وہ ابھی بھی زندہ رہتے۔ ملت کو ان کی ضرورت تھی...... دیوبند سے فراغت

حاصل کرنے کے بعد مختلف مدارس میں درس وتدریس کی خدمات انجام دیں، چند سال ندوۃ العلماء میں بھی شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ طالب علمی کے زمانہ میں ہی لکھنے پڑھنے کا شوق بھی پیدا ہوگیا تھا، مختلف موضوعات پر مضامین لکھتے اور اساتذہ کو دکھاتے رہتے تھے۔ اس طرح چند سال کی لگاتار محنت وکاوش کے بعد قلم میں خاصی روانی پیدا ہوگئی تھی۔ آپ کی طبیعت کا میلان درس وتدریس سے زیادہ مضامین لکھنے کی طرف رہتا تھا اور یہ تحریری صلاحیت ہی دراصل ان کی شہرت وعظمت کا باعث بنی ہے۔ آج برصغیر میں لوگ انہیں عالم ہونے کے ساتھ ایک ادیب، صحافی اور مصنف کی حیثیت سے جانتے ہیں۔''(۵۱)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا تعارف اور ان کے مضامین ہندوستان بھر کے اکثر اہم ترین رسالہ جات میں شائع ہوتے رہے ہیں، ان کی زندگی میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ ان کی کتابوں کے کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں، ان کے رسالے بھی بار بار چھپوائی کے عمل سے گذر چکے ہیں۔ جن رسالوں میں ان کا تعارف اور مضامین اکثر شائع ہوتے رہے۔ ان میں، البلاغ، البینات، ترجمان اسلام، معارف، وغیرہ شامل ہیں۔

﴿-----☆-----﴾

خلاصہ باب چہارم

مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے جہاں تدریس، تقریر و دیگر تنظیمی و تحریکی طرز عمل سے دینی دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا، وہاں ان کا سب سے اہم ترین کام تصنیف و تالیف ہے۔ انہوں نے درجنوں کتابیں و رسالے لکھے۔ خود انہوں نے ایک رسالہ الفرقان کے نام سے جاری کیا اور اس میں سینکڑوں مضامین لکھے۔ انہوں نے مختلف میدانوں میں قلم کے جوہر دکھائے۔ حدیث، فقہ، تفسیر، اصلاحیات، عقائد و نظریات، عبادات، اثبات حق، ابطال باطل، سوانح وغیرہ غرضیکہ ہر شعبے میں انہوں نے جدوجہد کی۔ ان کی کتابیں عوام و خواص میں مقبول ہیں۔

''تالیف کے میدان میں رب کائنات نے آپ کو خصوصی قبولیت کا درجہ عطا فرمایا۔ عام فہم زبان میں علمی مسائل کو امت کے سامنے اس انداز سے پیش کیا کہ بڑے بڑے شبہات دور ہو گئے اور ہر پڑھنے والا اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ چنانچہ ان کی تصنیف، اسلام کیا ہے؟ وہ عظیم تالیف ہے جس نے اتنی مقبولیت حاصل کی کہ دنیا کی اکثر زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے۔ اس کتاب کو خالی الذہن سے پڑھنے والا شخص اسلام کی حقانیت کی تصدیق کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کے دور میں اس کتاب نے پوری دنیا کے سامنے اسلام کی اصل تصویر پیش کی۔ اس طرح معارف الحدیث کے عنوان سے آپ کے حدیث سے متعلق سلسلے نے، جواب کتابی شکل میں آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے، علمائے کرام کے حلقے میں ایسی مقبولیت حاصل کی کہ کوئی عالم دین اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ انگریزی اور ہندی زبان میں ان دونوں تصانیف کے تراجم نے یورپ اور امریکا کے مسلمانوں کی بہت زیادہ رہنمائی کی ہے۔ اس کے علاوہ دین و شریعت، قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟ تذکرہ مجدد الف ثانی، ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ، تصوف کیا ہے؟ نماز کی حقیقت، نماز اور خطبہ کی زبان، آپ حج کیسے کریں؟ آسان حج، منتخب تقریریں، میری طالب علمی، آپ کون ہیں اور آپ کی منزل کیا ہے؟ قرب الٰہی کے دو راستے، قرآن و حدیث کی سو دعائیں، انسانیت زندہ

ہے ،شاہ اسماعیل شہید اور معاندین اہل بدعت ، فیصلہ کن مناظرہ ،کلمہ طیبہ کی حقیقت ، برکات رمضان ،تاریخ میلاد ،عقیدہ علم غیب ،مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سر گذشت ،تبلیغی جماعت ، جماعت اسلامی اور بریلوی حضرات ،مسئلہ حیات النبی ﷺ کی حقیقت ،ایرانی انقلاب ،امام خمینی اور شیعیت ۔آپ کی ایسی قابل قدر تصانیف ہیں ،جن کی ضرورت ہر اہل علم محسوس کرتا ہے۔

ماہنامہ الفرقان میں تو مولانا کے بے شمار مضامین شائع ہوئے لیکن حضرت شاہ ولی اللہ کی شخصیت وافکار کے حوالے سے ''حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ اوران کے کام کا مختصر تعارف'' کے عنوان سے مولانا نعمانیؒ کا مضمون ان اہم ترین مضامین میں شامل ہے جنہیں خاص امتیاز حاصل ہے۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے لے کر اب تک کے اپنے سلسلہ کے اکابر ومشائخ ،مصلحین امت کا تذکرہ ،ان کی سوانح حیات اور ایمان افروز مکتوبات و ملفوظات (جو عموماً فارسی زبان میں ہیں) عہد حاضر کے اردو خواں مسلمانوں کے لئے سادہ وسلیس اور دلکش ودلنشین اردو زبان میں منتقل کر کے مرتب کرنا آپ کا لائق تحسین کام ہے۔اس سلسلہ میں وہ جو کچھ لکھتے تھے جہاں تک اس عاجز کا اندازہ ہے اللہ کی رضا ،اجر آخرت کی طلب اور امت محمدیہ کی خدمت ہی کی نیت سے لکھتے تھے اور خاص بات یہ تھی کہ سب سے پہلے خود ان کا قلب سلیم اس سے سبق اور اثر لیتا تھا ،ان کے اخلاص وللّٰہیت اور قلبی کیفیت کے اثر سے ان کی یہ تحریریں ، ہر پڑھنے والے کے دل کو غیر معمولی طور پر متاثر کرتی تھیں ،اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ ان کے ان مقالات نے کتنے بندوں کے دلوں میں خدا طلبی ،آخرت کی فکر اور ان اکابر و مشائخ عباد اللہ الصالحین کے نقش قدم پر چلنے کا شوق وجذبہ پیدا کیا ،ایمان ویقین کی کیفیت میں اضافہ ہوا ،اعمال صالحہ کی توفیق ملی ،اور قرب ورضاء الٰہی کی نعمت عظمیٰ نصیب ہوئی ۔رسول اللہ ﷺ کے بیان فرمائے ہوئے خداوندی قانون ومنشور رحمت ''من دل علیٰ خیر فلہ اجر مثل فاعلہ'' کے مطابق یقین ہے کہ ان سب بندگان خدا کے اعمال کا اجر بھی ان کو

عطا ہوگا۔ مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی شخصیت کا تعارف ہندوستان کے علمی اور دینی صحافی حلقوں میں خاصہ تھا، ان کی تحریریں از خود مختلف جرائد اور اخبار اکثر اوقات شائع کرتے رہتے تھے۔ مولانا کی یہ تحریریں جہاں تاریخ اسلام کے یادگار دور سے تعلق و رابطہ جوڑتی ہیں وہاں سیرت رسول ﷺ کے روشن پہلوؤں سے بھی متعارف کرواتی ہیں، عبادت، اعلیٰ اخلاق، اخلاص ومحبت جو کہ دینی تعلیمات کا خلاصہ ہیں، سے آشنا کرنا اوران کی طرف رغبت دلانا، یہ مولانا ہی کے قلم کا کمال تھا۔

مولانا مرحوم تالیف وتصنیف کے ذریعہ اسلام اوراس کی صحیح تعلیمات پیش کرنا چاہتے تھے اوران کا مخاطب زیادہ تر کم تعلیم یافتہ یا جدید تعلیم یافتہ طبقہ تھا جو دینی مبادیات سے بالعموم ناواقف ہوتا ہے یا معمولی شد بد رکھتا ہے۔ یہ تو ان کی تا مات کا مثبت اور بنیادی پہلو تھا۔ اس مقصد سے انہوں نے کئی مقالات کے علاوہ درجنوں چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں۔ ان میں ''نماز کی حقیقت'' ''کلمہ طیبہ کی حقیقت'' ''قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟'' ''تصوف کیا ہے؟، حج کیسے کریں، وغیرہ شامل ہیں، افادیت اوراثر انگیزی کے اعتبار سے ان تا مات نعمانی نے اپنے اصل مخاطبین کے روح وقلب کو گرمایا، خواص کو بھی بہت فائدہ پہنچایا۔

تا مات نعمانی کا دوسرا پہلو یہ رہا کہ مسلم اور غیر مسلم طبقات کے انحرافات اوران کی اسلام دشمنی کو بھی اجاگر کیا جائے تا کہ عوام وخواص دونوں ان کے مکر وفریب سے واقف اوران کی چالوں سے محفوظ رہیں، نعمانی تا مات کے انہیں دونوں زمروں میں ان کی دوسری نگارشات بھی آتی ہیں کہ یا تو وہ اسلام اوراس کے عظیم علمبرداروں کی خدمات جلیلہ اوران کی عبقریات نادرہ کوان کے صحیح تناظر میں پیش کرتی ہیں یا ان کے حسین وجمیل چہروں سے اغیار و حاسدین کی اڑائی ہوئی خاک کو دور کر کے ان کو آئینہ بناتی ہیں۔ اول الذکر زمرہ میں حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ، حضرت مولانا محمد یوسفؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ، جیسے بزرگان دین وملت پر ان کی نگارشات یا ان کی مرتب کردہ کتابیں بصورت خاص اشاعتوں یا رسائل کے شامل ہیں۔

دوسرے زمرے میں وہ تا مات نعمانی آتی ہیں جو ابطال اسلامی اور رجال دینی کے خلاف دشمنوں کے معاندانہ پرچار کی قلعی کھولتی اوران کی مجلا ومصفا تصاویر پیش کرتی ہیں۔ اکابر علماء دیوبند کے خلاف پروپیگنڈہ اور حضرت شاہ اسماعیل شہید پر معاندین اہل بدعت کے الزامات اوران جیسی دوسری تحریریں اور تقریریں اس میں شامل کی جاسکتی ہیں۔

مولانا مرحوم کی ان تا ںات کا مقصود اصلی صرف ایک تھا کہ اسلام اور اس کے جاں نثار خادموں اور عظیم علمبرداروں کو ان کے صحیح رنگ وروپ میں پیش کیا جائے۔انہوں نے قرآن وحدیث کو اپنی تمام تا ںات کی بنیاد بنایا کہ یہی دونوں اصل کسوٹی ہیں جن پر کھرے کھوٹے کو پرکھا جاسکتا ہے اور جن سے معاندین ومخالفین بھی انکار کرنے کی جرأت نہیں کرسکتے۔دوسرے تمام مآخذ ومصادر کو مولانا مرحوم نے استعمال ضرور کیا ہے مگر ان کو معیار حق وباطل نہیں بنایا۔وہ صرف معلومات،مشاہدات اور واقعات فراہم کرنے کے وسائل وذرائع ہیں۔تصوف اور صوفیائے کرام پر ان کی تحریریں ان کے اسی طریقہ کار کو واضح کرتی ہیں۔اسلامی تصوف ان کے نزدیک شریعت ودین اسلامی کی روح کے سوا اور کچھ نہیں۔ان کی بعض تعبیرات وتشریحات سے اختلاف کیا جاسکتا ہے مگر روح احسانی کے وجود وکارفرمائی سے انکار ناممکن ہے۔تصوف اور صوفیہ نئی اصطلاح اور مصلحین کا نیا طبقہ ہوسکتے ہیں مگر ان کی بنیاد واساس قرآن وحدیث پر تھی۔مولانا نعمانیؒ تصوف کے غیر اسلامی تجاوزات پر نقد وتنقید کرنے سے بھی نہیں چوکتے جو ایک قائل تصوف کے ایمانی واحسانی صلابت کی دلیل محکم ہے۔مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی تصانیف کے جائزے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان کی شخصیت میں درج ذیل خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں۔

۱۔علمی وفنی قابلیت

۲۔فن تحریر سے حد درجہ واقفیت

۳۔ادبیانہ طرز تحریر

۴۔تحریر میں سلاست اور سادگی

۵۔عصری مسائل سے آگاہی

۶۔دینی اجتماعی معاملات سے آگاہی

۷۔للّٰہیت اور اخلاص

۸۔جذبہ عمل واصلاح

۹۔حریت وحمیت

۱۰۔راست بازی

۱۱۔تواضع وانکساری

۱۲۔اسلام اور مسلمانوں سے محبت

۱۳۔اکابرین کا عزت واحترام

مندرجہ بالا خوبیوں کی بدولت ان کی تصانیف نے کافی شہرت پائی اور معاشرے کو ان سے فائدہ پہنچا۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا تعارف اور ان کے مضامین ہندوستان و پاکستان کے اکثر اہم ترین رسالہ جات میں شائع ہوتے رہے ہیں، ان کی زندگی میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ان کی کتابوں کے کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں، ان کے رسالے بھی بار بار چھپوائی کے عمل سے گذر چکے ہیں۔جن رسالوں میں ان کا تعارف اور مضامین اکثر شائع ہوتے رہے۔ان میں انڈیا کے متعدد رسائل و جرائد

خصوصاً الفرقان کے علاوہ، البلاغ، البینات، ترجمان اسلام، معارف، فہم دین، روز نامہ اسلام وغیرہ شامل ہیں۔الغرض تبلیغی و دعوتی اسفار اور الفرقان کی ادارت کے ساتھ ساتھ مولانا ہمیشہ تصنیف و تالیف میں بھی مشغول رہتے جس کا انہیں اچھا ذوق، خاص سلیقہ اور خداداد ملکہ تھا وہ اردو کے بہت اچھے اہل قلم تھے۔ان کی تحریریں نہایت سلیس، شگفتہ اور رواں ہوتی تھیں۔جن کی زبان آسان اور بڑی عام فہم ہوتی اور پیش کرنے کا انداز اتنا مئوثر اور دل نشیں ہوتا تھا کہ عام آدمی کو بھی ان کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی۔اور جس موضوع پہ بھی قلم اٹھاتے تھے اس پر ان کی مکمل گرفت ہوتی تھی اس لئے اپنے مدعا و مقصود کو کسی ایچ پیچ کے بغیر اچھی طرح واضح کر دیتے تھے۔مولانا کی چھوٹی بڑی درجنوں تصنیفات ہیں اور وہ سب اس قدر مقبول ہوئیں کہ ان کے درجنوں ایڈیشن بھی نکلے اور ملک کی مختلف زبانوں کے علاوہ انگریزی اور عربی وغیرہ میں ترجمے بھی ہوئے۔

☆

حوالہ جات: باب چہارم

1۔ ماہنامہ الفرقان لکھنو، اشاعت خاص (بیادمولانا محمد منظور نعمانیؒ)، اپریل ۱۹۹۸ء تا اگست ۱۹۹۸ء، ص ۳۵

2۔ ماہنامہ بینات اشاعت خاص بیاد ختم نبوت مولانا محمد جمیل خانؒ، نومبر ۲۰۰۵ تا فروری ۲۰۰۶ء، کراچی، فیروز ذکی مطبع ایجوکیشنل پریس، جلد نمبر ۶۸، شمارہ نمبر ۹ تا ۱۲، ص ۸۰۶

3۔ ماہنامہ الفرقان لکھنو، اشاعت خاص (بیادمولانا محمد منظور نعمانیؒ)، محولہ بالا، ص ۳۷

4۔ ایضاً، ص ۳۷

5۔ ایضاً، ص ۲۲۸

6۔ یوسف لدھیانوی، مولانا، مقالات یوسفی شخصیات وتاثرات، کراچی، مکتبہ لدھیانوی، ۲۰۰۱ء، ص ۲۲۸

7۔ ماہنامہ الفرقان لکھنو، اشاعت خاص (بیادمولانا محمد منظور نعمانیؒ)، محولہ بالا، ص ۳۶ تا ۳۷

8۔ محمد منظور نعمانی، مولانا، (ترتیب: عتیق الرحمٰن نعمانی) تحدیث نعمت آپ بیتی، لاہور، قریشی پبلشرز، ۱۹۹۷ء، ص ۱۰۹ تا ۱۱۶

9۔ ماہنامہ الفرقان لکھنو، اشاعت خاص (بیادمولانا محمد منظور نعمانیؒ)، محولہ بالا، ص ۹۲

10۔ البلاغ مفتی اعظم نمبر، کراچی، مکتبہ دارالعلوم کراچی، شعبان ۱۳۹۹ھ، جلد نمبر ۱۳، شمارہ نمبر ۶، ۷، ۸، ص ۵۲ تا ۵۹

11۔ ماہنامہ بینات بیاد حضرت مولانا بنوریؒ، کراچی، جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن، جنوری، فروری ۱۹۷۸، ص ۶۷۷ تا ۶۸۰

12۔ الفرقان بریلی، شاہ ولی اللہ نمبر، ص ۴۰۱ تا ۴۰۲

13۔ ماہنامہ الفرقان، بیاد نسیم احمد فریدی، لکھنو، شمارہ نمبر ۵ تا ۸، مئی تا اگست ۱۹۸۹ء، ص ۱۸ تا ۱۹

14۔ ایضاً، ص ۲۲

15۔ درانی، محمد ریاض، حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی، لاہور، مشتاق پرنٹنگ پریس، ۲۰۰۴ء، ص ۴۰۰ تا ۴۰۱

16۔ سیارہ ڈائجسٹ رسول نمبر، لاہور، جلد ۲۰، شمارہ ۵، نومبر ۱۹۷۳ء، ص ۲۳۳ تا ۲۳۷

17۔ رسالہ، مجید لائکپوری، شاہ جی، لاہور، جدید بک ڈپو، ۱۹۶۵ء، ص ۱۹۷ تا ۱۹۸

18۔ ایضاً، ص ۱۹۹

19۔ابوسلمان شاہجہان پوری،ڈاکٹر،شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ ایک سیاسی مطالعہ،کراچی،مجلس یادگار شیخ الہند،۱۹۹۳ء،ص۵۱ تا ۵۳

20۔ایضاً،ص ۵۶ تا ۵۷

21۔منظور احمد نعمانی،مولانا،عتیق الرحمٰن سنبھلی،تذکرہ حضرت جی،لاہور،مکتبہ خلیل،۱۹۹۸ء،ص ۱۶۰

22۔ماہنامہ الفرقان لکھنو،اشاعت خاص (بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)،محولہ بالا،ص۳۹۱ تا ۳۹۴

23۔ایضاً،ص ۳۹۵

24۔ایضاً،ص ۳۹۶ تا ۳۹۷

25۔چالیس بڑے مسلمان،جلد اول،ص ۳۰۷

26۔سید ابوالحسن علی ندوی،مولانا،کاروان زندگی،کراچی،مجلس نشریات اسلام،س ن،ص ۲۵۷

27۔معارف،اعظم گڑھ،مارچ ۲۰۰۲ء،جلد۱۶۹،ص ۲۳۶ تا ۲۳۷

28۔ایضاً،جلد۸۴،مطبوعات جدیدہ،جولائی،۱۹۵۹ء،ص ۷۹

29۔فیوض الرحمٰن،ڈاکٹر،مشاہیر علماء،لاہور،فرنٹیر پبلشنگ کمپنی،س ن،ص ۵۲،جلد سوم

30۔معارف اعظم گڑھ،جلد۸۲،جولائی ۱۹۵۸ء،ص ۷۷ تا ۷۸

31۔معارف اعظم گڑھ،جلد۷۱،مطبوعات جدیدہ،مئی ۱۹۵۳ء،ص ۳۹۹ تا ۴۰۰

32۔ایضاً،نمبر۲،جلد ۶۷،مطبوعات جدیدہ،فروری ۱۹۵۱ء،ص ۱۵۷ تا ۱۵۸

33۔ایضاً،نمبر۶،جلد ۶۶،دسمبر ۱۹۵۰ء،ص ۵۰۱ تا ۵۰۲

34۔فیوض الرحمٰن،ڈاکٹر،مشاہیر علماء،محولہ بالا،ص ۵۲ تا ۵۳،جلد سوم

35۔معارف اعظم گڑھ،نمبر۴،جلد ۶۶،اکتوبر ۱۹۵۰ء،ص ۱۱۹ تا ۱۲۰

36۔ایضاً،نمبر۲،جلد ۶۶،اگست ۱۹۵۰ء،ص ۱۵۹

37۔ایضاً،نمبر۲،جلد ۱۶،جولائی ۱۹۹۷ء،ص ۷۹ تا ۸۰

38۔ایضاً،نمبر۳،جلد ۶۲،ستمبر ۱۹۴۰ء،ص ۲۳۹

39۔ایضاً،نمبر۲،جلد ۱۷۴،ستمبر ۲۰۰۴ء،ص ۲۳۵

40۔ایضاً،نمبر۲،جلد ۱۲۴،اکتوبر ۱۹۷۹ء،ص ۳۱۵

41۔تقی عثمانی،مولانا،نقوش رفتگان،کراچی،ادارۃ المعارف،۱۹۹۸ء،ص ۳۹۵ تا ۳۹۶

42۔اختر منیر،مولانا سید ابوالحسن ندوی،حیات وافکار کے چند پہلو،،اسلام،ادارہ تحقیقات اسلامی ۲۰۰۲ء،ص ۸

43۔محمد یونس پالن پوری،مولانا،بکھرے موتی،کراچی،مکتبہ سعید،۱۴۲۴ھ،ص ۱۰۶

44۔ایضاً،ص ۱۰۷تا ۱۰۸

45۔ماہنامہ الفرقان لکھنو، اشاعت خاص (بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)، محولہ بالا، ص ۱۳۴ تا ۱۳۷

46۔ایضاً، ص ۱۹۲ تا ۱۹۳

47۔ایضاً، ص ۲۱۰

48۔فیوض الرحمٰن، ڈاکٹر، مشاہیر علماء، محولہ بالا، ص ۵۲ تا ۵۳، جلد سوم

۴۹۔ماہنامہ الفرقان لکھنو، اشاعت خاص (بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)، محولہ بالا، ص ۶۵۷ تا ۶۶۰

50۔فیوض الرحمٰن، ڈاکٹر، مشاہیر علماء، محولہ بالا، ص ۵۲ تا ۵۳، جلد سوم

51۔علمائے دیوبند عہد ساز شخصیات، الحسینی، محمد مجاہد، ص ۶۱، اشاعت اول ۲۰۰۴ء، ناشر سیرت مرکز، فیصل آباد،

﴾-----☆-----﴿

باب پنجم: مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی خدمات صحافت

فصل اول: ماہنامہ الفرقان کا اجراء

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی دینی خدمات کے حوالے سے سب سے نمایاں پہلو صحافتی زندگی کی جدو جہد ہے۔انہوں نے اپنے قلم سے اسلامی تعلیمات کو معاشرے میں عام کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔اگر دیکھا جائے تو ان کی زندگی کا یہ پہلو سب پہ حاوی نظر آتا ہے، کیونکہ ان کی صحافتی کاوشوں کے اثرات پورے برصغیر اور باہر کے مما لک تک نظر آتے ہیں۔گویا ان کی صحافتی زندگی دین کی اجتماعی جدو جہد میں ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔صحافتی جدو جہد ہی کے ذریعے انہوں نے اپنی فکر کو استحکام دیا اور اسلامی تاریخ، سیاست، معاشرت، فقہ، حدیث کو انتہائی سلیس اور عوامی انداز میں پیش کیا، ملت اسلامیہ کے اجتماعی مسائل کو اجاگر کیا اور ان کا حل دین اسلام کی روشنی میں پیش کیا۔اس کے علاوہ ان کے نزدیک جو باطل تحریکات تھیں ان کا مؤثر جواب دینے کے لئے اور ان کو بے نقاب کرنے کے لئے اور مسلمانوں کے عقائد کی درستگی کے لئے انہوں نے اسی صحافتی زندگی میں ایک اہم کردار ادا کیا۔

ان کی صحافتی زندگی میں سب سے اہم کام رسالہ ''ماہنامہ الفرقان'' کا اجراء ہے۔ذیل میں اس کی تفصیلات ملاحظہ فرمائیں۔مولانا محمد منظور نعمانیؒ الفرقان کے اجراء کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

> ''ماہنامہ الفرقان جس کی اشاعت کا اس وقت (رمضان ۱۴۱۴ھ میں) باسٹھواں سال چل رہا ہے۔اس کا اجراء بھی فی الواقع احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے اس عاجز بندے کے فکر وعمل کی ہی ایک کڑی تھی۔اس دور میں بار بار تقاضہ ہوتا رہا تھا کہ ایک ماہنامہ جاری کیا جائے لیکن ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر اور مقدر ہے اس لئے عملی شکل نہیں بن پاتی تھی حتیٰ کہ وہ وقت مقرر آ گیا اور ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ میں استخارۂ مسنونہ کے بعد اعلان کر دیا گیا کہ ان شاء اللہ محرم ۵۳ھ سے ایک ماہنامہ الفرقان نام سے بریلی سے جاری ہوگا۔'' (1)

الفرقان کا اجراء مولانا نعمانیؒ کی جدو جہد کا تسلسل تھا جو انہوں نے دینی وملی خدمات کے حوالے سے شروع کی تھی۔انہوں نے شبانہ روز محنت کی۔وہ چاہتے تھے کہ ان کی آواز زیادہ سے زیادہ عوام تک پہنچے اور ان کے خیال میں جو باطل فرقے تھے ان کی سازشوں کو بے نقاب کیا جائے اور عوام کو ان کے اثر سے نکالا جائے۔اس کے لئے انہوں نے رسالہ شروع کرنے کا پروگرام بنایا۔مولانا موصوف الفرقان کی شروعات کے مقاصد اور اس کے پس منظر

پہ روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''عالم اسباب میں یہ قطعی اسی سال شوال کے ایک اہم واقعے کا نتیجہ تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ دروا اور سنبھل وغیرہ کے مناظروں کے بعد بریلوی فتنہ انگیزوں سے ایک اہم مناظرہ ۱۵ شوال کو لاہور میں ہونے کے لئے طے پا گیا۔ اس کی اہمیت یہ تھی کہ دیو بندی بریلوی نزاع کی تاریخ میں پہلی بار فریقین اس بات پر متفق ہوئے تھے کہ مناظرے میں کسی کو حکم اور جج بنالیا جائے۔ اور اس کا فیصلہ اس قضیے کو جو ہندوستانی امت مسلمہ کے لئے نہایت مہلک اور اضطراب انگیز ہے، ہمیشہ کے لئے ختم کردے۔ اور اس مقصد کے لئے تین ناموں پر بھی فریقین کا اتفاق ہو گیا تھا۔ یہ نام تھے ڈاکٹر سر محمد اقبال، مولانا اصغر علی روحی سابق پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور اور شیخ صادق حسن بیرسٹرایٹ لا۔ امرتسر۔ ڈاکٹر علامہ اقبال کے مرتبے اور مقام کے بارے میں تو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ باقی دونوں حضرات بھی اپنے زمانے کے خاص کر پنجاب کے علاقہ میں نہایت مؤثر اور معتزز شخصیتوں کے مالک تھے۔ اس لئے اس عاجز کی نظر میں یہ ہونے والا مناظرہ مسلمانان ہند کی تاریخ کا ایک یادگار ورق بننے جارہا تھا۔ اور لازم تھا کہ کوئی چیز اس کی راہ میں اپنے امکان بھر حائل نہ ہونے دی جائے۔ چنانچہ بریلوی فریق کی ایک ایسی شرط بھی اس سلسلے میں منظور کی گئی جس کا کوئی جواز بھی ان کے لئے نہ تھا اور ہمارے لئے اس کا پورا کرنا آسان بھی نہ تھا۔

شرط یہ تھی کہ جس طرح وہ اپنے لئے طے کرتے ہیں کہ ان کی طرف سے مناظر مولوی حامد رضا خاں صاحب ہوں گے یا ان کا وکیل۔ اسی طرح اہل دیو بند کی طرف سے بھی یہ مانا جائے کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مناظر ہوں گے یا ان کا وکیل۔

ہماری طرف سے بھی مناظر کا نام ہمارا مقابل فریق طے کرے۔ ایسی عجیب وغریب بات شاید ہی کبھی کسی کے سننے میں آئی ہو، اور پھر جو نام تجویز فرمایا گیا تھا۔ یعنی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب ان کے بارے میں دنیا جانتی تھی کہ بریلوی جماعت کے معاندانہ اور ہٹ دھرمانہ رویوں کا تجربہ فرمانے کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اصولوں کی رو سے ان کو کبھی قابل خطاب ہی نہ سمجھا تھا۔ پس بذات خود ان کے مقابلے میں مناظر بننے کے لئے لاہور تشریف لانے کا تو سوال ہی کیا تھا؟ اپنی طرف سے کسی کو وکیل اور مجاز بنادیں یہی مشکل بات تھی۔ بظاہر اس قطعی نامعقول شرط کی وجہ یہی تھی کہ یہ بریلوی حضرات سمجھتے تھے کہ مولانا تھانوی صاحب خود تو کیا آویں گے وہ اپنا وکیل بھی کسی کو بنانے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ پس مناظرہ ہی نہ ہوگا اور ان کی یہ کوشش (کہ مناظرہ ٹل جائے) اس لئے

ہونی ہی چاہئے تھی کہ یہ جج اور حکم والی ہماری شرط انہوں نے بظاہر مان تو لی تھی، مگر یہ ان کے من کی بات نہ تھی۔ اس لئے کہ اکابر دیوبند کے خلاف ان کی تکفیری مہم کے کسی غلط فہمی اور سنجیدگی پر مبنی ہونے کی کوئی علامت نہیں پائی جاتی تھی۔ اس کے برعکس تمام علامتیں اس بات کی تھیں کہ یہ ایک سوچ سمجھے کاروبار والی مہم ہے۔ لیکن یہاں چونکہ یہ طے کر لیا گیا تھا کہ کچھ بھی ہو اس تاریخی موقع کو ضائع نہیں ہونے دینا۔ اس لئے جب بریلوی فریق اپنی اس ناروا شرط کے بارے میں کچھ سننے کو تیار نہ ہوا تو یہ بھی مان لی گئی اور سوچ لیا گیا کہ ان شاء اللہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ معاملے کی اس خاص نوعیت کے پیش نظر خدام کی بات قبول فرمالیں گے اور ہم میں سے کسی کے نام کا وکالت نامہ تحریر فرمادیں گے۔ الحمد للہ یہ توقع پوری ہوئی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حسب ذیل وکالت نامہ تحریر فرمادیا۔

مقام تھانہ بھون ۵ رمضان ۱۳۵۲ھ

بعد حمد و صلوٰۃ جس دینی کلام سے کسی کو خطاب کیا جاوے وہ اگر محض تبلیغ ہے تو عبادت ہے اور یہ ایک صورت ہے، اس کے بعد اگر مخاطب محض تحقیق حق کے لئے کوئی سوال کرے تو اس کو جواب دینا بھی عبادت ہے اور یہ دوسری صورت ہے اور ان دونوں خدمتوں کے لئے ہر مسلمان جن میں احقر بھی شامل ہے، حاضر ہے۔ اور اگر محض جدال ہی مقصود ہے تو اس کو جواب نہ دینا اور اعراض کرنا بھی جائز ہے اور اس سکوت میں جو مذبذبین کے ضرر کا شبہ ہوتا ہے تو اس ضرر کا خود مذبذبین کی تفہیم سے دفع کرنا ممکن ہے۔ خواہ ابتدأ یا ان کے سوال کے بعد اور میرا یہی مذاق ہے۔ اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ رسالہ ''حفظ الایمان'' مؤلفہ احقر پر اعتراض کرنے والوں کے متعلق میرا عمل ہمیشہ سے اپنے مذاق کے موافق رہا ہے کہ نفس مسئلہ کی تبلیغ اور متردد ین کی تشفی کے لئے خود رسالہ ''حفظ الایمان'' بسط البنان'' تغیر العنوان'' لکھ چکا اور معاندین کو کہیں خطاب نہیں کیا مگر بعض احباب بعض مواقع میں دوسرے مذاق پر عمل کرنے کو نافع سمجھتے ہیں اور ان بعض مواقع پر بعض حالات کے اقتضاء سے اس نافعیت میں اس کی حاجت ہے کہ اس تفہیم کے لئے میں کسی کو اپنا وکیل بنادوں۔ اس لئے سردست میں اپنی طرف سے اس تفہیم کے لئے ان بزرگوں کو اپنا وکیل بناتا ہوں۔

حضرت مولانا حسین احمد صاحب فیض آبادی، جناب مولانا محمد منظور صاحب سنبھلی، مولانا ابوالوفا صاحب شاہجہان پوری، مولانا محمد اسماعیل صاحب سنبھلی، دام فیوضہم جمیعاً۔

اللہ تعالیٰ ان حضرات کے ارشاد و تفہیم میں نفع و برکت بخشے۔

ان ارید الاّ الاصلاح ما استطعت و ما توفیقی الاّ باللّٰہ

کتبہ، اشرف علی تھانوی حنفی چشتی

یہ وکالت نامہ لے کر یہ خاکسار (محمد منظور نعمانی) اور مولانا ابوالوفا صاحب نیز مولانا محمد اسماعیل صاحب سنبھلی (رحمۃ اللہ علیہما) تاریخ مناظرہ سے تین چار دن پہلے ہی لاہور پہنچ گئے...... دیوبندی مناظر کے لئے حکیم الامت کی طرف سے وکالت نامے کی شرط لگانے کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں ہوسکتا تھا کہ یہ شرط پوری نہ ہو سکے گی۔ اور اس طرح اس مناظرے سے جان چھوٹ جائے گی جس میں ایسے معروف ومئوقر اور معتمد حضرات کو حکم بنانا مان لیا گیا ہے۔ اس اندازے کی پوری تصدیق ہم لوگوں کے لاہور پہنچنے پر اس طرح ہوگئی کہ وکالت نامہ سامنے آجانے پر مناظرے سے دو دن پیشتر بریلوی حضرات کا ایک وفد جس میں مولوی حشمت علی صاحب، مولوی عبد الحفیظ صاحب اور مولوی سید محمد صاحب ناظم حزب الاحناف وغیرہ شامل تھے، ہمارے پاس آیا۔ اور ایک نئی شرط یہ عائد کی کہ اس وکالت نامے کی تصدیق جماعت دیوبند کے دو مستند عالموں کو کرنی ہوگی۔ ہم نے تو ہر قیمت پر مناظرہ ہو جانا طے کیا ہوا تھا، اس لئے جب ان کو بضد دیکھا تو اس کو بھی مان لیا۔ یہاں بھی ان کو ناکامی ہوئی اور مناظرہ کی جگہ کے سلسلے میں اگر چہ یہ طے ہو چکا تھا اور تحریر میں آچکا تھا کہ جج صاحبان اگر مجمع عام والے مناظرے میں حصہ لینے کو تیار نہ ہوئے تو بس ایک ایک مناظر اور دس دس معین مجلس مناظرہ میں شریک ہوں گے مگر جب ان جج صاحبان نے اس تجویز اور معاہدے کی روح اور سپرٹ کے مطابق یہ بھی چاہا کہ مناظرے کی مجلس کسی تخلئے کی (پرائیویٹ) جگہ میں ہو نہ کسی ایسی جگہ پر کہ جہاں عام مجمع ہوسکتا ہو تو ان حضرات نے ان کی اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اور بغیر ہمارے مشورے یا علم واطلاع کے اشتہار شائع کر دیا کہ مناظرے کا مقام مسجد وزیر خان ہوگی جو کہ لاہور میں بریلوی حضرات کا مرکز تھی۔ مزید برآں بالکل خلاف واقعہ طور پر یہ بھی شائع کیا کہ علامہ اقبال اور مولانا اروحی نے کسی حالت میں بھی ثالثی کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ جس کی تردید خود ان دونوں حضرات کی طرف سے اخبارات اور اشتہارات میں نکلی۔ ہم نے اس سب کے باوجود طے کئے رکھا کہ مناظرے سے انکار ہمیں نہیں کرنا ہے۔ چنانچہ ۱۵ شوال کی مقررہ تاریخ کو ہم لوگ ان حضرات کے شائع کردہ اشتہار کے مطابق مسجد

وزیر خان میں پہنچ گئے۔

اب مجمع عام میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وکالت نامہ پیش کیا گیا تو دو مستند دیوبندی علماء کی طرف سے اس کی تصدیق والی بریلوی شرط پوری کرنے کے لئے انہیں حضرات کی طرف سے لئے گئے ناموں کے مطابق حضرت احمد علی لاہوری صاحب اور مولانا عبد الحنان خطیب آسٹریلیا مسجد نے وہیں اس کی تصدیق تحریراً کر دی۔ یہ قصہ میں اتنی تفصیل سے اس لئے لکھ رہا ہوں کہ اپنے رنگ کا ایک غیر معمولی عبرت انگیز قصہ ہے۔قصہ ہے شیطان کے کسی پر مسلط ہو جانے کا۔کہ جب بد قسمتی سے ایسا ہو جاتا ہے تو پھر ایک فرد یا ایک گروہ کیسی کیسی نا قابل تصور باتیں بے دھڑک کر سکتا ہے۔اس تصدیقی تحریر کی بات سامنے آنے کے بعد کسی کے ذہن میں کوئی شبہ اس بارے میں نہ رہا ہو گا کہ اب مناظرے کی بساط بچھ گئی ہوگی، مگر نہیں۔اب ایک نیا مطالبہ ہوا، اور وہ یہ کہ لاہور کے دیوبندی علماء تحریر دیں کہ ہم محمد منظور کو مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا وکیل تسلیم کرتے ہیں۔مطلوبہ تحریر کی یہ عبارت مولوی حامد رضا خاں صاحب اور مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی کی تجویز فرمودہ تھی، جو ان کی طرف کے صدر جلسہ جناب مولوی سید حبیب صاحب ایڈیٹر اخبار سیاست لاہور کے ذریعہ ہم لوگوں تک آئی۔کسی بھی معقول آدمی کے ذہن میں کوئی تک اس مطالبے کی آسکتی ہے؟ مگر اس کی نامعقولیت سے بھی صرف نظر کر کے موجود علماء دیوبند کی طرف سے تحریر دے دی گئی تاکہ کسی طرح تو مناظرہ ہو۔اور اسی لئے یہ ان کی مضحکہ خیز بات بھی قبول کر لی گئی کہ مولوی حامد رضا خان صاحب جو بریلوی جماعت کے سربراہ تھے وہ مناظرے میں تشریف تو رکھیں گے مگر مناظرہ ان کی طرف سے ان کے وکیل کی حیثیت سے مولوی حشمت علی صاحب کریں گے۔اس کے لئے موصوف نے تحریر عطا فرمائی کہ۔

> ''میں لاہور کے فیصلہ کن مناظرے کے لئے اپنی طرف سے مولوی حشمت علی صاحب سلمہ کو اپنا وکیل مطلق بناتا ہوں۔وکیل موصوف کا قول، قبول، عدول سب میرا ہے اور ان کی فتح وشکست میری فتح وشکست ہے۔''

یہ مرحلہ طے ہونے کے بعد اب اس عاجز کے اور مولوی حشمت علی صاحب کے درمیان مناظرے کے طریق کار پر باضابطہ گفتگو شروع ہوئی اور اس سلسلے میں میری یہ شرط مولوی صاحب موصوف نے مان لی کہ مناظرے میں مدعی کی پوزیشن میری ہوگی، لیکن اس کے بعد اپنے لئے وہ حق طلب کیا جو فن مناظرہ کی اصطلاح میں ''مجیب' کا حق ہوتا ہے، یعنی ہر بحث میں آخری اور اختتامی تقریر کا حق۔حالانکہ اس حق کے اصول وقواعد کی رو سے یہ حق مدعی کا ہوتا ہے اور اسی کو اصطلاحی مجیب کی پوزیشن حاصل ہوتی ہے۔موصوف نے اس میں بحث کرنی چاہی تو ان کو اس فن کی مستند اور مسلم کتاب رشید یہ دکھائی گئی جس کا ان کے پاس کوئی معقول جواب نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا لیکن وہ اپنی بے قاعدہ ضد سے باز آنے کے لئے تیار نہ تھے۔حتیٰ کہ ان کی طرف کے صدر جلسہ نے مجبور ہو کر اس عاجز سے پوچھا کہ اچھا تو اب کیسے اس نزاع کا فیصلہ ہو؟ تب ان سے عرض کیا گیا کہ پروفیسر مولانا اصغر علی صاحب روحی جن کا نام آپ حضرات ہی

کی تحریک پر، جوں میں شامل ہوا تھا، میں اس معاملہ میں ان کو حکم تسلیم کرتا ہوں وہ جو فیصلہ فرما دیں گے میں قبول کرلوں گا لیکن مولوی حشمت علی صاحب اس کو قبول کرنے کے لئے بھی آمادہ نہ ہوئے حتی کہ پہلا دن تمام ہوگیا۔

دوسرا دن (۱۶ شوال ۱۳۵۲ھ) پھر اسی بحث سے شروع ہوا۔ اس دن بریلوی فریق کے صدر جلسہ محمد شاہ صاحب تھے۔ اس بحث کے سلسلے میں اس عاجز کے دلائل سننے کے بعد موصوف نے فرمایا، کہ میں اگر مناظر ہوتا تو آپ کی بات مان لیتا۔ مگر اپنے مناظر کو میں اس بات کے لئے مجبور نہیں کر سکوں گا اور اس کے بعد انہوں نے سمجھوتے کی ایک تجویز پیش کی کہ مناظرے میں چونکہ چار بحثیں ہونا ہیں، اس لئے سمجھوتے کے طور پر اسے قبول کیا جائے کہ دو بحثوں میں ایک فریق مجیب ہو اور دوسری دو میں دوسرا فریق۔ ہم لوگوں نے اسے بھی قبول کیا اور چار میں سے دو بحثوں میں آخری تقریر کا حق مولوی حشمت علی صاحب کے لئے بالکل خلاف قاعدہ طور پر مان لیا۔

مگر شرطوں کی زنبیل خالی ہونے کا نام نہیں لیتی تھی۔ اب ایک اور شرط پٹارے میں سے نکل آئی کہ تقریریں لفظ بہ لفظ لکھی جائیں اور اصل مئوکلین کے دستخط ان پر کرائے جائیں۔ اسے بھی مان لیا گیا یعنی مناظرے کو ٹالنے کا یہ حیلہ بھی ناکام بنا دیا گیا۔ تو پھر ایک اور شرط نکلنے لگی، مجبوراً اب اس عاجز نے کہا کہ شرطوں کا قصہ ختم کیجئے۔ میں بلا شرط مناظرہ شروع کرتا ہوں اور یہ کہہ کر خطبہ مسنونہ سے آغاز کر کے مولوی احمد رضا خاں صاحب کے مرتب کردہ فتوائے حسام الحرمین کے خلاف اپنے دعوے کی تقریر شروع کر دی۔ اس تقریر کا جواب بریلوی سمت سے اس ہنگامہ آرائی اور شور وشر کے ذریعہ دیا گیا جس نے پولیس کو مداخلت کرنے اور مناظرہ کا پروگرام ختم کرا دینے پر مجبور کیا یعنی مناظرہ بہر حال نہ ہو سکا۔

اس کے بعد یہ عاجز لاہور سے واپس ہو کر جو ۲۰ شوال کو مراد آباد پہنچا تو اس مناظرے سے متعلق بریلوی فتح مبین کے پوسٹر لگے ہوئے تھے۔ یاللعجب! یہ اکابر بریلویت مولوی حامد رضا خاں صاحب اور مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی اس درجے کی دروغ گوئی بھی پسند کرتے ہیں۔ یہ تھا وہ خاص واقعہ جس نے ایک ماہنامہ جاری کرنے کے تقاضے کو اس منزل پر پہنچا دیا کہ دو مہینے کے اندر ہی اندر الفرقان نامی ماہنامے کا بریلی سے اجراء طے ہو گیا اور اعلان نکل گیا۔'' (2)

الفرقان جیسے رسالے کا آغاز ایک اچھی کاوش تھی۔ اس کے اثرات کو معاشرے میں محسوس کیا گیا۔ اہل علم

اور عوام دونوں نے اسے پذیرائی دی۔ اس رسالے میں ایک طرف علماء کے لئے پر مغز اور پر علم مضامین ہوتے تھے تو دوسری طرف سیاسی شعور کے لئے رہنمائی بھی موجود ہوتی تھی نیز عوام کے لئے آسان اور سلیس مواد بھی موجود ہوتا تھا جسے پڑھ کر وہ مختلف دینی مسائل میں رہنمائی لے سکتے تھے۔ الفرقان کے حوالے سے علماء کافی متأثر نظر آتے ہیں۔ اس حوالے سے ذیل میں مختلف جید علماء کی آراء الفرقان کے اجراء کے حوالے سے پیش خدمت ہیں۔

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ لکھتے ہیں۔

''الفرقان کے ذریعہ انہوں نے دینی اور ادبی صحافت کا آغاز کیا جو پہلے بریلی سے جاری کیا اور بعد ازاں لکھنؤ منتقل ہوگیا۔ ان کی یہ صحافت قریباً ایک صدی پر محیط ہے اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اسے پڑھ کر کتنے لوگوں کے خیالات کی اصلاح ہوئی ہو گی۔ لوگوں کے ذہنوں سے شکوک وشبہات کی دھند چھٹی ہوگی اور کتنے اللہ کے بندے ان کے مضامین کو پڑھ کر راہ راست پر گامزن ہوئے ہوں گے۔ ان کا یہ صدقہ جاریہ الحمد للہ! آج بھی جاری ہے جسے ان کے صاجزادے مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی ندوی چلا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے اور ان کو اپنے نامور والد گرامی کا صحیح جانشین بنائے۔'(3)

'' مفتی محمد جمیل خانؒ لکھتے ہیں۔

''۶۵ سال قبل آپ نے تحریری فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ''الفرقان'' رسالہ کا اجراء کیا۔ اس رسالہ نے حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کے'' نگاہ اولین'' اور بہترین مضامین کی وجہ سے ابتدا ہی سے علمائے کرام میں ایک خاص مقام حاصل کیا۔ ہندوستان جیسے ظلمت کدۂ کفر میں اس رسالے نے ہمیشہ حق کی آواز بلند کی۔ ہر اسلامی موضوع پر بہترین تحقیق شامل کی۔ اپنے ۶۵ سالہ دور میں اس رسالہ نے کئی نمبرات شائع کیے جو ایک علمی ذخیرہ ہیں۔ خاص طور پر ایرانی انقلاب کے بعد '' خمینی سے متعلق فتویٰ'' نے پوری دنیا کے سامنے ایرانی انقلاب کی تصویر واضح کر دی اور امت مسلمہ کو ایک عظیم نقصان سے محفوظ فرمایا۔''(4)

مولانا ضیاء الدین اصلاحی لکھتے ہیں۔

''اپنے مخالفوں کے نظریات کے ابطال کے لئے ایک علمی ودینی ماہنامہ رسالہ نکالنے کا خیال بھی آیا جو محرم ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء سے اب تک ان کے انتقال کے بعد بھی الفرقان کے نام سے برابر شائع ہو رہا ہے اور وہ ملک کا مشہور علمی، دینی اور اصلاحی رسالہ خیال

کیا جاتا ہے۔ مولانا کی یہ جرات و ہمت بھی قابل داد ہے کہ انہوں نے شروع میں رسالہ ایسی جگہ سے شائع کیا جو ان کے حریفوں کا خاص مرکز تھی۔ ان کی مہم جو اور حوصلہ پسند طبیعت کو ہمیشہ اپنی سرگرمی عمل کے لئے نئے میدانوں اور خوب سے خوب تر راہوں کی تلاش و جستجو رہتی تھی۔ عمر کی پختگی اور بعض تجربوں کے بعد جب وہ مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کی دینی تحریک سے متوسل ہو گئے تو مسلمانوں کی اصلاح کے اس محدود تصور پر قانع نہیں رہ سکے جس کی بناء پر بعض طبقوں کی اعتقادی و عملی غلطیوں کی بحث و تمحیص کا اور ان کی افراط و تفریط کی تغلیط و تردید الفرقان کا خاص موضوع بن گیا تھا بلکہ یہی دعوت ان کے دل و دماغ پہ چھا گئی اور وہ ان کی زندگی اور ان کے اعمال کا خاص محور اور الفرقان کی اصل دعوت بن گئی۔

الفرقان کے متعدد خاص نمبر شائع ہوئے جو بہت مقبول ہوئے، لیکن حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ پر اس کے خاص نمبر بڑی اہمیت و منعفت کے حامل ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان کی ان مایہ ناز ہستیوں اور عظیم داعیوں کے اصلاحی و تحریری کارناموں اور ان کی دعوت و تعلیم کو جس بہتر انداز میں ان میں پیش کیا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ اور صاحب الفرقان کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔ اس کے حج نمبر سے حاجیوں کو بڑا فائدہ پہنچا۔'' (5)

مولانا ضیاء الدین اصلاحی مزید لکھتے ہیں۔

''مولانا قوم، ملک اور ملت کے مسائل سے کبھی بے تعلق اور بے گانہ نہیں رہے۔ تقسیم کے بعد مسلمانوں کو جس بحران اور پیچیدگی کا سامنا کرنا اور آئے دن جن نت نئے مسائل سے دو چار ہونا پڑا، ان کے حل کے لئے مخلصانہ کوششیں اور تدبیریں ہوئیں ان میں ان کا بڑا عمل دخل رہا۔ ۵۹ء میں دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش کا قیام عمل میں آیا تو جو علماء ان میں پیش پیش رہے اور اس کے لئے مختلف جگہوں کے انہوں نے دورے کئے ان میں یہ بھی تھے اور آخر تک اس سے ان کا گہرا تعلق رہا۔ اسی زمانے میں انہوں نے اپنے بعض رفقاء کے تعاون سے ایک ہفت روزہ اخبار نکالنے کا فیصلہ کیا تا کہ آئے دن فسادات کے نتیجے میں جو مایوسی، انتشار، پست ہمتی اور احساس کمتری پیدا ہو رہا تھا اسے ختم کر کے ان کی صحیح رہنمائی کی جائے۔ ہفت روزہ ندائے ملت کا اجراء اسی احساس کا نتیجہ تھا جس نے بڑی حد تک مسلمانوں کو قوت، جرأت اور ہمت عطا کی۔ اب بھی یہ

اخبار ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی کی سرکردگی میں نکل رہا ہے اور مفید خدمت انجام دے رہا ہے'' (6)

مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی لکھتے ہیں۔

''الفرقان کے اجراء اور پھر اس کی بقاء کے لئے مولانا موصوف نے کس قدر مشکلات برداشت کیں اور ان تھک محنتیں کیں، وہ بجائے خود ان کی زندگی کا ایک محیر العقول باب ہے۔ جس سے ان کو اولوالعزمی، رائے کی پختگی اور جہد و عزیمت کا پتہ چلتا ہے۔ الفرقان نے رد بریلویت کے سلسلے میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ بر صغیر کے جرائد و رسائل کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہیں اور آج بھی اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لئے اس زمانہ کے الفرقان کے شمارے اہم ترین ماخذ و مصادر کی حیثیت رکھتے ہیں، جس سے صرف نظر کر کے اس موضوع کو مکمل نہیں کیا جا سکتا۔'' (7)

ایم۔ ایچ فاروقی لکھتے ہیں۔

''انہوں نے اپنے مشن کو مستقل اور ملک گیر پیمانے پر جاری رکھنے کے لئے ''الفرقان'' کے نام سے ماہنامہ رسالہ نکالنا شروع کیا۔ برصغیر ہندو پاک میں اسلام کی ترجمانی میں اس نے ایک نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

الفرقان نے ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ کے چند مجاہد علماء کی زندگی اور ان کی خدمات پر خصوصی شمارے شائع کر کے جلد ہی اپنا نقش جما دیا............۱۹۳۸ء میں الفرقان کا ایک خصوصی شمارہ خاکسار تحریک کے تنقیدی جائزہ کے لئے بھی شائع کیا تا کہ وہ اس تحریک کے نظریات، اس کا لائحہ عمل اور مسلمانوں کے لئے اس کے سیاسی مضمرات پوری طرح واضح کر سکیں'' (8)

مندرجہ بالا اقتباسات جو کہ مختلف علمائے کرام کے قلم سے لکھے گئے اس حقیقت کو بے نقاب کرتے ہیں کہ صحافت کے میدان میں مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی کاوشیں قابل تحسین تھیں۔ الفرقان کے اجراء سے ہر طبقے کو فائدہ پہنچا۔ مولانا کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ الفرقان کے اجراء کے پیچھے مولانا موصوف کی سوچ اور مقصد صرف رضائے الہیٰ تھا۔ لہذا جب انہوں نے اس کا آغاز کیا تو انتہائی بے سروسامانی کی حالت تھی۔ ان کے پاس اتنی رقم نہیں تھی کہ وہ مسلسل اس کا اجراء جاری رکھ سکتے۔ مولانا محمد منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں۔

''الفرقان جاری کرنے کا یہ فیصلہ بالکل بے سروسامانی کے عالم میں محض توکلاً علی اللہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ آغاز ہی سے مسلسل دقتوں اور ناسازگاریوں کا سایہ رہا۔ مگر ہمت اپنے

رب کریم کی اعانت کے آسرے پر بندھی رہی۔ اور اگر کبھی اس میں شکست کے آثار پیدا ہوئے تو مالک کی مدد و اعانت کا ہاتھ کسی نہ کسی شکل میں ضرور سامنے آ گیا اور ادعونی استجب لکم (تم مجھے پکارو میں سنوں گا۔ قرآن، سورہ بقرۃ) کی نوید کے مطابق اپنے بندے کی وہ پکار سنی گئی جو اس نے الفرقان کی کشتی دریائے عمل میں اتارتے ہوئے بلند کی تھی۔'' (9)

فصل دوم: ماہنامہ الفرقان کا مقصد و مسلک اور خیر مقدم

الفرقان کی پہلی اشاعت میں بیان کئے گئے مقاصد حسب ذیل تھے۔

''الفرقان کا اصل مقصد صرف دین الہیٰ کی اشاعت اور توحید و سنت کی حمایت و حفاظت ہے اور اسی مقصد کو لے کر وہ عالم وجود میں آیا ہے۔ اس مبارک مقصد کی تکمیل کے لئے جو لائحہ عمل اس وقت اس کے سامنے ہے وہ اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اسی سے ہمارے ناظرین کو ''الفرقان'' کی حکمت عملی بھی معلوم ہو جائے گی۔ ''الفرقان'' ان شاء اللہ اقوام عالم کے سامنے اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ و السلام کے وہ محاسن پیش کرے گا جن کی نظیر سے دنیا کے مذاہب اور بانیان مذاہب کی تاریخ عاجز اور یقیناً عاجز ہے۔

''الفرقان'' حتی الامکان معارف قرآنیہ کی نشر و شاعت کا خاص اہتمام کرے گا کیونکہ قرآن، اسلام کا ایک زندہ اور ہمیشہ باقی رہنے والا معجزہ ہے اور وہی خدا کا وہ آخری پیغام ہے جو قیامت تک کے لئے انسانوں کی ہدایت کا کفیل بن کر آیا۔

''الفرقان'' بعون اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں اتباع سنت کی روح پھونکے گا کیونکہ اس کا نہایت راسخ عقیدہ ہے کہ ہماری صلاح و فلاح اسی سے وابستہ ہے اور ہمارے اسلاف کا عروج جس نے دنیا کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا تھا اسی اتباع اور اقتداء کا مرہون منت تھا۔ ہمارا ایمان ہے کہ مسلمانوں کا مستقبل بھی صرف جناب رسالت مآب ﷺ کے نقش قدم کی پیروی ہی سے خوش گوار ہو سکتا ہے۔ حضرت امام مالکؒ کا کیسا حقیقت افروز ارشاد ہے ''لن یصلح آخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا '' اس امت کے آخری دور کی اصلاح بھی صرف اسی چیز سے ہو سکتی ہے جس سے اس کے دور اولین کی اصلاح ہوئی۔

''الفرقان'' ان بدعات اور مشرکانہ رسوم کے خلاف زبردست جہاد کرے گا، جنہوں

نے فرزندان توحید کے دین و دنیا کو برباد کر دیا ہے اور جن کے زہریلے اثرات سے مسلمانوں کا ایمان تک محفوظ نہیں۔

''الفرقان'' خدا پرستی کا حامی اور مخلوق پرستی کا سخت دشمن ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ انسان کی جبین نیاز صرف واحد قہار کے جلال و جبروت کے سامنے جھکے۔ اسی لئے صلیب پرستی، بت پرستی کی طرح قبر پرستی، نفس پرستی وغیرہ کو بھی وہ فطرت کے خلاف شدید بغاوت اور انسانیت کی سخت ترین اہانت سمجھتا ہے۔ لہذا وہ اس کے خلاف زبردست جہاد کرے گا اور قوم سے اس لعنت کے دور کرنے کے لئے اپنی ساری طاقت صرف کر دے گا۔

''الفرقان'' کا مقصد بلا وجہ کسی جماعت یا کسی شخص سے الجھنا اور اس کو نیچا دکھانا یا اس پر غصہ اتارنا اور ان کی پگڑیاں اچھالنا ہرگز نہیں۔ وہ صرف اعلائے کلمۃ الحق کے لئے میدان میں آیا ہے۔ البتہ اگر کوئی خدا کا باغی اس کے اصل مقصد میں حائل ہوگا تو وہ اس کا بھی مقابلہ کرے گا لیکن اس میں بھی اس کی روش قرآن حکیم کے تعلیم کردہ اصول ''وجادلھم بالتی احسن'' سے متجاوز نہ ہوگی۔''(10)

جب الفرقان کی پہلی اشاعت ہوتی ہے تو اس میں جو پہلے مضامین چھپتے ہیں وہ اس کے مقاصد کی غمازی کرتے ہیں۔ مولانا نعمانیؒ کے صاحبزادے مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی لکھتے ہیں۔

''پہلی اشاعت میں جہاں تردید بریلویت والے مضامین ہیں وہیں ''قرآن اور زمانہ حال کے مسلمان'' جیسا ادارتی مضمون بھی پاتے ہیں۔ جو اس بات کی مکمل تصدیق کرتا ہے کہ بیان مقاصد میں اسلام کی خدمت کا جو وسیع تصور سامنے آیا تھا وہ محض برائے گفتن نہ تھا۔ ایک سنجیدہ اور بامعنی بات تھی اور ایسے مضامین کم وبیش ہر شمارے ہی میں نکلتے رہے ہیں۔''(11)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے قلم سے نکلنے والے مضامین اسلامی تعلیمات کے پرچار اور الفرقان کے مقاصد کے علمبردار تھے۔ ذیل میں ان کی تحریر کے اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

''میری قوم کے نوجوان مجھے دیوانہ بتائیں گے مگر میں یہ کہوں گا کہ ہماری حیات کا راز صرف اتباع قرآن ہی میں مضمر ہے۔ قرآن ہی ہر دور کا آزمودہ اور ہمارے ہر مرض کا مجرب علاج ہے۔ آج اگر مسلمان اس کتاب الٰہی کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنالیں تو ان کی ساری کمزوریاں ابھی دور ہو جاتی ہیں۔ وہ دنیا میں ایک باعزت قوم ہوں

گے۔ان کی غلامی کی زنجیریں دیکھتے دیکھتے کٹ جائیں گی،مگر ہائے اس بدنصیبی کا کیا علاج ؟ کہ آج بہت گم کردہ راہ اپنی ترقی کی راہیں اغیار کے بنائے ہوئے قوانین اور مغضوبین وضآلین کی تاریخ میں تلاش کرتے ہیں۔''(12)

مولانا نعمانیؒ مزید لکھتے ہیں کہ۔

''میں یہاں یہ بتلا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہمارے مرض کا علاج صرف قرآن پاک کے شیریں الفاظ کی تلاوت یا اس کے پاکیزہ معانی کی سیر نہیں ہوسکتا بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ امت اس صحیفۂ آسمانی کو اپنی زندگی کا دستور العمل بھی بنائے۔ہمارے اسلاف قرآن مجید سے صرف تلاوت کا کام نہ لیتے تھے اور نہ صرف علمی ذوق پورا کرنے کے لئے اس کے معانی کی سیر کے عادی تھے بلکہ وہ اس کو کلام اللہ ہونے کے ساتھ انسانی زندگی کا مکمل نصاب بھی سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے وہ اس کے فیوض سے بہرہ مند ہوئے۔''(13)

معاشرے کے اندر الفرقان کے اثرات اور پذیرائی کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے مولانا محمد منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں۔

''الفرقان کے اجراء کا اعلان کیا گیا تو اس کا استقبال بہت حوصلہ افزا تھا۔چنانچہ پہلے ہی شمارے میں اس عاجز کے لکھے ہوئے یہ الفاظ ملتے ہیں:''مجھے ہرگز امید نہ تھی کہ مجھ جیسے عاجز بندے کے ایک اعلان پر الفرقان کے اس قدر چاہنے والے پیدا ہو جائیں گے۔خدا کے فضل وکرم سے صرف ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ میں اتنی درخواستیں آگئیں کہ اگر چند روز یہی رفتار باقی رہی تو امید ہے کہ ان شاء اللہ عنقریب الفرقان ایک کامیاب رسالہ ہو جائے گا اور اپنے تمام مصارف خود برداشت کرے گا۔''(14)

رسالہ الفرقان کے مقاصد ومسلک پہ روشنی ڈالتے ہوئے مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے صاحبزادے عتیق الرحمٰن سنبھلی لکھتے ہیں۔

''مناظرانہ ذوق کے زمانے میں اور اسی کے زیر اثر الفرقان کے اجراء کا فیصلہ کیا اور وہ بھی عین مولانا احمد رضا خان صاحب کے مرکز بریلی سے۔یہ فیصلہ شوال ۵۲ھ ،فروری ۳۴ء کے ایک مناظرانہ قضیئے ہی کا نتیجہ تھا..........اس مہینے کے لئے ایک بہت اہم بلکہ تاریخی نوعیت کا مناظرہ لاہور میں ہونا طے ہوا تھا۔اہمیت یہ تھی کہ مناظرہ کی بابت فیصلے کے لئے تین نہایت مؤثر اشخاص کو حکم بنانا طے ہوا تھا اور ان حضرات نے منظور بھی

کرلیا تھا۔ان تین میں سے ایک علامہ اقبال تھے۔مقصد یہ تھا کہ فریقین کی بحث سن کر حکم حضرات جس فریق کے حق میں بھی فیصلہ دے دیں کہ متنازع مسائل میں اس کا موقف صحیح ہے یا اس حدتک صحیح اور اس حدتک غلط ہے۔اس کو دونوں فریق تسلیم کرلیں اور پھر روز روز کی معرکہ آرائی اور اسی کے ساتھ افتراق بین المسلمین کی نامبارک صورت ختم ہو جائے۔لیکن فریق ثانی نے ہر " اور نا ماطریقہ اختیار کر کے اس فیصلہ کن مناظرہ کا انعقاد ناممکن بنادیا۔بس یہی چیز اس فیصلہ کا باعث ہوئی کہ ایک ماہنامہ جس کا خیال کافی دنوں سے ذہن میں چل رہا تھا اب بلا تاخیر الفرقان کے نام سے جاری کر دیا جائے اور فوری کام اس کے ذریعہ یہ کیا جائے کہ لاہور کے مجوزہ مناظرے کے لئے جو مباحث طے ہوئے تھے ان پر اپنی بحث اس کے صفحات میں پیش کرتے ہوئے فریق ثانی سے کہا جائے کہ وہ اس کے جواب میں جو کہنا چاہے تحریری شکل میں پیش کرے۔اسے بھی شائع کیا جائے گا اور پھر دونوں طرف کی مکمل بحث ان ہی ججوں کے سامنے پیش کر دی جائے گی جو مناظرہ لاہور کے لئے طے ہوئے تھے۔چنانچہ الفرقان نامی یہ ماہنامہ محرم ۱۳۵۳ھ مئی ۱۹۳۴ء سے جاری ہوا اور معرکۃ القلم کے عنوان سے وہ بحث اس کی پہلی ہی اشاعت سے قسط وار نکلنا شروع ہو گئی۔الفرقان کے اجراء کی یہ مبینہ تقریب ایسا ظاہر کرتی ہے کہ یہ گویا دین کی بس مناظرانہ خدمت ہی کے لئے جاری ہوا تھا۔مگر اس کے جو مقاصد اس کی پہلی ہی اشاعت میں بیان کئے گئے وہ اس سے بالکل مختلف اور اسلام کی خدمت کا ایک وسیع تر تصور دیتے ہیں اور اس میں شائع ہونے والے مضامین کی جو نوعیت شروع ہی سے رہی وہ اس بیان مقاصد کی تصدیق کرنے والی ہے۔''(15)

فصل سوم: فکر نعمانیؒ کی جھلکیاں آئینہ الفرقان میں

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا قلم ان کے افکار ونظریات کی ترجمانی کرتا رہا، ان کے مضامین، شذرات، تحقیقی مقالے وتبصرے، خطوط ان کی فکر کو بیان کرتے تھے۔اگر مولانا کی علمی بصیرت، تحقیقی کاوشوں اور ملت کی غم گساری کا تجزیہ کرنا ہو تو اس کے لئے آپ کی تحریریں کافی ہیں۔خاص طور پہ الفرقان تو ان کی علمی حیثیت اور ارتقاء کا آئینہ ہے۔مولانا موصوف کا فکری ارتقاء اور ان کی علمی بصیرت کی جھلک الفرقان کے علاوہ شاید ہی کہیں اور نظر آئے۔

دین پر عمل کی طرف رغبت ودعوت۔

مولانا موصوف کی فکر ونظریہ جو انہوں نے الفرقان کے صفحات پہ بکھیرا اور امت مسلمہ کی اصلاح اور کامیابی

کے لئے جو تجاویز پیش کیں، اور جو یاددہانیاں کروائیں، وہ ان کی حد درجہ سچائی اور اخلاص کی نشاندہی کرتی ہیں۔الفرقان کے ایک مضمون ''اگر رسول اللہ ﷺ اس زمانے میں ہوتے!'' میں وہ مسلمانوں کو عمل کی طرف رغبت دلاتے ہوئے انہیں یہ احساس دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ آج کے دور میں قرآن وحدیث کی تعلیمات بالکل اسی طرح کی حیثیت رکھتی ہیں جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان میں موجود ہوں۔لہذا ان تعلیمات کی ناقدری نہ کریں اور اس پہ عمل کریں۔غفلت سے نکلیں۔مولانا موصوف کا درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

''بے شک رسول اللہ ﷺ اپنے جسد عنصری کے ساتھ اس دنیا میں رونق افروز نہیں ہیں لیکن اللہ پاک کا جو آخری فیصلہ کن پیغام اس کے آخری رسول، حضرت محمد عربی (فداہ امی وابی) لے کر آئے تھے، وہ بغیر کسی ادنیٰ تغیر وتبدّل کے آج ساڑھے تیرہ سو برس سے زیادہ زمانہ گذر جانے پر بھی اپنی اسی شان جلالی وجمالی اور اسی شادابی وتازگی کے ساتھ موجود ہے۔ہمارے گھروں میں اس کی کئی کئی کاپیاں اور کئی کئی نسخے رکھے ہوئے ہیں۔اب ہم جس وقت چاہیں خداوند قدوس کے اتارے ہوئے اور مقدس رسول کے لائے ہوئے اس پیغام ہدایت'' کو بالکل اسی کے اصلی لفظوں میں دیکھ سکتے ہیں اور کسی درمیانی واسطہ کے بغیر اس سے براہ راست ہدایت حاصل کر سکتے ہیں۔اللہ کی رضامندی، فلاح دینوی واخروی کے طریقے اس سے دریافت کر سکتے ہیں۔گویا یوں سمجھئے کہ نہایت پیاری اور بے حد شیریں عربی زبان بولنے والا اور عربی ہی میں خدا کا ''پیغام ہدایت'' سنانے والا ایک زندہ جاوید پیغمبر (بشکل قرآن) ہمارے گھروں میں آج موجود ہے۔''(16)

اعتدال پسندی کی راہ۔

مولانا کی تحریروں میں اعتدال پسندی کی طرف دعوت وتبلیغ کا عنصر بھی نظر آتا ہے۔اہل حدیث ودیوبند کے اختلافات کے حوالے سے ان کی اعتدال پسندی کی جھلک اس تحریر میں دیکھی جا سکتی ہے۔مولانا الفرقان کے ایک مضمون'' حنفیت اور اہلحدیث!'' میں لکھتے ہیں کہ۔

''اس برصغیر میں فقہ حنفی کو کتاب وسنت پر مبنی یقین کرتے ہوئے اس پر عمل کرنے والے علماء احناف خاص کر وہ جو دیوبند کے تعلیمی سلسلہ اور مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں (اور یہ عاجز بھی اسی سلسلہ کے ادنیٰ تلامذہ میں سے ہے) اور اسی طرح حضرات اہل حدیث ان دونوں طبقوں میں جو واقعی اصحاب علم ہیں جہاں تک راقم السطور کا علم واندازہ ہے وہ سب اس کے معترف اور اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان دیار میں حضرت شاہ ولی

اللہ کو دین اور کتاب وسنت کے علم میں امامت کا درجہ عطا فرمایا تھا اور جن اہل علم نے
ان کی کتابوں اور ان کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے ان میں سے کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا
کہ ان کے ہاں دونوں طریقوں کی گنجائش ہے۔ وہ کسی متعین امام ومجتہد کی تقلید کے بغیر
کتاب وسنت اور صحابہ وتابعین کے فتاوی کی پیروی کو بھی برحق اور سلف امت کا طریقہ
بتلاتے ہیں۔ اور اس کو بھی حق وصحیح اور دین واہل دین کی مصلحت قرار دیتے ہیں کہ آئمہ
اربعہ میں سے کسی کی فقہ کا (اور خاص کر ہمارے اس برصغیر میں فقہ حنفی) کا اتباع کیا
جائے۔ کہ ان آئمہ کے فقہ کی بنیاد بھی کتاب وسنت اور صحابہ وتابعین کے فتاوی پر
ہے۔''(17)

معاشرتی زندگی کی اصلاح۔

مولانا موصوف کی تحریریں عام طور پہ معاشرتی اصلاح کے حوالے سے بھی ان کے طرز فکر کی عکاس ہیں۔ مولانا کے اداریئے اکثر اسی پہ مبنی ہوتے تھے۔ اکثر اوقات وہ کسی ایسی معاشرتی اخلاقی وبا کو موضوع بحث بناتے اور اس سلسلے میں دینی رہنمائی کی وضاحت کر کے معاشرے سے اس کو ختم کرنے کی طرف دعوت دیتے تھے۔ اسی حوالے سے ایک اداریئے میں وہ تہمت پہ گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اللہ کے کسی بندہ کے ایمان وضمیر پر حملہ کرنا درحقیقت اپنے ایمان اور اپنی دیانت کو
خطرہ میں ڈالنا ہے۔ ایک حدیث کا مضمون ہے کہ جو شخص اللہ کے کسی بندہ پر ایسی تہمت
لگائے جس سے وہ عنداللہ بری ہے تو اللہ تعالیٰ نے مقرر کر لیا ہے کہ اس تہمت لگانے
والے کو وہ اسی برائی میں ضرور مبتلا کرے گا اور اس سے پہلے اس کو موت نہ دے
گا۔''(18)

۱۹۴۶ء میں ہندوستان اور پاکستان کے نام پہ الیکشن لڑا گیا۔ اس میں انتخابی کاوشوں کے دوران دین و اخلاق کی پامالی کو محسوس کرتے ہوئے مولانا نے ایک مضمون لکھا اور اس میں مختلف گروہوں کے طرز عمل کا احتساب کیا۔ اس میں مولانا کی بے باکی اور حق گوئی کا ثبوت ملتا ہے، نیز معاشرتی اصلاح کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا نے الیکشن میں حصہ لینے والی مختلف پارٹیوں کے طرز عمل پہ لکھا۔ مولانا کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

''الفرقان'' کے پچھلے چند نمبروں میں الیکشن میں حصہ لینے والی مختلف مسلمان پارٹیوں
کے طرز عمل پر جو لکھا جاتا رہا ہے میں نے اپنے نزدیک بہت سوچ سمجھ کر لکھا ہے اور فیما
بنی وبین اللہ اپنے اندازہ کی حد تک عدل کی میزان میں تول تول کے اور بہت ضروری
سمجھ کے لکھا ہے اور اس یقین کے باوجود لکھا ہے کہ دونوں گروہوں سے تعلق رکھنے

والے مجھ سے سخت ناراض ہوں گے (اور یہی ہوا) مگر اللہ تعالیٰ راضی ہوگا اور اس لئے
میں تو اپنے اس عمل پر اللہ تعالیٰ سے اجر کا امیدوار ہوں۔'' (19)

سیاسی فکر۔

مولانا کی تحریروں میں ان کی سیاسی سوچ کا بھی عکس موجود ہے۔ ان کی تحریروں میں جہاں مسلم لیگ پہ تنقید کا پہلو ملتا ہے وہاں جمعیۃ العلماء ہند کو بھی مشوروں اور تجاویز دینے سے پیچھے نظر نہیں آتے اور اسی طرح کانگریس کے نظام اور فکر پہ بھی تنقید کرتے ہیں اور درست راہ عمل کی وضاحت کرتے ہیں۔ جن سے ان کی سیاسی عمل میں بصیرت اور ملکی حالات سے آگہی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ''ہمارا نصب العین اور طریق کار'' کے عنوان سے انہوں نے ۱۹۳۹ء میں ایک سیاسی تحریر سپرد قلم کی۔ جس میں انہوں نے ایک رکن جمعیۃ العلماء ہند کی حیثیت سے کلام کیا۔ اس میں ایک طرف جمعیۃ العلماء ہند کے مقاصد اور پالیسی کو واضح کیا اور دوسری طرف مسلم اور کانگریس کے طرز عمل پہ بحث کی اور مسلمانوں میں اپنی فکر، نظریہ قومیت، آزادی وغیرہ کے مقاصد اور فکر کو درست کرنے کی بات کی ہے۔ مثلاً وہ کانگریس پہ تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''اس ''نظریہ قومیت'' کا تو منشاء ہی یہ ہے کہ ہندوستان کی حکومت میں ہر ہندوستانی صرف باشندہ یا ''ہندوستانی قوم'' کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے شریک ہوگا اور اسٹیٹ کے معاملات میں فرقہ ورانہ اصولوں پر کوئی تقسیم وتفریق نہ ہوگی۔ جو حضرات اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ آپ حضرات کے یہ عزائم آج کل کی اصطلاح میں اعلیٰ درجہ کی ''کمیونل'' اور فرسودہ خیالات جو نیشنلزم اور نظریہ واحد قومیت کے صریح منافی بلکہ اس کی ضد ہیں۔ اس کے مان لینے کے بعد ان کا مطالبہ بھی یقیناً ایک مضحکہ خیز چیز ہے۔'' (20)

مولانا ہندوستان کی تقسیم کے حوالے سے اپنی فکر کا اظہار صفحات الفرقان پہ کر چکے ہیں۔ جس سے ان کی فکر کو سمجھنا مشکل نہیں کہ وہ ایک ایسے پاکستان کا خواب دیکھتے تھے جہاں اسلام ہو، لیکن حقیقت شناس ہونے کی وجہ سے ان کی تحریر اس سوچ کی غماز تھی کہ وہ پاکستان بننے کے بعد کے حالات سے خاصے مایوس تھے۔ انہوں نے ۳ جون ۱۹۴۷ء کو ملک کی تقسیم کے فیصلے کے اعلان پر ''ہندوستان کی تقسیم پہ پہلا تاثر'' کے عنوان سے ایک مضمون میں اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

> ''خدا پرستوں اور دین اسلام پر حقیقی ایمان ویقین رکھنے والوں کے نزدیک اصل اور سب سے اہم سوال تو یہ ہے کہ مسلمانوں کی اس حکومت (پاکستان) کا اور اس کے چلانے والوں کا رویہ اللہ ورسول اور ان کی ہدایات وتعلیمات کے بارہ میں کیا ہوگا؟ آیا

وہ مقصد حکومت اور طرز حکومت میں ترکی و ایران وغیرہ کی طرح یورپ و امریکہ کی تقلید کریں گے اور ان ہی خدا ناشناس قوموں سے روشنی حاصل کریں گے یا اسلام کو صحیح ترین اور صالح ترین نظام زندگی یقین کرتے ہوئے اور اللہ کے احکام کی ازلی وابدی صداقت پر ایمان رکھتے ہوئے رسول خداﷺ اور خلفاء راشدین کے اسوہ حسنہ سے روشنی حاصل کریں گے؟......افسوس زمانہ کے پھرے ہوئے حالات اور قوم کے بگڑے ہوئے مزاج اور اسلام کی حقیقت اور اس کے تقاضوں سے عام قوم کی ناواقفیت بالخصوص اس کے زعماء وقائدین کی حالت کو دیکھتے ہوئے اس امید کے لئے کوئی گنجائش نہیں معلوم ہوتی۔'' (21)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی تحریریں ان کی فکر کی ترجمان ہیں۔سیاست، معاشرت، دینی علوم وغیرہ کے حوالے سے ان کا فہم وبصیرت یقیناً قابل ستائش تھا۔انہوں نے فی زمانہ سلگتے مسائل پہ ہمیشہ گفتگو کی اور تجزیئے کئے۔کسی کی پرواہ نہیں کی۔جسے اچھا سمجھا اس کا اظہار کیا۔تنقید کی تو برائے اصلاح کی۔اعتدال پسندی، سیاسی بصیرت اور اسلامی تعلیمات کا شعور ان کے ہتھیار تھے۔لہٰذا وہ ہمہ وقت انہیں استعمال میں لاتے اور اپنے فکر کی سچائی اور اخلاص سے معاشرے کو روشن کرتے رہے۔اگر چہ کہ ان کی تحریروں سے اختلاف کیا جاسکتا ہے، ان کے بہت سارے نظریات پہ بات کی جاسکتی، انہیں رد کیا جاسکتا ہے، لیکن ان نظریات وافکار کے پیچھے ان کے اخلاص پہ شک نہیں کیا جاسکتا۔

فصل چہارم: مکتوبات بانی 'الفرقان کا انتخاب۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ اپنے افکار ونظریات کے اعتبار سے ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ان کی زندگی کے حالات اس بات کے غماز ہیں کہ انہوں نے ہر حال میں اپنے دینی علم کو معاشرے کے لئے وقف رکھا۔اپنی تحریر، تقریر، قلم، تدریس اور حتیٰ کہ معذوری کی حالت میں اپنے خطوط کے ذریعے بھی اصلاح واحوال کرتے نظر آتے ہیں۔ذیل میں ان کے کچھ اہم خطوط پیش کئے جاتے ہیں جن سے ان کے افکار اور ان کی سچی لگن اور کڑھن، عاجزی وانکساری، حد درجہ پرہیز گاری اور علمی بصیرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔یہ خطوط ماہنامہ الفرقان کی زینت بن چکے ہیں۔ان خطوط کے اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

ا۔مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا خط، بنام اعجاز الدین انصاری، بھوپال۔

یہ خط ۸ مارچ ۱۹۷۰ء کو تحریر کیا گیا۔اس خط میں مولانا ذکر الٰہی کی اہمیت اور پابندی کی تلقین کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''(۱) پابندی کے ساتھ ذکر کی توفیق بڑی دولت ہے۔اللہ تعالیٰ استقامت اور ترقی نصیب فرمائے اور چلتے پھرتے دھیان وذکر کی توفیق تو بہت ہی بڑی نعمت ہے۔

(۲) کوشش کیجئے کہ تلاوت اور مناجات کا ناغہ نہ ہو، چاہے ایک رکوع اور ایک دو ہی دعائیں ہو جائیں۔اہتمام کیجئے، ناغہ بڑا اخسارہ ہے۔''(22)

اعجاز الدین انصاری کو دوسرے مکتوب میں جو کہ ۳ ربیع الثانی دوشنبہ کو لکھا گیا تھا، لکھتے ہیں۔

''استغفار سے دل کا لگاؤ اللہ کی نعمت ہے۔ حدیث میں ہے وہ بندہ بہت ہی کامیاب ہے جس کے صحیفۂ اعمال میں استغفار زیادہ ہو۔

عشاء کے بعد تہجد کی نیت سے جو ۴ رکعت نفل پڑھتے ہیں ان کو اس وقت تک جاری رکھئے جب تک آخر شب میں تہجد کی مستقل عادت نہ ہو جائے۔ آخر شب میں نہ اٹھ سکنے والوں کے لئے عشاء کے ساتھ تہجد پڑھنے میں بھی انشاء اللہ پورا ثواب ہے۔ بجائے چار رکعت کے آٹھ رکعت زیادہ بہتر ہے۔ اگر چہ تہجد کی سنت چار سے بھی ادا ہو جاتی ہے۔ وتر ان کے بعد پڑھنا افضل ہے۔''(23)

۲۔قطب الدین ملا صاحب، بیلگام، کے نام خط۔

یہ خط ۲۸ جون ۱۹۷۶ء کو لکھا گیا، تحریر کرتے ہیں۔

''آپ نے جو حال لکھا ہے بہت سے اللہ کے بندوں کا یہ تجربہ ہے کہ حج کے سفر میں ایسا ہو جاتا ہے کہ آدمی سمجھتا ہے کہ جو پونجی لے کر آیا تھا وہ بھی کھو دی اور کچھ نصیب نہیں ہے۔ عارفین کو کہتے سنا ہے کہ یہ بہت اچھی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے، ہم سب امراض کا شکار ہیں۔ اگر اس طرح کی واردات کبھی نہ ہو تو اعجاب نفس میں مبتلا ہو کر برباد ہو جائیں۔ حق یہ ہے کہ کسی کے پاس کچھ نہیں۔ کبھی کبھی اس کا تجربہ کرا کے علاج فرما دیا جاتا ہے۔ سراسر کرم ہے اللہ تعالیٰ شکر کی توفیق دے۔''(24)

۳۔حافظ قاری عبدالخالق، سعودی عرب کے نام خط۔

یہ خط ۱۳ اکتوبر ۱۹۸۹ء کو لکھا گیا۔اس میں مولانا کی شخصیت کی انکساری اور عاجزی کا حد درجہ اظہار ہوتا ہے، لکھتے ہیں۔

''آپ میرے بارے میں بہت مبالغہ کرتے ہیں۔ میں بالکل اس حال میں نہیں ہوں جو آپ گمان کر رہے ہیں۔، بے تکلف لکھنا ضروری سمجھتا ہوں کہ آئندہ اس بارے میں احتیاط فرمائیں۔ میں اپنا حال خوب جانتا ہوں۔ میرے بارے میں مجھے کچھ لکھنا غیر ضروری ہی نہیں نامناسب ہے۔ مجھے اس سے گرانی ہوتی ہے۔

آپ نے بیعت کی بات لکھی ہے، یاد آتا ہے پہلے میں بھی لکھ چکا ہوں۔ آپ کو کسی سے بیعت کی ضرورت نہیں۔ ہمارے مرحوم ومغفور معظم محترم بھائی مولانا حافظ فتح محمد صاحب سے جو بیعت آپ نے کی تھی وہی کافی ہے۔'' (25)

۴۔عبدالسلام، ضلع جے پور، کے نام خط۔

یہ خط ۲۶ مارچ ۱۹۸۸ء کو لکھا گیا، اس میں مولانا تحریر کرتے ہیں۔

''عزیزم عبدالعلیم سلمہ کی بچی کی ولادت کا حال معلوم ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے خیر و برکت مقدر فرمائے۔ حدیث شریف میں ان لوگوں کو جنت کی بشارت سنائی گئی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے بچیاں عطا فرمائی ہیں اور ان کو بوجھ نہ سمجھیں، خوش دلی سے ان کی کفالت اور تربیت کریں۔ رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے تو چھوٹی عمروں میں ہی وفات پا گئے تھے۔ چار صاحبزادیوں نے عمر پائی۔ ان کی شادیاں بھی ہوئیں۔ ان میں سے بھی تین کی وفات حضور ﷺ کی حیات میں ہوگئی۔ صرف حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا باقی رہیں۔ وہ بھی حضور ﷺ کی وصال کے چھ مہینے بعد وفات پا گئیں۔ بہر حال بیٹیاں، بچیاں بھی بڑی نعمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ عبدالعلیم سلمہ کو ولد صالح بھی عطا فرمائے۔'' (26)

۵۔انوار حسین اور عزیزہ مسلمہ کے نام خط۔

یہ خط ۷ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ میں لکھا گیا، اس میں مولانا تحریر کرتے ہیں۔

''فون کے ذریعے عزیزی مولوی عبدالمومن سلمہ کا پیام ملا تھا کہ تم لوگوں نے عام رواج کے مطابق بچی کے ساتھ جہیز دینے کے لئے تیاری کر لی ہے۔ جس کے لئے مومن ہرگز رضامند نہیں ہیں۔ ان کی طرف سے گویا نکاح کی شرط یہ ہے کہ ایک پیسے کا سامان نہیں آئے گا۔ مجھے یہ کہنا ہے کہ جس طرح عبدالمومن کہیں وہی ہونا چاہئے۔ حضور کی تمام ازواج مطہرات کا نکاح اسی طرح ہوا۔ آپ کی سب صاحبزادیوں کا نکاح بھی اسی طرح ہوا۔ حضرت فاطمہؓ کو جہیز میں کچھ دینے کی بات غلط مشہور ہوگئی ہے۔ حدیث شریف میں ہے امت میں بگاڑ پیدا ہو جانے کے وقت میرے طریقہ کو زندہ کرنے والے کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ شکر ادا کرو کہ خود عبدالمومن سلمہ کو اس پہ اصرار ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے ہی اپنے بھائی یحییٰ کو اس کے لئے تیار کیا

تھا اور یحییٰ کی شادی اسی طرح ہوئی۔ بہر حال مجھے یہ لکھنا ہے کہ میری بھی شدت سے یہی رائے ہے۔ یوں سمجھو کہ تم دونوں کو میرا حکم ہے کہ مولوی عبدالمومن سلمہ جس طرح چاہتے ہیں اسی طرح شادی ہو۔ آخرت میں جب اس کا اجر وثواب سامنے آئے گا تو معلوم ہو جائے گا کہ کتنا عظیم نیک کام ہوا ہے۔'' (27)

۶۔ بیٹی عائشہ، کے نام خط۔

یہ خط ۴ جون ۱۹۸۹ء کو لکھا گیا، اس میں مولانا غیر شرعی رسوم ورواج کو اختیار کرنے سے منع کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''شادی بیاہ کے سلسلہ میں جو طریقے عام طور پر ہندوستان میں رائج ہیں وہ قریباً سب ہی خلاف سنت وشریعت ہیں لیکن قریباً سب ہی ان میں مبتلا ہیں۔ ان میں اور نئی رسموں کا اضافہ کرنا بہت ہی غلط کام ہے۔ اگر پہلے سے یہ رواج نہیں تھا کہ رشتہ طے ہونے کے بعد انگوٹھی اور جوڑا پہنایا جائے تو تم نے یہ کر کے ایک غلط قسم کے رسم کی بنیاد ڈال دی، جو اللہ کے بہت سے بندوں کے لئے مصیبت کا باعث بنے گی۔ رسمیں اس طرح شروع ہوتی ہیں پھر وہ سب کے لئے لازمی سی ہو جاتی ہیں۔ بہت سے غریبوں کو بھی کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے.......... ان بری رسموں اور رواجوں کی اصلاح کے لئے جہاں تک ہو سکے اس سے بچا جائے۔ لڑکی والوں سے کہلوا دو کہ ہم نکاح اور شادی سنت و شریعت کے مطابق کرنا چاہتے ہیں۔ آپ لوگ بھی ایسا ہی کریں۔ ایک حدیث شریف ''اعظم النکاح برکۃ ایسرہ مئونۃ'' زیادہ بابرکت نکاح وہ ہے جس میں بار کم ہو۔'' (28)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ اپنی انتہائی معذوری کی حالت میں بھی معاشرتی اصلاحی عمل اور اپنی ملت کے احساس سے غافل نہیں ہوئے۔ معذوری میں وہ خطوط اپنے صاحبزادوں یا دیگر قریبی افراد سے لکھواتے تھے۔ ایسے ہی عالم میں لکھا گیا ایک خط پیش خدمت ہے۔ جس میں ان کی اپنی ملت کے بارے میں کڑھن کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

۷۔ منظور احمد، مالیگاؤں، مہاراشٹر، کے نام خط۔

یہ خط ۱۶ جون ۱۹۷۵ء کو لکھا گیا، اس میں مولانا تحریر کرتے ہیں۔

''اگر صحیح طور پہ کام کیا جائے تو اللہ کے ہزاروں بندے ہدایت یاب ہو جائیں۔ یہ واقعہ ہے کہ داؤدی بوہرہ جماعت کے عقائد اسلامی عقائد سے بالکل مختلف ہیں۔ اور

ان میں سے اگر لوگ اس مسلک کو چھوڑ کر صحیح اسلامی عقائد قبول کر لیتے ہیں تو عند اللہ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ غیر مسلم کا اسلام قبول کر لینا۔ اس وقت ہم لوگوں پر یہ خاص فرض عائد ہوتا ہے کہ پہلے پورے غور وفکر سے طریقہ کار سوچیں اور ان لوگوں میں کام کریں۔ یہ کام بہت خاموشی سے ہونا چاہئے۔ غالباً انفرادی ملاقاتیں زیادہ مفید ہوں گی اور مقامی حضرات ہی یہ کام اچھی طرح کر سکیں گے۔ مالیگاؤں میں اہل علم اور اہل فہم بھی ہیں اور الحمد للہ دوسرے مخلصین بھی ہیں۔ میں یہ خط اس لئے لکھ رہا ہوں کہ اس خاص کام کی طرف توجہ دلاؤں۔ اس کام پر آخرت میں بڑے اجر وثواب کی امید ہے۔ شاید یہی مغفرت کا وسیلہ بنے۔'' (29)

مولانا کے خطوط جہاں ان کے اندر کی اصلاح واحوال کی تڑپ کا اظہار کرتے ہیں وہیں ان کے افکار و نظریات اوران کے مسلک کی جھلک بھی ملتی ہے۔ اس حوالے سے درج ذیل خط ملاحظہ فرمائیں

۸۔ مولانا محمد فاضل عثمانی، کے نام خط۔

یہ خط ۱۱۹ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو لکھا گیا۔ اس میں مولانا تحریر کرتے ہیں۔

''اس وقت صرف اتنا عرض کرسکوں گا کہ سب سے پہلے گرامی نامے کا یہ مضمون ذہن سے بالکل نکل گیا تھا کہ تعلقات و معاملات کیسے رکھے جائیں۔ صرف اتنی بات ذہن میں رہ گئی تھی کہ شیعہ اثنا عشریہ میں جو لوگ ان عقائد سے انکار کرتے ہیں، جو موجب کفر ہیں یا جو اپنے مذہب کے ان عقائد سے ناواقف ہیں، یا جن کا طرز عمل یہ بتلاتا ہے کہ یہ ایسے عقیدے نہیں رکھتے ان کے بارے میں شرعی حکم کیا ہوگا؟ الغرض میرے ذہن میں یہی سوال محفوظ تھا۔ میں نے اسی کا جواب دینے کی کوشش کی تھی جو خصوصی اشاعت الفرقان، حصہ دوم کے صفحہ ۳۰ پر ''ایک ضروری وضاحت'' کے زیر عنوان لکھا گیا ہے۔

دوسرا مسئلہ جو میرے ذہن سے اتر گیا تھا، میں نے اس کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ نہ میں نے پوری طرح اس پر غور کیا ہے۔ میرا مقصد صرف یہ تھا کہ جس طرح ہم قادیانیوں کو ان کے موجب کفر عقائد کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔ یہی حال شیعہ اثنا عشریہ کا ہے۔ ان کے ساتھ ہمارا رویہ وہی ہونا چاہئے جو مثلاً قادیانیوں کے ساتھ ہے۔

اس وقت اس سلسلہ میں صرف اتنا اور عرض کرسکتا ہوں کہ قادیانیوں یا شیعہ اثنا عشریہ

کے ساتھ ہمارے روابط و معاملات ایسے نہ ہونے چاہئیں جن سے عام مسلمانوں کو یہ شبہ ہو کہ ہم ان کو مومنین میں سے سمجھتے ہیں۔ عام کافروں، یہود و نصاریٰ اور مثلاً ہنود کے ساتھ تعلقات و معاملات میں کسی مسلمان کو بھی اس کا شبہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن قادیانیوں اور اثنا عشریہ اور اسی طرح ان فرقوں کے لوگوں کے ساتھ جو مسلمانوں میں شمار ہوتے ہیں لیکن ان کے عقائد قطعی طور پر موجب کفر ہیں، جن کو خاص شرعی اصطلاح میں زندیق کہا جاتا ہے۔ ان کے ساتھ ایسے تعلقات رکھنے سے منع کیا جائے گا جن سے عام مسلمانوں کو یہ شبہ ہو کہ ہم ان کو اہل ایمان و اسلام سمجھتے ہیں۔ کھلے غیر مسلم، کفار اور زنادقہ کے بارے میں شرعی احکام مختلف ہیں۔'' (30)

فصل پنجم: ماہنامہ الفرقان کا دور زرّیں اور اس کا دور اوّلیں۔

رسالہ الفرقان کا جب مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے آغاز کیا تو اس وقت سوائے خلوص اور جذبے کے کچھ اور ہمراہ نہ تھا۔ کسم پرسی کی حالت تھی، لیکن انہوں نے مایوسی کا شکار ہونے کی بجائے اللہ پہ توکل کیا اور جدو جہد جاری رکھی۔ مولانا شروع کے دور میں تہی دستی کی حالت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

تہی دستی کی وہ حالت...... کہ ربیع الاوّل کا شمارہ چھپوانے کے لئے اس عاجز کے پاس ایک پیسہ بھی نہیں تھا۔ خدا غریق رحمت کرے میری اہلیہ مرحومہ (والدہ مولوی عتیق الرحمٰن و حافظ حفیظ الرحمٰن) کو کہ میں نے ان سے کہا کہ کیا تمہارے پاس کچھ روپے ہوں گے جو مجھے قرض دے دو؟ مرحومہ کے پاس ستّر پچھتر روپے نکلے، جو انہوں نے بخوشی مجھے دے دیئے اور اس زمانہ میں بس اتنی ہی رقم ایک شمارہ تیار کرنے کے لئے کافی تھی۔ چنانچہ میں رسالہ کی کتابت لے کر فوراً دہلی روانہ ہو گیا۔ جہاں اس زمانے میں الفرقان کی طباعت ہوا کرتی تھی۔ اس لئے کہ بریلی میں اس وقت کوئی اچھا پریس نہ تھا۔ ربیع الاوّل کا یہ تیسرا شمارہ تو نکل گیا مگر اب اس کے آگے کے لئے کیا ہو؟ ہر ماہ ایک شمارہ نکال کر آئندہ والے کے لئے یہی سوال سامنے آتا تھا اور تقریباً ہر مہینے تعاون کی اپیل مختلف انداز سے دہراتے دہراتے گیارویں نمبر یعنی ذیقعدہ کے شمارہ میں یہ لکھ دینے پر مجبور ہونا پڑا کہ۔

''پہلو بشگافید و بہ بینید ولم را   تا چند بگویم کہ چنان است چنیں نیست'' (31)

مزید لکھتے ہیں۔

''الفرقان کی چھپائی دہلی میں ہوا کرتی تھی۔ میں خود ہی اس کی کتابت کرا کے کاپیاں

دہلی پہنچاتا اور چھپوا کر بریلی لاتا تھا۔ دہلی کے جس پریس (جامعہ پریس) میں الفرقان کی طباعت ہوتی تھی اس کے مالک خان صاحب عبداللطیف خاں سے پہلے ہی سے کچھ تعارف و تعلق تھا۔ پہلے شمارے کی کاپیاں لے کر گیا اور خاں صاحب کے حوالے کرنے لگا تو انہوں نے بڑے خلوص کے ساتھ فرمایا کہ مولانا میری ایک حیثیت یہ ہے کہ یہ پریس چلا رہا ہوں۔ اس لحاظ سے مجھے چاہئے کہ میں آپ کا کام فوراً ہاتھ میں لے لوں اور آپ کا رسالہ چھاپ کر چھپائی آپ سے وصول کر لوں لیکن مجھے آپ سے مخلصانہ تعلق بھی ہے، اس لئے میں اپنے تجربہ کی بنا پر آپ کو مشورہ دینا ضروری سمجھتا ہوں.........اس ایک دو سال میں کئی ایک دینی مذہبی رسالے نئے جاری ہوئے۔ میرے ہی پریس میں چھپتے تھے۔ کسی کے دو تین نمبر نکل سکے، کسی کے چار پانچ، کسی کے اس سے ایک دو یا زیادہ، اور پھر بند ہو گئے کیونکہ وہ لوگ اس سے زیادہ خسارہ برداشت نہیں کر سکتے تھے......اس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ اگر آپ کے پاس سرمائے کا انتظام ہے تو آپ اس کو شروع کریں، اور اگر اتنا انتظام نہیں ہے تو اس کا خیال چھوڑ دیں۔ اس شمارہ کی کتابت پر جو کچھ خرچ آپ کر چکے بس اسی کا نقصان برداشت کر لیں...... میں نے خاں صاحب کے اس مخلصانہ مشورہ کا شکریہ ادا کیا اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس طرف سے اطمینان ہے......خاں صاحب نے کاپیاں لے لیں اور دوسرے یا تیسرے دن میں چھپا چھپایا رسالہ لے کر بریلی واپس آ گیا......اور واقعہ یہ تھا کہ میرے پاس صرف اتنا انتظام تھا کہ بس دو مہینے کے شمارے چھپ سکتے تھے۔ وہ توکل تو مجھے اب تک نصیب نہیں جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ (جو بندہ اللہ پہ توکل کرے اس کی کاربراری کے لئے اللہ کافی ہے) لیکن اس وقت بس اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید کر کے میں نے خاں صاحب سے وہ بات کہہ دی تھی۔

عبداللطیف خاں صاحب نے ایسی سچی تجربہ کارانہ بات فرمائی تھی کہ ہر مہینے ہی اس کی سچائی کا تجربہ ہوتا رہا۔ مگر رحیم و کریم مالک کی رحیمی و کریمی کے قربان کہ اس نے میری تمام تر تہی مائیگی کے باوجود الفرقان بند ہو جانے کی نوبت نہ آنے دی اور بلا شبہ یہ اس کارساز حقیقی کی مشیت ہی کا فیصلہ تھا کہ الفرقان زندہ رہے۔ چنانچہ مسلسل دشواریوں اور پیہم نشیب و فراز کے زیر اثر ۲ ۱۳۷ھ مطابق ۱۹۵۳ء میں جب اس عاجز کی ہمت

جواب ہی دے گئی اور الفرقان کی اشاعت بند کر دینے کا فیصلہ کر لیا گیا تو اللہ نے میرے بڑے بیٹے مولوی عتیق الرحمن سلمہ تعالیٰ کے دل میں ڈالا کہ وہ اس کو آئندہ جاری رکھنے کی تمام ذمہ داری اپنے سر لے لیں اور اس طرح صرف چار ماہ کے عارضی وقفے کے بعد اس کی اشاعت کا سلسلہ بحال ہو گیا۔ اور تقریباً بیس سال تک (جب تک عزیز موصوف اپنی صحت کی خرابی کی بنا پر اس ذمہ داری سے معذور نہ ہو گئے) الفرقان اسی طرح نکلتا رہا کہ یہ عاجز اس کے مصارف کی فکر سے بالکل آزاد تھا۔

مولوی عتیق الرحمن کی صحت نے ان کو الفرقان کی ذمہ داری کے سلسلے میں معذور کر دیا تب بھی بحمد اللہ اس کے بند ہونے کی نوبت نہ آئی اور اس عاجز نے ایک بار اور یہ سوچ کر اس کا بار اٹھا لینے کی ہمت اپنے اندر پائی کہ اس کی عمر کے پچاس سال پورے ہو جائیں تب تک اس کو کسی طرح جاری ہی رکھا جائے۔ اور جب یہ وقت آیا تو مشیت الہیٰ نے میرے سب سے چھوٹے بیٹے مولوی خلیل الرحمن سجاد کو اس قابل کر دیا کہ وہ اس ذمہ داری کو اٹھا لینے کی پیش کش کریں۔'' (32)

الفرقان اور مالی منعفت۔

مولانا نعمانیؒ نے الفرقان کا آغاز اگر چہ انتہائی تنگ دستی کے دور میں کیا لیکن ان کے مدنظر مالی منعفت یا کاروبار نہیں تھا بلکہ اللہ کی رضا مقصود تھی چنانچہ مولانا محمد منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں۔

''الفرقان کبھی بھی مالی منعفت کا ذریعہ نہیں رہا۔ کم از کم ابتدائی بیس سال میں تو سراسر پریشانی کا موجب ہی بنا رہا۔ اس کے باوجود اس کا سلسلہ جاری رہنے پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا بے انتہا شکر اور اس کی حمد اس لئے ہے کہ اس کے ذریعہ بندگان خدا کو مختلف طریقوں سے دینی فائدہ پہنچتا رہا۔ اس کے اول دور میں کتنے ہی مسلمان اس کی بدولت مشرکانہ رسوم و عقائد سے تائب ہو کر اخلاص سے توحید و اتباع سنت کے راستے پر آئے۔ ہندوستان میں جن اہل علم بزرگوں کے دم سے توحید و سنت کا فروغ اور اس کی حفاظت و حمایت تھی یعنی حضرت شاہ اسماعیل شہید دہلویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا خلیل احمدؒ صاحب سہارنپوری وغیرہ ان کے بارے میں بدعقیدگی اور بدگوئی سے اپنا نامہ اعمال سیاہ کرنے والوں کو ان سے عقیدت و محبت کی دولت نصیب ہوئی اور بریلی کے رضاخانی فتنے کی حقیقت و اصلیت واضح کرنے میں جو کام الفرقان کے ذریعہ

انجام پایا۔اس کے بارے میں تو یہ کہنے میں کوئی مضائقہ ان شاء اللہ نہیں ہوگا کہ وہ ابھی تک یکتا و یگانہ ہے اور یہ سب بلاشبہ محض اللہ کی توفیق و نصرت سے ہوا ورنہ ایک تن تنہا پردیسی بندے کی کیا طاقت تھی کہ وہ عین بریلی ہی میں بیٹھ کر یہ کام انجام دیتا۔الفرقان کی یہ افادیت بحمد للہ اس کے روز اوّل ہی سے ایسی نمایاں ہوئی کہ اکابر وقت کی نگاہوں میں وہ قابل قدر قرار پا گیا۔اپنی بے سرو سامانی کے ساتھ ساتھ الفرقان کو جاری رکھنے کی جو جدوجہد اس عاجز کی طرف سے ہو رہی تھی اس کو چھ سات مہینے سے زیادہ نہیں گذرے تھے کہ ان اکابر نے اس میں اپنی تائید و وزن شامل کرنے کے لئے پرزور اپیل قوم سے ان الفاظ میں جاری فرمائی۔

الفرقان کے لئے اکابر ملت کی اپیل۔

باسمہ تعالیٰ حامداً و مصلیاً۔

رسالہ الفرقان جناب مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کی ادارت میں سات آٹھ مہینے سے جاری ہے۔اس کا مقصد وحید جیسا کہ معلوم ہوا ہے دین الہیٰ کی اشاعت ،توحید و سنت کی حمایت و حفاظت ہے اور پوری تیز رفتاری کے ساتھ وہ اپنے اس مقصد کی طرف گامزن ہے۔اس مبارک مقصد کی اہمیت اور ضرورت سے تو کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔

مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ مولانا محمد منظور صاحب الفرقان کے ذریعہ جو کام کر رہے ہیں وہ ان کا ذاتی نہیں بلکہ خالص دینی کام ہے اور تائید اہل سنت و تردید اہل بدعت کے سلسلے میں جو خدمات انجام دے رہے ہیں درحقیقت پوری جماعت کی طرف سے ایک فرض کفایہ ادا کر رہے ہیں۔اندریں حالات چاہئے تو یہ تھا کہ جماعت پوری گرم جوشی کے ساتھ الفرقان کی آواز کو پائیدار اور وسیع کرنے کی کوشش کرتی اور مسلمانوں کی کوئی بستی ایسی نہ ہوتی جہاں الفرقان نہ پہنچتا ہوتا لیکن یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ جماعت کے تغافل کی وجہ سے الفرقان کی اشاعت نہایت محدود ہے۔جس کی وجہ سے اس کی مالی حالت بھی نازک ہے بلکہ سرمایہ کی پریشانیوں کی وجہ سے اس کا بقا بھی خطرے میں ہے۔لہٰذا مسلمانان اہل سنت سے پرزور اپیل کی جاتی ہے کہ وہ الفرقان کو ایک دینی مبلغ اور مذہبی داعی سمجھتے ہوئے اس کے دائرہ اشاعت کو وسیع کرنے کی انتہائی جدوجہد کریں اور کوشش کریں کہ الفرقان کی آواز ہر شہر، ہر قصبے اور ہر گاؤں میں پہنچ جائے۔مدارس اسلامیہ کے مہتمم صاحبان اس کو مدرسہ کے نام جاری کرائیں اور طلبہ

سے اس کا مطالعہ کرائیں۔حضرات علماء وطلبہ کو چاہئے کہ وہ خود بھی الفرقان کا مطالعہ فرمائیں اور اس کی آواز کو وسیع کرنے کی ممکن سعی سے دریغ نہ فرمائیں۔یہ زمانہ سخت فتنوں کا ہے اور الفرقان کا خصوصی نصب العین تمام جدید وقدیم فتنوں کا استیصال ہے۔' (33)

اس اپیل پہ اس وقت کے تمام بڑے اکابر دیوبند نے اپنے دستخط کئے۔جن میں

''مولانا حسین احمد مدنیؒ، مفتی کفایت اللہؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، محمد عبد اللطیف ناظم مظاہر العلوم سہارنپور، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ، مفتی محمد نعیم لدھیانویؒ، سید مرتضی حسنؒ، مولانا محمد طیبؒ مہتمم دار العلوم دیوبند، مولانا اسد اللہؒ، مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ شامل تھے۔(۳۴)

نقطۂ نظر میں تبدیلی اور الفرقان کی موجودہ دعوت۔

الفرقان کا جب آغاز ہوا تو اس کا دائرہ نسبتاً محدود تھا۔صرف مخصوص فرقوں کے مناظروں اور ان سے کی گئی بحثوں پہ مبنی مواد زیادہ شائع ہوتا تھا، لیکن آہستہ آہستہ اس کا ارتقائی سفر جاری رہا اور وقت کے ساتھ ساتھ اس کا دائرہ اجتماعیت کی طرف بڑھتا گیا۔اس حوالے سے مولانا نعمانیؒ اپنی آپ بیتی میں رقمطراز ہیں۔

''محرم ۱۳۵۳ھ میں الفرقان جاری ہوا۔اس وقت اپنے سامنے مسلمانوں کی اصلاح اور خدمت دین کا ایک مخصوص اور محدود دائرہ تھا یعنی مسلمانوں کے بعض خاص طبقوں کی اعتقادی اور عملی غلطیوں پر سنجیدہ بحث وتمحیص اور مدلل تنقید اور دین کے بارے میں ان کے افراط وتفریط کی تغلیط وتردید کرتے ہوئے صراط مستقیم کی طرف دعوت۔الغرض اس ابتدائی دور میں یہی الفرقان کا خاص موضوع تھا۔چند سال تک الفرقان اسی خصوصیت کے ساتھ جاری رہا اور تحدیثاً بالنعمۃ کہا جا سکتا ہے کہ اس زمانہ میں جن خاص مسائل پر الفرقان میں بحث کی گئی، غالباً اب آئندہ ان پر کسی مزید غور و بحث کی ضرورت نہ ہوگی اور الفرقان میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے وہی ان شاء اللہ ان مسائل و مباحث میں حرف آخر رہے گا۔''(35)

مولانا موصوف مزید لکھتے ہیں۔

''لیکن اپنے تجربات میں اور امت کے حالات سے واقفیت میں جیسے جیسے اضافہ ہوتا گیا یہ حقیقت منکشف ہوتی رہی کہ موجودہ مسلمان قوم کا بہت بڑا حصہ اور اس کا غالب عنصر اصل دین ہی سے اس قدر دور اور اتنا بیگانہ ہو چکا ہے کہ اسلام کے نام اور جاہلی

قسم کی ایک قومی عصبیت کے سوا اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ ہمارے مسلمان ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اور اسلام ہم سے کیا چاہتا ہے؟.......... اسی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا ایک خاص کرم یہ ہوا کہ سیاسی ترقیات اور اقتصادی تحریکات کے پہلو بہ پہلو مادیت اور لادینی کے جو رجحانات نہایت تیزی سے ہمارے ملک میں اور خصوصاً ہماری قوم میں آ رہے ہیں ان کو اور ان کی تیز رفتاری کو اور دین و ایمان کے خلاف پڑنے والے ان کے اثرات و نتائج کو بہت پہلے سے سمجھنے کی اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی...... انہیں چیزوں کا یہ اثر ہوا کہ شروع میں مسلمانوں کی اصلاح کا جو محدود تصور اور خدمت دین کے بارے میں جو ایک مخصوص زاویہ نظر اور ایک خاص ذوق تھا، وہ آپ سے آپ بدلنے لگا اور اس کے بجائے حکمت کے اصول پر دعوت و تبلیغ کے ذریعہ عام مسلمانوں میں پہلے صحیح شعور اور حقیقی ایمان کو عام کرنے کی اور عبدیت و اطاعت والی اسلامی زندگی کے بنیادی اصول کو ان میں رواج دینے کی اور اس کے لئے جدوجہد کرنے کی ضرورت کا احساس دل و دماغ پر غالب آتا گیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کا پورا پورا یقین نصیب فرما دیا کہ اس وقت دین کی اہم ترین اور بنیادی خدمت یہی ہے۔ اسی راہ سے مسلمانوں کی اصلاح اور نئے پرانے تمام فتنوں سے ان کے دین و ایمان کی حفاظت ہو سکتی ہے اور اسی بنیاد کے استحکام پر ہمارے تمام تکمیلی کام اور ہماری تمام تر ترقی اور فلاح موقوف ہے۔ اس کے بغیر صلاح و فلاح کے تمام دروازے امت محمدیہ پر بند ہیں۔ اپنے نقطۂ نظر کی اس تبدیلی کے ساتھ ساتھ اسی رفتار سے الفرقان کی روش بھی بدلتی گئی۔'' (36)

مولانا عبدالقدوس رومی، مفتی شہر آگرہ، الفرقان کے ادوار کے حوالے سے مولانا نعمانیؒ کی تحدیث نعمت میں بیان کی ہوئی باتوں پہ تنقیدی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''حضرت مولانا نعمانی علیہ الرحمہ نے مندرجہ بالا مختصر سے چند سطری مضمون میں غایت اجمال و ایجاز سے کام لیتے ہوئے علامہ مودودی سے اپنے متاثر ہونے اور پھر ان کے ہمنوا، ہم خیال اور ہمسفر ہونے کی خاصی طویل داستان کو بالکل ہی اشاروں میں اس درجہ مختصر فرما دیا ہے کہ اس سے صحیح صورتحال کی عکاسی نہیں ہو پاتی...... انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء میں آیا تھی۔ اسی دور میں علامہ مودودیؒ نے اس ایکٹ کے مضمرات و اثرات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہندوستانی مسلمانوں کے مستقبل کا مسیحا بن کر ترجمان

القران میں مضامین لکھنے شروع کئے تھے۔ ان مضامین کا جادو ایسا تھا جس نے مولانا نعمانی علیہ الرحمہ جیسے حق پسند، حق آشنا شخص کو سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ اب ملکی حالات اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ الفرقان کے اسی مقصد وحید پر اب بھی قائم رہے اور دین الٰہی کی اشاعت، توحید و سنت اور ان کی حمایت و حفاظت میں اسی انداز سے سر گرم عمل رہے، جس کے لئے وہ ابھی کچھ ہی دنوں پہلے اکابر ملت کے دستخط سے ایک پر زور و مؤثر اپیل شائع کر چکا ہے، کہ مولانا محمد منظور صاحب الفرقان کے ذریعہ جو کام کر رہے ہیں وہ ان کا ذاتی نہیں بلکہ خالص دینی کام ہے اور تائید اہل سنت و تردید اہل بدعت کے سلسلے میں جو خدمات وہ انجام دے رہے ہیں درحقیقت پوری جماعت کی طرف سے ایک فرض کفایہ ادا کر رہے ہیں۔ اب تھوڑے ہی دنوں کے بعد اس فرض کفایہ کے حق میں بالکل سرسری قسم کی یہ تعبیر اختیار کر لینا کہ چند اعتقادی اور عملی مسائل جن میں مسلمانوں کے بعض طبقے افراط و تفریط اور غلطیوں میں مبتلا ہیں'' یا یہ تحریر فرمانا کہ ''یہ عاجز محسوس کرتا ہے کہ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے بہت بر وقت اور صحیح رہنمائی تھی اور اس کے ذریعے اس بندے پر ایک خیر کثیر کا دروازہ کھلا'' یہ سب ایسی تعبیرات ہیں جو دل میں کھٹکتی ہیں ان سے اتفاق کر لینا کسی بھی ایسے شخص کے لئے مشکل ہوگا جو اپنے دل میں توحید خالص کی دعوت کا شوق اور شرک سے بیزاری کا جذبہ رکھتا ہو۔

تحدیث نعمت میں الفرقان کی تاریخ اور اس کے مختلف ادوار سے متعلق تفصیلات کے بعض حصے قابل غور ہیں جن کی وجہ سے الفرقان کے مختلف ادوار کا بیان ایک دوسرے سے ممیز نہیں ہو سکا ہے۔ الفرقان کے دوسرے دور کے بیان میں کچھ دور تک تو علامہ مودودی سے تاثر اور پھر بہت ہی سرسری طور پر جماعت کی تاسیس میں شرکت اور پھر الٹے پاؤں اس سے واپسی کا ذکر کر کے آگے بڑھ گئے ہیں اور تبلیغی تحریک سے متاثر ہونے کا بیان شروع کر دیا ہے۔ پھر ''الفرقان کا دور جدید مقصد اور دعوت'' کا عنوان دے کر کچھ لکھا گیا ہے اور یہ تمام تفصیلات کچھ اس طرح لکھی گئی ہیں جس سے الفرقان کے بدلتے ہوئے مختلف ادوار ایک دوسرے سے ممتاز و ممیز نہیں ہو سکے ہیں۔

احقر کی یادداشت کے مطابق علامہ مودودیؒ سے حضرت مولانا نعمانی علیہ الرحمہ کی اثر پذیری کی مدت کافی طویل رہی ہے۔ یہ اثر پذیری تو غالباً ۱۹۳۵ء، ۱۹۳۶ء ہی سے

شروع ہوگئی تھی۔ پھر ۱۹۴۱ء میں جماعت کی تاسیس ہوئی، جس میں مولانا نعمانی نے علامہ مودودی کے شریک غالب کی حیثیت سے شرکت کی اور منتخب امیر المومنین کے ہاتھ پر بیعت کر کے کچھ وقت باقاعدہ رکن کی حیثیت سے گذارا تھا، اور جماعت سے علیحدگی کا مرحلہ بھی بتدریج طے ہوسکا تھا اس لئے اس دور کی روداد کا اس درجہ سرسری طور پر آنا کچھ عجیب سالگا۔

مودودی صاحب سے اثر پذیری کے دور میں حضرت مولانا نعمانیؒ پر جس خیر کثیر کا دروازہ کھلا اس کی حقیقت بھی نہ کھل سکی کہ وہ خیر کثیر کیا تھا؟ اگر وہ خیر کثیر یہی تھا کہ حضرت مولانا نعمانیؒ کو الفرقان کے دور اوّلیں اس کے مقصد وحید کے تحت توحید وسنت کے اثبات وتائید یا شرک وبدعت کی تردید پر کی جانے والی محنت وسعی کے رائیگاں جانے کا احساس ہوگیا تو یہ بات کسی طرح نہ تو معقول ہے اور نہ ہی قابل قبول۔ احقر کا اندازہ ہے کہ الفرقان کی تاریخ اور اس کے مختلف ادوار کی جو تفصیلات ''تحدیث نعمت'' میں مذکور ہوئی ہیں ان میں جابجا جھول اور غلط بیانی اس وجہ سے راہ پا گئی ہے کہ یہ حصہ برادر گرامی مولانا عتیق الرحمٰن صاحب زید مجدہم کا مرتب کیا ہوا ہے۔ بہتر صورت یہ ہوگی کہ آئندہ کسی موقع پر برادر موصوف الفرقان کی مجموعی خدمات اور اس کے علیحدہ علیحدہ ادوار کی تاریخ وتبصرہ از سر نو مرتب فرمادیں۔

تاریخ الفرقان کا مختصر واجمالی جائزہ لینے پر احقر اپنے خصوصی ذوق کے تحت اس نتیجہ پر پہنچ سکا کہ الفرقان نے اپنی ۶۵ سالہ عمر میں جو روشن وتابندہ اور دیرپا و پائندہ کارنامے انجام دیئے ہیں اس کا زیادہ حصہ اسی دور اوّل سے تعلق رکھتا ہے۔

اسی روشن وتابناک دور میں اہل شرک واہل بدعت سے متعدد مناظروں کی رودادیں شائع ہوئیں۔ ان فرقوں کی تردید میں متعدد علمی وتحقیقی مضامین شائع ہوئے۔ بوارق الغیب، ستہ ضروریہ، نمبر جیسے دستاویزی شاہکار نمبر نکالے جو آئندہ بھی ایک زمانے تک کام آتے رہیں گے۔ اس لئے الفرقان کو مولانا نعمانیؒ کا کارنامہ حیات قرار دیتے ہوئے ہمیں اس کے ابتدائی اوّلین دور ہی کو اس کا دور زرّیں ماننا پڑے گا۔'' (37)

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی لکھتے ہیں۔

''جو چیز الفرقان کے اجراء کے فوری فیصلے کی تقریب بنی تھی اس کا اثر کچھ دن تو ضرور ہی غالب رہا چنانچہ دو تین سال تک اس میں بریلوی مذہب اور اس کی پھیلائی ہوئی

مشرکانہ بدعات وخرافات کی تردید اور اس سلسلے کی مناظرانہ سرگرمیوں ہی کا رنگ غالب رہا اور ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ اس میدان میں چونکہ یہ ایک غیر معمولی گرج چمک والے انداز کی یا حضرت مرحوم کے اپنے الفاظ میں ایک ''طوفانی'' انداز کی سرگرمی تھی اس لئے ایک جوش وخروش والے استقبال کی روح بھی اس نے لوگوں میں پھونک دی تھی۔''(38)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ خود اپنی علمی وفکری زندگی میں ذہنی ارتقاء کے عمل سے گذرے۔ان کی تمام تحریرات اور ان کی زندگی کی عملی جدوجہد کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ انہوں نے درس وتدریس سے لے کر تحریر وتقریر تک جو مراحل طے کیے ان میں شروع کے ادوار میں ان کی سوچ دیوبند کے دفاع اور دیگر فرقوں کی بیخ کنی تک محدود تھی۔لیکن آہستہ آہستہ مولانا اجتماعی مسائل کی طرف راغب ہوئے۔یہی وجہ ہے کہ الفرقان کا دور اوّل بھی اسی فکر کا ترجمان رہا، جس میں بریلویت و دیگر فرقوں و مسالک کے حوالے سے مواد کی بھرمار تھی۔لیکن پھر ایک تبدیلی یہ آئی کہ مولانا مودودیؒ سے متاثر ہوئے اور پھر الفرقان کی تحریریں بھی بدل گئیں، اور اب دینی سیاست کی طرف اور نظام کی تبدیلی اور امت مسلمہ کی فلاح کے اجتماعی جدوجہد کی فکر کا غلبہ ہوا۔اس طرح جہاں جہاں ان کی فکر میں تبدیلی آئی وہیں ان کی تحریریں اور الفرقان میں تبدیلی دیکھنے کو ملی۔اور پھر آخری دور الفرقان پہ یہ آیا کہ مولانا تبلیغی جماعت کے ساتھ منسلک ہو گئے۔مولانا محمد الیاسؒ کی شروع کی ہوئی تحریک میں شامل ہو گئے، اور تبلیغی اجتماعات میں شرکت اور تقریروں کا سلسلہ شروع ہوا تو پھر الفرقان کے صفحات پہ بھی تبدیلی آنا شروع ہوئی۔اس حوالے سے مولانا اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں۔

''حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی تحریک کا کام صرف دل وزبان اور عملی نقل وحرکت سے تعلق رکھتا تھا۔قلم اور تحریر کا اس میں کوئی حصہ نہ تھا، یا نہ ہونے کے برابر تھا۔مگر میری ذات کے ساتھ الفرقان ایسا جڑا ہوا تھا کہ کسی علمی، دینی اور اصلاحی خدمت کی میں توفیق پاؤں اور الفرقان اس سے الگ الگ رہے اس کا تصور ہی کرنا مشکل تھا۔چنانچہ اب الفرقان کی بھی اصل دعوت یہی ہوگئی اور میرا احساس ہے کہ اپنی ذات اور الفرقان دونوں سے جس قدر کام اس راہ میں لینا اس عاجز کے لئے ممکن ہوا وہ میرے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسانات وانعامات میں سے غیر معمولی درجے کا بڑا انعام اور احسان ہے۔''(39)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی صحافتی خدمات کے حوالے سے تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا، جس میں ان کی صحافتی زندگی میں الفرقان میں ان کے کردار پہ بحث کی گئی۔مولانا نے الفرقان کا اجراء کیا تو اس وقت ان کے پاس سچے جذبے اور للّٰہیت کے علاوہ کوئی خاص سرمایہ نہ تھا۔وہ مسلسل اس کو شائع کرنے کی سکت نہیں رکھتے تھے، لیکن دینی جذبے نے انہیں مایوس نہیں ہونے دیا اور وہ مسلسل جدوجہد میں لگے رہے۔الفرقان کے اجراء کا اس وقت بنیادی مقصد یہ ٹھہرا تھا، کہ بریلویت کے خلاف اور ان کے مناظروں کی تفصیل عوام تک پہنچائی جائے اور اس طرح عقائد کی اصلاح کی

کوششوں کو بھر پور ادا کیا جائے۔ اس وقت الفرقان کے مضامین کا دائرہ مخصوص فرقوں کے حوالے سے مبنی مضامین تک محدود تھا۔ پھر رفتہ رفتہ مولانا کی سوچ وفکر میں تبدیلی رونما ہوتی رہی۔ وہ دائرہ اجتماعیت کی طرف بڑھتا رہا۔ اس طرح الفرقان میں امت مسلمہ کی اجتماعی فلاح و بہبود، معاشرتی ترقی، علمی مسائل، ہندوستان کی تاریخ اور اکابرین ملت کے افکار زیر بحث آنے لگے۔ مولانا نے اپنے افکار کی وسعت کے ساتھ ساتھ الفرقان کی تحریروں کو بھی وسعت بخشی اور اس طرح الفرقان اہل علم وعوام میں مقبولیت حاصل کرتا گیا۔ مولانا کی فکر کا ترجمان یہ رسالہ نصف صدی تک معاشرتی خدمت میں لگا رہا اور اس نے علمائے کرام کے دل جیت لئے۔ الفرقان کے مضامین حوالہ کے طور پہ آج بھی محفوظ ہیں۔ ان میں شائع شدہ مولانا کی تحریریں اور مقالے اہل علم کے لئے آج بھی رہنمائی رکھتے ہیں۔

-----☆-----

﴿خلاصہ باب پنجم﴾

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی دینی خدمات کے حوالے سے سب سے نمایاں پہلو صحافتی زندگی کی جدو جہد ہے۔انہوں نے اپنے قلم سے اسلامی تعلیمات کو معاشرے میں عام کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔اگر دیکھا جائے تو ان کی زندگی کا یہ پہلو سب پہ حاوی نظر آتا ہے، کیونکہ ان کی صحافتی کاوشوں کے اثرات پورے برصغیر اور باہر کے ممالک تک نظر آتے ہیں۔گویا ان کی صحافتی زندگی دین کی اجتماعی جدو جہد میں ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔صحافتی جدو جہد ہی کے ذریعے انہوں نے اپنی فکر کو استحکام دیا اور اسلامی تاریخ، سیاست، معاشرت، فقہ، حدیث کو انتہائی سلیس اور عوامی انداز میں پیش کیا، ملت اسلامیہ کے اجتماعی مسائل کو اجاگر کیا اور ان کا حل دین اسلام کی روشنی میں پیش کیا۔اس کے علاوہ ان کے نزدیک جو باطل تحریکات تھیں ان کا مؤثر جواب دینے کے لئے اور ان کو بے نقاب کرنے کے لئے اور مسلمانوں کے عقائد کی درستگی کے لئے انہوں نے اسی صحافتی زندگی میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ان کی صحافتی زندگی میں سب سے اہم کام رسالہ ''ماہنامہ الفرقان'' کا اجراء ہے۔

الفرقان کے ذریعہ انہوں نے دینی اور ادبی صحافت کا آغاز کیا جو پہلے بریلی سے جاری کیا اور بعد از اں لکھنؤ منتقل ہو گیا۔ان کی یہ صحافت قریباً ایک صدی پر محیط ہے اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اسے پڑھ کر کتنے لوگوں کے خیالات کی اصلاح ہوئی ہوگی۔لوگوں کے ذہنوں سے شکوک وشبہات کی دھند چھٹی ہوگی اور کتنے اللہ کے بندے ان کے مضامین کو پڑھ کر راہ راست پر گامزن ہوئے ہوں گے۔ان کا یہ صدقہ جاریہ الحمدللہ! آج بھی جاری ہے جسے ان کے صاحبزادے مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی ندوی چلا رہے ہیں۔

الفرقان کے متعدد خاص نمبر شائع ہوئے جو بہت مقبول ہوئے، لیکن حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ پر اس کے خاص نمبر بڑی اہمیت ومنفعت کے حامل ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان کی ان مایہ ناز ہستیوں اور عظیم داعیوں کے اصلاحی وتحریری کارناموں اور ان کی دعوت وتعلیم کو جس بہتر انداز میں ان میں پیش کیا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ اور صاحب الفرقان کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔اس کے حج نمبر سے حاجیوں کو بڑا فائدہ پہنچا۔

الفرقان کی پہلی اشاعت میں بیان کئے گئے مقاصد حسب ذیل تھے۔

> ''الفرقان کا اصل مقصد صرف دین الہیٰ کی اشاعت اور توحید وسنت کی حمایت و حفاظت ہے اور اسی مقصد کو لے کر وہ عالم وجود میں آیا ہے۔اس مبارک مقصد کی تکمیل کے لئے جو لائحہ عمل اس وقت اس کے سامنے ہے وہ اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔اسی سے ہمارے ناظرین کو ''الفرقان'' کی حکمت عملی بھی معلوم ہو جائے گی۔''الفرقان'' ان شاء اللہ اقوام عالم کے سامنے اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ و

السلام کے وہ محاسن پیش کرے گا جن کی نظیر سے دنیا کے مذاہب اور بانیان مذاہب کی تاریخ عاجز اور یقیناً عاجز ہے۔

''الفرقان'' حتی الامکان معارف قرآنیہ کی نشر و شاعت کا خاص اہتمام کرے گا کیونکہ قرآن، اسلام کا ایک زندہ اور ہمیشہ باقی رہنے والا معجزہ ہے اور وہی خدا کا وہ آخری پیغام ہے جو قیامت تک کے لئے انسانوں کی ہدایت کا کفیل بن کر آیا۔

''الفرقان'' بعون اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں اتباع سنت کی روح پھونکے گا کیونکہ اس کا نہایت راسخ عقیدہ ہے کہ ہماری صلاح وفلاح اسی سے وابستہ ہے اور ہمارے اسلاف کا عروج جس نے دنیا کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا تھا اسی اتباع اور اقتداء کا مرہون منت تھا۔ ہمارا ایمان ہے کہ مسلمانوں کا مستقبل بھی صرف جناب رسالت مآب ﷺ کے نقش قدم کی پیروی ہی سے خوش گوار ہوسکتا ہے۔ حضرت امام مالکؒ کا کیسا حقیقت افروز ارشاد ہے ''لن يصلح آخر هذه الامة الا بما صلح به اولها '' اس امت کے آخری دور کی اصلاح بھی صرف اسی چیز سے ہوسکتی ہے جس سے اس کے دور اولین کی اصلاح ہوئی۔

''الفرقان'' ان بدعات اور مشرکانہ رسوم کے خلاف زبردست جہاد کرے گا، جنہوں نے فرزندان توحید کے دین و دنیا کو برباد کر دیا ہے اور جن کے زہریلے اثرات سے مسلمانوں کا ایمان تک محفوظ نہیں۔

''الفرقان'' خدا پرستی کا حامی اور مخلوق پرستی کا سخت دشمن ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ انسان کی جبین نیاز صرف واحد قہار کے جلال و جبروت کے سامنے جھکے۔ اسی لئے صلیب پرستی ،بت پرستی کی طرح قبر پرستی، نفس پرستی وغیرہ کو بھی وہ فطرت کے خلاف شدید بغاوت اور انسانیت کی سخت ترین اہانت سمجھتا ہے۔ لہذا وہ اس کے خلاف زبردست جہاد کرے گا اور قوم سے اس لعنت کے دور کرنے کے لئے اپنی ساری طاقت صرف کر دے گا۔

''الفرقان'' کا مقصد بلاوجہ کسی جماعت یا کسی شخص سے الجھنا اور اس کو نیچا دکھانا یا اس پر غصہ اتارنا اور ان کی پگڑیاں اچھالنا ہرگز نہیں۔ وہ صرف اعلائے کلمۃ الحق کے لئے میدان میں آیا ہے۔ البتہ اگر کوئی خدا کا باغی اس کے اصل مقصد میں حائل ہوگا تو وہ اس کا بھی مقابلہ کرے گا لیکن اس میں بھی اس کی روش قرآن حکیم کے تعلیم کردہ اصول

''وجادلھم بالتی احسن'' سے متجاوز نہ ہوگی۔''

''الفرقان کے اجراء کا اعلان کیا گیا تو اس کا استقبال بہت حوصلہ افزا تھا۔ چنانچہ پہلے ہی شمارے میں اس عاجز کے لکھے ہوئے یہ الفاظ ملتے ہیں: ''مجھے ہرگز امید نہ تھی کہ مجھ جیسے عاجز بندے کے ایک اعلان پر الفرقان کے اس قدر چاہنے والے پیدا ہو جائیں گے۔ خدا کے فضل و کرم سے صرف ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ میں اتنی درخواستیں آ گئیں کہ اگر چند روز یہی رفتار باقی رہی تو امید ہے کہ ان شاء اللہ عنقریب الفرقان ایک کامیاب رسالہ ہو جائے گا اور اپنے تمام مصارف خود برداشت کرے گا۔''

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا قلم ان کے افکار و نظریات کی ترجمانی کرتا رہا، ان کے مضامین، شذرات، تحقیقی مقالے و تبصرے، خطوط ان کی فکر کو بیان کرتے تھے۔ اگر مولانا کی علمی بصیرت، تحقیقی کاوشوں اور ملت کی غم گساری کا تجزیہ کرنا ہو تو اس کے لئے آپ کی تحریریں کافی ہیں۔ خاص طور پہ الفرقان تو ان کی علمی حیثیت اور ارتقاء کا آئینہ ہے۔ مولانا موصوف کا فکری ارتقاء اور ان کی علمی بصیرت کی جھلک الفرقان کے علاوہ شاید ہی کہیں اور نظر آئے۔

مولانا موصوف کی فکر و نظریہ جو انہوں نے الفرقان کے صفحات پہ بکھیرا اور امت مسلمہ کی اصلاح اور کامیابی کے لئے جو تجاویز پیش کیں، اور جو یاددہانیاں کروائیں، وہ ان کی حد درجہ سچائی اور اخلاص کی نشاندہی کرتی ہیں۔ الفرقان کے ایک مضمون ''اگر رسول اللہ ﷺ اس زمانے میں ہوتے!'' میں وہ مسلمانوں کو عمل کی طرف رغبت دلاتے ہوئے انہیں یہ احساس دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ آج کے دور میں قرآن و حدیث کی تعلیمات بالکل اسی طرح کی حیثیت رکھتی ہیں جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان میں موجود ہوں۔ لہذا ان تعلیمات کی ناقدری نہ کریں اور اس پہ عمل کریں۔ غفلت سے نکلیں۔ مولانا موصوف کا درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا موصوف کی تحریریں عام طور پہ معاشرتی اصلاح کے حوالے سے بھی ان کے طرز فکر کی عکاس ہیں۔ مولانا کے اداریئے اکثر اسی پہ مبنی ہوتے تھے۔ اکثر اوقات وہ کسی ایسی معاشرتی اخلاقی وبا کو موضوع بحث بناتے اور اس سلسلے میں دینی رہنمائی کی وضاحت کر کے معاشرے سے اس کو ختم کرنے کی طرف دعوت دیتے تھے۔ اسی حوالے سے ایک اداریئے میں وہ تہمت پہ گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اللہ کے کسی بندہ کے ایمان و ضمیر پر حملہ کرنا درحقیقت اپنے ایمان اور اپنی دیانت کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ ایک حدیث کا مضمون ہے کہ جو شخص اللہ کے کسی بندہ پر ایسی تہمت لگائے جس سے وہ عنداللہ بری ہے تو اللہ تعالیٰ نے مقرر کر لیا ہے کہ اس تہمت لگانے والے کو وہ اسی برائی میں ضرور مبتلا کرے گا اور اس سے پہلے اس کو موت نہ دے گا۔''

الغرض مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی صحافتی خدمات کے حوالے سے ان کی صحافتی زندگی میں الفرقان میں ان کے

کردار پہ بحث کی گئی۔ مولانا نے الفرقان کا اجراء کیا تو اس وقت ان کے پاس سچے جذبے اور للّٰہیت کے علاوہ کوئی خاص سرمایہ نہ تھا۔ وہ مسلسل اس کو شائع کرنے کی سکت نہیں رکھتے تھے، لیکن دینی جذبے نے انہیں مایوس نہیں ہونے دیا اور وہ مسلسل جدو جہد میں لگے رہے۔ الفرقان کے اجراء کا اس وقت بنیادی مقصد یہ ٹھہرا تھا، کہ بریلویت کے خلاف اوران کے مناظروں کی تفصیل عوام تک پہنچائی جائے اوراس طرح عقائد کی اصلاح کی کوششوں کو بھرپورادا کیا جائے۔ اس وقت الفرقان کے مضامین کا دائرہ مخصوص فرقوں کے حوالے سے مبنی مضامین تک محدود تھا۔ پھر رفتہ رفتہ مولانا کی سوچ وفکر میں تبدیلی رونما ہوتی رہی۔ وہ دائرہ اجتماعیت کی طرف بڑھتا رہا۔ اس طرح الفرقان میں امت مسلمہ کی اجتماعی فلاح و بہبود، معاشرتی ترقی، علمی مسائل، ہندوستان کی تاریخ اور اکابرین ملت کے افکار زیر بحث آنے لگے۔ مولانا نے اپنے افکار کی وسعت کے ساتھ ساتھ الفرقان کی تحریروں کو بھی وسعت بخشی اور اس طرح الفرقان اہل علم وعوام میں مقبولیت حاصل کرتا گیا۔ مولانا کی فکر کا ترجمان یہ رسالہ نصف صدی تک معاشرتی خدمت میں لگا رہا اوراس نے علمائے کرام کے دل جیت لئے۔ الفرقان کے مضامین حوالہ کے طور پہ آج بھی محفوظ ہیں۔ ان میں شائع شدہ مولانا کی تحریریں اور مقالے اہل علم کے لئے آج بھی رہنمائی رکھتے ہیں۔

-----☆-----

﴿حوالہ جات: باب پنجم﴾

1۔محمد منظور نعمانی،مولانا،(ترتیب:عتیق الرحمٰن نعمانی) تحدیث نعمت آپ بیتی،لاہور،قریشی پبلشرز،۱۹۹۷ء،ص۴۹
2۔ایضاً،ص۴۹تا۵۷
3۔محمد یوسف،لدھیانوی،مولانا،مقالات یوسفی شخصیات وتاثرات،کراچی،مکتبہ لدھیانوی،۲۰۰۱ء،ص۲۲۶
4۔ماہنامہ بینات اشاعت خاص بیادشہید ختم نبوت مولانا محمد جمیل خان،کراچی،فیروز ذکی مطبع ایجوکیشنل پریس،جلد نمبر۶۸،شمارہ نمبر۹تا۱۲نومبر۲۰۰۵تافروری۲۰۰۶ء،ص۸۰۵
5۔ماہنامہ الفرقان لکھنؤ،اشاعت خاص(بیادمولانا محمد منظور نعمانیؒ)،اپریل۱۹۹۸ءتااگست۱۹۹۸ء،ص۳۴
6۔ایضاً،ص۳۷تا۳۸
7۔ایضاً،ص۴۴تا۴۵
8۔ایضاً،ص۵۶
9۔محمد منظور نعمانیؒ،مولانا،(ترتیب:عتیق الرحمٰن نعمانی) تحدیث نعمت آپ بیتی،محولہ بالا،ص۶۰
10)الفرقان،ص۶۱۰تا۶۱۱
11)الفرقان،ص۶۱۱
12)الفرقان،ص۶۱۱
13)الفرقان،ص۶۱۱
14)محمد منظور نعمانیؒ،مولانا،(ترتیب:عتیق الرحمٰن نعمانی) تحدیث نعمت آپ بیتی،لاہور،قریشی پبلشرز،۱۹۹۷ء،ص۶۱
15۔ماہنامہ الفرقان لکھنؤ،اشاعت خاص(بیادمولانا محمد منظور نعمانیؒ)،محولہ بالا،ص۶۰۹تا۶۱۰
16۔ایضاً،ص۳۹۲
17۔ایضاً،ص۴۱۷
18۔ایضاً،ص۴۲۰تا۴۲۱
19۔ایضاً،ص۴۲۲تا۴۲۳
20۔ایضاً،ص۴۲۶تا۴۲۷
21۔ایضاً،ص۴۳۱
22۔ایضاً،ص۵۵۵

23۔ایضاً،ص۵۵۶

24۔ایضاً،ص۵۵۷

25۔ایضاً،ص۵۵۸تا۵۵۹

26۔ایضاً،ص۵۶۱

27۔ایضاً،ص۵۶۵تا۵۶۶

28۔ایضاً،ص۵۶۹

29۔ایضاً،ص۵۸۸

30۔ایضاً،ص۴۸۷

31۔محمد منظور نعمانیؒ،مولانا،(ترتیب:عتیق الرحمٰن نعمانی)تحدیث نعمت آپ بیتی،بحولہ بالا،ص۶۲

32۔ایضاً،ص۶۴تا۶۶

33۔ایضاً،ص۶۸تا۶۹

34۔ایضاً،ص۶۹تا۷۰

35۔ایضاً،ص۸۱تا۸۲

36۔ایضاً،ص۸۲تا۸۳

37۔ماہنامہ الفرقان لکھنو،اشاعت خاص(بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)،بحولہ بالا،ص۱۸۳تا۱۸۵

38۔ایضاً،ص۶۶۱تا۶۶۲

39۔محمد منظور نعمانی،مولانا،(ترتیب:عتیق الرحمٰن نعمانی)تحدیث نعمت آپ بیتی،بحولہ بالا،ص۸۰تا۸۱

-----☆-----

باب ششم: ہم عصر علماء کی آراء کی روشنی میں مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی علمی ودینی خدمات کا تجزیہ۔

ا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی رائے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی علمی صلاحیتوں اور ان کی فنی قابلیت اور پھر اس کا بہترین استعمال، کے حوالے سے اپنی رائے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''مولانا ان راسخین فی العلم میں سے تھے جن کی مثال کم ملتی ہے۔ خصوصاً اس زمانہ میں علمی انحطاط اور علمی انتشار، تحریکوں کی کثرت، مشغولیتوں کی فراوانی اور ان کا تنوع اتنا ہے کہ علم میں رسوخ حاصل کرنا بڑا مشکل ہوگیا ہے۔ لیکن جو لوگ مولانا سے اجمالی واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں اور اس کی تصدیق کریں گے کہ مولانا ہندوستان کے ان منتخب اور مختص ممتاز علماء میں شامل ہیں جنہیں علوم اسلامیہ میں رسوخ حاصل تھا اور یہ معمولی بات نہیں ہے۔ وسعت معلومات، وسعت مطالعہ، تصنیف و تالیف کی صلاحیت، یہ سب چیزیں بہت عام اور کثرت سے پائی جاتی ہیں، لیکن علمی رسوخ یہ بہت اونچی بات ہے اور ایک خاص امتیاز ہے۔ میں خدا کے گھر میں بیٹھ کر اس کی شہادت دیتا ہوں کہ مولانا کو حدیث میں، تفسیر میں، علم کلام میں اور فرق منحرفہ ومحرفہ کے بارے میں جو وسیع معلومات تھیں، ان سے جو غیر معمولی واقفیت اور ان کی کمزوریوں اور ان سے پیدا ہونے والے خطرات کا جتنا صحیح اندازہ ان کو تھا، وہ ہندوستان کے کم علماء کو حاصل ہوگا۔ جن لوگوں نے یہاں ان سے ترمذی شریف پڑھی ہے وہ اس کی شہادت دیں گے۔ پھر ان کی جو کتابیں ہیں وہ بتاتی ہیں کہ ان کو علم میں کتنا رسوخ حاصل تھا۔ پھر زمانہ کی نبض شناسی، نئی نسلوں کی ضروریات اور ان کی نفسیات اور تقاضوں سے گہری واقفیت اور ان کے ذہنوں کی گہرائیوں تک پہنچنا اور ان کو متاثر کرنا یہ اپنی جگہ پر ایک کمال ہے۔ اس کے ساتھ علم میں رسوخ اور اس کو پیش کرنے کی صلاحیت، انتخاب کی صلاحیت، ذہنوں کی رعایت یہ ایک خاص چیز ہے۔'' (1)

مولانا ندویؒ ان کی کتابوں کے بارے میں تجزیہ کرتے ہوئے ان کی علمی قابلیت اور کتابوں کے معاشرے پہ اثرات کے حوالے سے مزید بیان کرتے ہیں۔

''جن لوگوں نے مولانا کی کتابیں پڑھی ہیں خاص طور پر ان کی کتاب ''معارف

الحدیث'' جو اس مسجد میں عصر بعد سنائی جاتی ہے کم از کم اردو لٹریچر میں یہ بے نظیر کتاب ہے۔جس طرح حدیث و سنت کو پیش کیا گیا ہے، جس طرح اس سے سبق لینے اور احادیث کے مختلف پہلوؤں اور مخفی گوشوں کو ابھارا گیا ہے، وہ بے مثال ہے۔ان کی عام فہم اور مقبول عام کتاب ''اسلام کیا ہے؟'' نیز آپ حج کیسے کریں؟، قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟اور دین و شریعت، وغیرہ وہ کتابیں ہیں جو ممتاز ہی نہیں بلکہ بعض حیثیتوں سے منفرد ہیں۔اپنے مقصد، حسن انتخاب، حسن تعبیر، حسن بیان، حسن تفہیم اور ذہنوں کی رعایت کی بناء پر اس کو توفیق الٰہی ہی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔مولانا نے دیوبند کے چوٹی کے اساتذہ مولانا انور شاہ کشمیریؒ صاحب جیسے حضرات سے تعلیم حاصل کی تھی۔اس لئے ان کو علم میں بڑا رسوخ اور کمال حاصل تھا۔ان کا یہ رسوخ آخر عمر تک باقی رہا۔ہمارے مشاہدہ اور علم میں یہ بات ہے کہ بعض حضرات کو ابتدائی دور میں رسوخ فی العلم حاصل ہوتا ہے لیکن جوں جوں ان کی مشغولیتیں بڑھتی جاتی ہیں، زندگی کے تقاضے، راحت و آرام اور خانگی زندگی کے مطالبات بڑھتے ہیں، دینی و ملی اور سیاسی جدوجہد میں حصہ لینا پڑتا ہے ان سے متاثر ہو کر بلکہ ان سے دب کر وہ ایسے ہو جاتے ہیں کہ صحیح عبارت کا پڑھنا بھی ان کے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔لیکن مولانا کا رسوخ فی العلم آخر تک باقی رہا جو بہت کمیاب بلکہ نادر بات ہے۔یہ نتیجہ ہے ان کے والدین کے حسن نیت، ان کے اساتذہ کرام کی للّٰہیت وخلوص و ربانیت کا۔پھر مولانا کی محنت و خلوص اور مسلسل علمی اشغال کا کہ ان کا تعلق علم سے برابر قائم رہا۔آخر تک علمی رسوخ و پختگی باقی رہی۔اس کا میں عینی شاہد ہوں اور قریب ترین رفیق کی حیثیت سے مجھے خود اس کا تجربہ ہے۔''(2)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی دیگر خصوصیت جن کی بدولت وہ دینی خدمات کے لئے کوشاں تھے، پہ روشنی ڈالتے ہوئے مولانا ندویؒ مزید لکھتے ہیں۔

''مولانا کی دوسری بڑی خصوصیت ان کی حمیت دینی ہے۔ایک ہے حمایت، دوسری چیز ہے حمیت، حمایت میں وہ اندرونی جذبہ اور دل سوزی نہیں ہوتی، وہ دل کی تپش اور ذہن کی خلش اور وہ اضطراب و بے چینی نہیں ہوتی جو حمیت میں ہوتی ہے حالانکہ حروف دونوں کے متقارب ہیں۔اللہ تعالیٰ نے مولانا کو حمیت دینی کا جو جوہر عطا فرمایا تھا وہ کم لوگوں کو ملتا ہے۔ہوسکتا ہے دینداری، عبادت گذاری، تہجد اور شب بیداری اور ذکر و

شغل میں دوسرے لوگ بڑھے ہوئے ہوں لیکن دینی غیرت وحمیت کی دولت ونعمت سے مولانا مالا مال تھے۔ حمیت یہ ہے کہ دل میں آگ سی لگ جائے، سوزش پیدا ہو جائے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟، کیا خطرات درپیش ہیں؟، مسلمانوں کی آبادی کا کیا حشر ہو گا؟، خاص طور پر تعلیم یافتہ طبقہ کا کیا انجام ہوگا؟۔

تقسیم کے بعد مسلمانوں کے یہاں رہنے کے سلسلہ میں بہت سے حضرات کے ذہنوں میں بات واضح نہیں تھی کہ مسلمان اب کیسے رہیں گے؟ لیکن مولانا کا ذہن بہت واضح تھا اور ان کے سامنے کام کا پورا نقشہ بنا ہوا تھا۔ یہ اس وجہ سے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا کو حمیت جیسی نعمت سے نوازا تھا۔ یہ ایک نفسیاتی نقطہ اور تجربہ کی بات ہے کہ حمیت بھی یکساں باقی نہیں رہتی اس لئے کہ علم جتنا بڑھتا اور معلومات وتجربات میں جتنی وسعت ہوتی جاتی ہے حمیت میں اسی اعتبار سے کمی ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ احساس ہی ختم ہو جاتا ہے۔ جو لوگ عجائب گھر اور میوزیم دیکھتے رہتے ہیں ان کے اندر استعجاب کا مادہ باقی نہیں رہتا۔ وہ سب کچھ دیکھتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ سب چیزیں یکساں ہیں لیکن میں عینی شاہد کی حیثیت سے گواہی دیتا ہوں کہ اپنے وسیع علم ومطالعہ اور مشاہدہ کے ساتھ مولانا کے اندر دینی حمیت وغیرت بھری ہوئی تھی۔'' (3)

۲۔مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی کی رائے۔

مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی نے مولانا نعمانیؒ کی جامع شخصیت اور ان کا ہندوستانی تاریخ میں خدمت دین کے حوالے سے کردار پہ اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ وہ عصر حاضر کی ان ممتاز ہستیوں میں سے تھے جن کی زندگی ایک مستقل تاریخ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علمی وعملی انحطاط کے اس دور میں جب کہ جانے والا اپنا کوئی بدل چھوڑ کر نہیں جاتا، موصوف کی وفات ایک ایسا سانحہ ہے جس پر اظہار کرب والم کے تمام الفاظ بے معنی معلوم ہوتے ہیں۔ یہ صرف مولانا مرحوم کے اعزہ کا نہیں پورے ملک کا، پورے برصغیر کا، پورے عالم اسلام کا حادثہ ہے۔

مولانا نعمانی قدس سرہ کی ذات گرامی دارالعلوم دیوبند کے اس بابرکت عہد کی دلکش یادگار تھی، جس نے حضرت شیخ الہندؒ، حضرت حکیم الامتؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ، وغیرہ علم وعمل کے مجسم پیکروں کے جلوہ

جہاں آرا کو دیکھا تھا اور ان میں سے اکثر کے علمی و عملی حسنات و برکات سے براہ راست استفادہ کیا تھا۔

ان کے رگ و پے میں یہ یقین پیوست تھا کہ اکابر علماء دیوبند اس عہد میں ''ما انا علیہ واصحابی'' کی عملی تفسیر تھے اور ان کا فہم دین اس دور میں خیر القرون کے مزاج وذوق سے سب سے زیادہ قریب ہے۔اسی لئے وہ اکابر دیوبندؒ کے علم وعمل اور فکر ونظر کے مظہر اتم اور امین ونقیب تھے۔''(4)

مولانا قاسمی، مولانا نعمانیؒ کی تصنیف وتالیف کے حوالے سے روشنی ڈالتے ہوئے مزید لکھتے ہیں۔

''مولانا کا تعلق اگر چہ درس وتدریس سے کم ہی رہا لیکن ان کی علمی استعداد نہایت پختہ اور ٹھوس تھی اور ان کا مطالعہ بہت وسیع وعمیق تھا اس لئے ان کا علم مستحضر تھا اور علمی مسائل پر اس طرح تفصیلی ومحققانہ گفتگو کرتے تھے گویا ابھی انہوں نے اس موضوع پر تیاری کی ہے۔مولانا نے دینی موضوعات پر جو کتابیں تحریر فرمائی ہیں ان سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کا علم کس قدر پختہ اور ہمہ گیر تھا۔وہ بڑے سے بڑے اہم اور دقیق علمی مسائل کو اس طرح سادہ، سلیس، عام فہم اور شگفتہ عبارت میں سمجھا دیتے ہیں کہ قاری کو ان کی دقت کا احساس تک نہیں ہوتا۔ بالخصوص اپنی مشہور سات جلدوں میں پھیلی ضخیم تالیف معارف الحدیث میں احادیث کے انتخاب اور پھر ان کی توضیح وتشریح میں جس ژرف نگاہی اور لطافت فہم کا ثبوت دیا ہے وہ ان کی وسعت علم اور مہارت فن کا ایک بیّن ثبوت ہے۔

مولانا نعمانی علیہ الرحمۃ نے مختلف علمی ودینی موضوعات پر چھوٹی بڑی تقریباً ڈھائی درجن کتابیں لکھیں۔جن میں معارف الحدیث، اسلام کیا ہے؟، دین وشریعت، ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت، شاہکار کی حیثیت رکھتی ہیں۔مولانا کی ان ساری کتابوں کی زبان نہایت شگفتہ، سلیس اور عام فہم ہے۔اس لئے عام وخاص ہر حلقے میں مقبول ہیں۔مولانا مرحوم کی تحریر کی ایک اور نمایاں خصوصیت اس کی اثر انگیزی ہے۔ان کی گفتگو بھی نہایت مؤثر ہوتی تھی لیکن تقریر کے مقابلے میں ان کی تحریر زیادہ پر کشش اور مؤثر ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ جو کچھ کہتے یا لکھتے تھے اس کا تعلق محض الفاظ وبیان سے نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں سے تھا۔اور تاثیر کی یہ قوت زبان وبیان پر قدرت کی رہین منت نہیں بلکہ یہ ان کے اخلاص اور سوز دروں کی کرشمہ سازی ہے۔''(5)

۳۔مولانا ابوبکر، غازی پوری کی رائے۔

مولانا ابوبکر غازی پوری، مولانا نعمانیؒ کے علمی و دینی کارناموں پہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''آخیر زمانہ میں مولانا نعمانیؒ کا یہ کارنامہ بھلایا نہیں جا سکتا جو انہوں نے خمینیت اور ایرانی انقلاب کے نام پر پیدا ہونے والے فتنہ کی حقیقت کو اپنی تحریرات سے ظاہر کرکے انجام دیا۔، واقعہ یہ ہے کہ ایران کے انقلاب سے بہت سے لوگ حواس باختہ تھے اور وہ سمجھ رہے تھے کہ خمینی کی شکل میں ایک مہدی وجود میں آگیا ہے اور اب خدا کی زمین فتنوں اور برائیوں سے پاک ہو جائے گی۔ اور اسلام اپنی پوری طاقت کے ساتھ دنیا میں حکمرانی کرے گا۔ یورپ اور امریکہ کی حکومتوں میں زلزلہ پیدا ہو جائے گا اور امام انقلاب خمینی صاحب دنیا کا نقشہ بدل دیں گے۔ مگر جو لوگ حقیقت کی نگاہ سے اس انقلاب کو دیکھ رہے تھے اور جن کے سامنے شیعیت کی پوری تاریخ تھی، وہ خوب سمجھ رہے تھے کہ ایک نیا فتنہ ہے جو اسلام اور ملت اسلامیہ کے لئے بڑی مشکلات پیدا کرے گا، چنانچہ بعد کے واقعات نے اس کی پوری تصدیق کردی۔ خمینیت اور ایرانی انقلاب کی حقیقت سے مولانا نعمانیؒ نے لوگوں کو متعارف کرایا اور لوگوں کو اس کے فریب سے نکالا۔ مولانا مرحوم کا یہ کارنامہ تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھا جائے گا۔
مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ نے دین کا حقیقی داعی بنایا تھا۔ الفرقان کی پچاس سال سے زیادہ فائلیں اور مولانا کی تمام کتابیں اس کی شاہد ہیں کہ مولانا پر دین کی دعوت کا جذبہ غالب تھا۔ ان کی تحریریں بڑی سنجیدہ و باوقار اور سہل ممتنع اور مؤثر ہوتی تھیں۔ اپنی بات کو دل میں اتار دینے کا ان کو ملکہ حاصل تھا۔ کسی کی تحریر کی ایسی اثر انگیزی بہت کم دیکھنے کو ملتی ہے۔ ان کی تحریرات تکلف سے پاک، بہت سادہ مگر بے پناہ تاثیر کی حامل ہوتی تھیں۔ ان کی کتاب اسلام کیا ہے؟ نے نہ معلوم کتنی زندگیوں میں اسلام کی روح پھونک دی۔ اللہ نے اس کتاب کو جو مقبولیت دی دور حاضر کی دوسری کتابیں بہت کم ایسی ہیں جن کو ایسی مقبولیت حاصل ہوئی ہو، اور مسلمانوں نے اپنی زندگی کو عملی بنانے میں ان سے اتنا فائدہ اٹھایا ہو، جتنا انہوں نے اس کتاب سے فائدہ اٹھایا ہے۔ مولانا مرحوم کے انتقال سے ایک عہد کا خاتمہ ہو گیا۔ علم کی محفل میں ایسی نابغہ روزگار شخصیتیں بہت کم آتی تھیں اور جب وہ رخصت ہو جاتی تھیں تو ان کی جگہ پر نہیں ہوتی۔'' (6)

۴۔ حضرت مولانا انعام الحق قاسمی کی رائے۔

مولانا انعام الحق قاسمی، مولانا نعمانیؒ کی قلمی خدمات کوخراج تحسین پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''مولانا مرحوم نے جس موضوع پہ قلم اٹھایا اس کا حق ادا کیا اور اس میں خلوص وللّٰہیت کی آمیزش سے وہ چاشنی پیدا ہوئی کہ پڑھتے نہ طبیعت اچاٹ ہوتی نہ من بھرتا اور نہ ہی بوریت ہوتی، بلکہ نئے ولولے، نئی زندگی، ایمان وایقان کے مضراب میں حقیقی زمزمہ سنجی کا سوز پیدا ہوتا کیونکہ انہوں نے قلم کو دنیاوی ضروریات کا نہیں بلکہ آخرت اور قلب ودل کی طہارت وپاکیزگی کا ذریعہ بنایا۔ ''دین وشریعت'' کا مطالعہ کریں، قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟ کو پڑ ھا، اسلام کیا ہے؟ کو دیکھیں، معارف الحدیث کو دہرائیں، تصوف کیا ہے؟ آپ حج کیسے کریں؟، تذکرہ مجدد الف ثانیؒ، ایرانی انقلاب، ہر کتاب اپنی جگہ چشم کشا، بصیرت افروز اور معلومات افزا ہے۔ اسی لئے وہ ایک مناظر اسلام، مسلک اہل سنت اور دین وشریعت کے بہترین ترجمان کی حیثیت سے مشہور ومعروف ہیں۔ انہوں نے خود کو مشقت میں ڈالا مگر ملت کے لئے آسانیاں پیدا کیں۔ اپنی صحت وتندرستی کو داؤ پہ لگایا مگر امت مسلمہ کے عقائد کی صیانت وحفاظت سے چشم پوشی نہ فرمائی ....یہی وجہ ہے کہ ان کی کتابیں مسیحائی اور چارہ گری کا اہم کام کرتی ہیں۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن سے بہت سے انشاء پردازوں، مئولفوں کا دامن خالی ہے۔ کیونکہ تحریر، خون جگر، خون دل، روح کی روشنائی، گہری محبت، جذبہ کی گرمی اور خلوص کی آمیزش کے بغیر نہ خود زندہ رہ سکتی ہے اور نہ کسی دوسری روح میں انقلاب پیدا کرسکتی ہے۔ فرمایا گیا......علم را برتن زنی مارے بود علم را بردل زنی یارے بود'' (7)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی مختلف تحریکوں اور مدارس میں خدمات پہ روشنی ڈالتے ہوئے، مزید لکھتے ہیں۔

''کتنی ہی وقیع درسگاہوں، دانش گاہوں کے رکن تھے۔ کتنے ہی مدارس آپ کے زیر سایہ پروان چڑھ رہے تھے اور کتنی دعوتی، اصلاحی جماعتوں کی آپ سرپرستی فرمارہے تھے۔ کتنے افراد کو آپ نے مرد میدان بنالیا۔ اپنی مردم گری، مردم سازی سے کتنے ہی رجال کار تیار کئے۔ دارالعلوم جیسی ایشیاء کی عظیم درس گاہ جس نے ملت اسلامیہ کی عقائد کی، ایمان کی، اسلام کی ان اہم مواقع پر حفاظت کی کہ جب ہندوستان کو ذہنی، فکری اعتبار سے الحاد ولادینیت کا متوالا بنانے کی سازشیں تیار ہوچکی تھیں، اور

جس دانش گاہ کی خدمات روز روشن کی طرح عیاں ہیں آپ اسی اہم یونیورسٹی کے قابل فخر ثبوت تھے۔اسی درس گاہ نے آپ کے گیسوئے برہم کو سلجھا دیا تھا اور وہ جذبہ، وہ سوز، وہ فکر، وہ عقابی ذہن دیا تھا جس کا دنیا نے مشاہدہ کیا۔دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، جس نے دینی علوم کے ساتھ عصری علوم کی اتنی آمیزش کی جس کا ایک داعی کے لئے ہونا ناگزیر تھا اور تعلیم کی ثنویت، علم کی دوئی نے جو ایک دراڑ اور خلیج پیدا کر دی تھی اس عظیم دانش گاہ اور تحریک اسلامی کی مسند حدیث پر آپ نے گلباریاں فرمائی ہیں۔''(8)

۵۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی، چئرمین ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی رائے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی الفرقان کے حوالے سے دینی خدمات کا تجزیہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''مدیر الفرقان یا مجاہد اسلامی

ماہنامہ الفرقان کا اجراء انہی دونوں بنیادی ضروریات کے لئے عمل میں آیا تھا۔ابتدا میں اس کا زور باطل نظریات اور فاسد افکار اور غیر اسلامی اعمال وعملیات کی تردید کر کے اسلام، دین اور امت اسلامی کی حفاظت وصیانت کرنا تھا۔رفتہ رفتہ تردید وتغلیط سے گذر کر صحیح اسلامی تعلیمات اور بنیادی افکار کی ترویج واشاعت کی طرف ہو گیا۔مگر زور یا شد و مد کا صرف انتقال علمی تھا، ورنہ الفرقان نے کبھی بھی ابطال اور احقاق حق کا دوگونہ فریضہ نظر انداز نہیں کیا، سچی بات یہ ہے کہ ان دونوں پہلوؤں کو کبھی کوئی دور بیں و دور اندیش، حقیقت پسند واصول پرست، مفکر و مدبر نظر انداز نہیں کر سکتا۔کیوں کہ یہ تو ہمارے عقیدہ وایمان کا بنیادی محور ہے۔انکار باطل سے اثبات حق تک پہنچنا کلمہ توحید کا اصل مغز ہے۔مدیر الفرقان کی حیثیت سے مولانا منظور نعمانیؒ نے نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک اسلامی، قلمی جہاد کیا ہے جو فکری، عقیدی، علمی، اور دینی اعتبارات سے برصغیر پاک وہند میں زرّیں الفاظ میں لکھے جانے کے قابل ہے۔

یہاں مجلّہ الفرقان کی تاریخ بیان کرنی مقصود ہے، نہ اس کی خدمات کا تذکرہ مطلوب ہے اور نہ ہی اس کا موضوعاتی تجزیہ۔مگر علمی وفکری اسلامی جہاد میں اس کے مرتب کردہ نقوش اجاگر کرنے کے لئے اس کے بعض سنگ ہائے میل کی طرف نشاندہی ضروری ہے۔اور یہ نشاندہی تاثراتی اور علمی انداز میں اس کے بعض امتیازات کے تذکرہ سے کی جارہی ہے۔

ماہنامہ الفرقان نے اپنے مدیر کبیر کی شخصیت کی ہمہ جہتی کے مانند چومکھی لڑائی لڑی ہے اور مختلف محاذوں پر اسلامی جہاد جاری رکھا ہے۔اس میں اوّلیں اور اہم ترین محاذ اپنوں کے بعض طبقات نے کھولا تھا۔اہل بدعت نے کتاب وسنت اور اعمال و آثار، بزرگان اسلام کی تعبیر وتشریح اپنی کج فہمی اور کج عقیدتی کے سبب کی اور اس کو صحیح اسلامی نظام فکر وعمل بنانے کی کوشش کی۔الفرقان اور اس کے مدیر جلیل نے ان کی گمراہ کن تحریروں، تقریروں اور افعال واعمال اور رسوم ورواج کا بروقت تدارک کیا۔ان کے کج کلاہانہ اندازِ فکر کو واضح کیا، ان کی تحریفات وتاویلات کی قلعی کھولی، ان کے اصل خیالات ونظریات کو طشت از بام کیا اور ان کے اعمال وافعال کی شناخت ظاہر کی۔عوام وخواص مسلمین کو اس طرح ان کی تاویلات فاسدہ سے پہنچنے والے خطرناک نتائج سے محفوظ وماموں کیا۔

اپنوں کے فاسد خیالات و باطل افکار کی تردید وتنقید میں ایک سخت مرحلہ بلکہ تمام مراحل حیات میں سخت ترین اس وقت آیا جب ہر طرح کے ہمنوا وہم خیال اور ہم فکر و ہم قدم اور محترم ومعظم شخصیات وطبقات نے دین وایمان کے عظیم ترین ابطال کو ہدف تنقید و ملامت بنایا۔اگرچہ الفرقان کے بانی مدیر گرامی نے اپنی مدیرانہ زندگی میں ایسی بہت سی سولڑی تھیں، مگر معرکہ حق و باطل ان کی زندگی کے آخری لمحات میں پیش آیا۔کہا جاسکتا ہے کہ اس معرکہ کے اصل شہسوار ان کے فرزند گرامی کے رشحات قلم تھے مگر ان کے پیچھے دراصل افکار وتربیت نعمانی کا پشتہ لگا تھا۔الزام تراشی اور بہتان طرازی بھی کی گئی کہ یہ معرکہ حق و باطل نہیں تھا بلکہ ذاتی عداوت وحسد کا شاخسانہ تھی۔دلوں کے بھید عالم الغیب والشہادۃ جانتا ہے اور نیت بلکہ نیابت اور ان پر مبنی اعمال کا حساب کتاب اسی کے دست عدل نواز میں ہے لیکن ہم ظواہر کے پابند و مکلّف بندے اتنا جانتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کو ہدف ملامت اور نشانہ تنقید بنانے والا کسی طرح بھی مخلص اور صحیح نہیں ہوسکتا۔

الفرقان کی طویل جدوجہد اسلامی میں یہ مرحلہ بہت اہم رہا ہے۔خاکسار راقم بھی اس میں خون لگا کر شہیدوں میں نام لکھوانے پر مجبور ہوا تھا۔بنیادی وجہ صحابہ کرامؓ کی عدالت وسیادت سے زیادہ ان کی عزت وحرمت کی حفاظت کی ایمانی کوشش تھی۔راقم آثم یہ سمجھنے سے ہمیشہ قاصر رہا کہ کوئی صحیح العقیدہ مومن ومسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے

کسی بھی طبقہ کو مستسلم، غیر مخلص اور غیر عادل کیوں کر کہہ سکتا ہے یا ایسا فاحش کلام کرنے والے کی حمایت ونصرت کر سکتا ہے؟ میرا تو عقیدہ ہے کہ اس فکر باطل پر اغماض برتنے والا بھی مرتکب فاحش ہے اور اپنے ہذیان کے لئے ہر طرح کی مہذب اور سخت ترین تنقید کا مستحق ہے، خواہ وہ دینی و علمی جلالت دنیا کے کسی بھی مرتبہ پر فائز ہو۔ مجھے حیرت ہوتی ہے جب سادات علم و دین الفرقان کے تلخ لہجہ اور خاکسار راقم کے سخت الفاظ پر شکوہ کرتے ہیں، اور خود فراموش کر دیتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے دین و ایمان کے ارکان کے خلاف سخت ترین بلکہ مذموم ومقہور الفاظ وتعبیرات استعمال کی ہیں۔ ایسے دریدہ دہن، دریدہ قلم اور دریدہ فکر حاملین کے لئے سخت الفاظ اور شدید ترین تعبیرات ہلکی ہیں۔ الفرقان کی یہ جدو جہد مبارک ترین، عظیم ترین، اور دور رس نتائج کی حامل رہی، جس نے امت اسلامی کی عدالت صحابہ کرامؓ اور تاریخ اسلامی کے ایک اہم ترین باب میں صحیح اسلامی رہنمائی کی۔ یہ وہ قضیہ مرضیہ تھا جس نے حق کو ثابت واجاگر اور باطل کو پسپا و پژمردہ کر دیا۔ فکر نعمانیؒ کا یہ پرتو کتنا دلکش وعزیز ہے!''(9)

۶۔ مفتی تقی عثمانی زید مجدہ کی رائے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی دینی و علمی خدمات کا تجزیہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''جب سے شعور کی آنکھ کھلی، اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب کی بدولت گھر میں روزانہ آنے والی ڈاک کا ایک پلندہ ڈاکئے سے وصول کرنا روزمرہ کے معمول میں شامل دیکھا۔ اس ڈاک میں خطوط کے علاوہ ماہانہ اور ہفتہ وار جرائد و رسائل بھی اچھی خاصی تعداد میں ہوتے تھے۔ جب یہ جرائد و رسائل آتے تو انہیں الٹ پلٹ کر ان کی کم از کم ورق گردانی کا شوق مجھے اس وقت سے تھا جب ان جرائد و رسائل کے مندرجات کا تقریباً اسی فیصد حصہ میری سمجھ سے بالاتر ہوتا تھا۔ انہی رسائل میں ایک ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ بھی تھا۔ جس پر حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ صاحب کا اسم گرامی متواتر دیکھ دیکھ کر یہ نام دل میں بیٹھ گیا تھا اور بچپن میں یہ بات ذہن میں جم گئی تھی کہ بزرگ ایسے اہل قلم میں سے ہیں جن کی نگارشات اپنی فہم کی سطح سے بالاتر ہوتی ہیں۔

جب رفتہ رفتہ حرف شناسی میں اضافہ ہوا تو یہ نگارشات کچھ کچھ سمجھ میں بھی آنے لگیں۔ بالخصوص ''الفرقان'' میں ''معارف الحدیث' کے مسلسل عنوان کے تحت

احادیث نبوی ﷺ کی جو عام فہم تشریح حضرت مولانا کے قلم سے شائع ہو رہی تھی، اس کا بیشتر حصہ فہم سے بالاتر نہ رہا اور اس طرح مولانا سے غائبانہ ایک انسیت پیدا ہونے لگی۔

پھر طالب علمی کے دوران علمائے دیوبند اور علمائے بریلی کے مسلکی اختلافات پر متعدد کتابیں پڑھنے کی نوبت آئی۔ اکابر علمائے دیوبند کی جن بعض تحریروں پر علمائے بریلی کی طرف سے سخت اعتراضات کئے گئے تھے، ان کے بارے میں حقیقت حال کی وضاحت بہت سے حضرات نے کی لیکن اس موضوع پر جس کتاب نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی کتاب ''فیصلہ کن مناظرہ'' تھی۔ اس کتاب میں حضرت مولانا نے جس مدلل، دلنشیں اور مستحکم انداز میں ان تحریروں کی وضاحت فرمائی تھی، حقیقت یہ ہے کہ اسے پڑھنے کے بعد کسی بھی انصاف پسند انسان کے دل میں ان اکابر کے عقائد کے بارے میں کوئی ادنیٰ شبہ باقی نہیں رہ سکتا۔ کتاب کا نام تو اگر چہ فیصلہ کن مناظرہ تھی، جس سے تأثر یہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی عام قسم کی مناظرانہ کتاب ہوگی، اور ہماری شامت اعمال سے مناظرے کے بارے میں یہ تاثر بن گیا ہے کہ یہ ایک فرقہ وارانہ اکھاڑے کا نام ہے، جس میں دو منہ زور پہلوان ہر حق و ناحق حربے سے ایک دوسرے کو زیر کرنے کے داؤ استعمال کرتے ہیں اور اس داؤ پیچ میں حق طلبی کا جذبہ کچل کر رہ جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مولانا کی کتاب اس قسم کی مناظرانہ فضا سے کوسوں دور ہے۔ بلکہ اس کو پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نیک نیتی والا مناظرہ کیا ہوتا ہے؟ اصل میں ''مناظرہ'' عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں ''مل جل کر کسی مسئلے پر غور کرنا'' مولانا نے اس کتاب میں مناظرے کی اسی حقیقت کی عملی تفسیر پیش کی ہے۔ ان کا انداز و اسلوب عامیانہ مناظرہ کا اسلوب نہیں، خالص علمی، مثبت، معروضی اور مدلل انداز بیان ہے۔ جس کا مطمح نظر حق کی تفہیم ہے، نہ کہ مخالف کی تذلیل۔

پھر ۱۹۶۰ء کے لگ بھگ پاکستان اور ہندوستان کے علماء نے مل کر غلام احمد پرویز صاحب کی کتابوں کا جائزہ لیا اور ایک متفقہ فتویٰ مرتب کیا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ پرویز صاحب اپنے بعض گمراہانہ عقائد و افکار کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ یہ فتویٰ پرویز صاحب کی کتابوں کی چھان بین کے بعد مرتب کیا گیا تھا اور اس پر تمام مسلم مکاتب

فکر کے علماء کے دستخط تھے۔

اس موقع پر پرویز صاحب کے حلقے نے یہ کہہ کر آسمان سر پر اٹھا لیا کہ علماء کرام کا تو مشغلہ ہی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو کافر بناتے رہتے ہیں۔ اسلامی عقائد و اصول سے ناواقف بہت سے دوسرے حضرات بھی اس پروپیگنڈے کا شکار ہو کر اس فتوے کو اعتراضات کا نشانہ بنانے لگے۔ اس موقع پر فتویٰ کی تائید اور اس پروپیگنڈے کی تردید میں بھی متعدد مضامین و مقالات منظر عام پر آئے لیکن اس موضوع پر سب سے زیادہ مدلل، زوردار اور دل میں اتر جانے والی تحریر حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ صاحب کی تھی جو ''الفرقان'' میں شائع ہوئی اور اسے پاک و ہند کے بہت سے علمی مجلات نے نقل کیا۔ مولانا کے متکلم انداز تحریر کا قائل تو میں پہلے بھی تھا، لیکن اس تحریر سے اندازہ ہوا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے قاری کو اپنے ساتھ بہا لے جانے کی کس غیر معمولی صلاحیت سے مالا مال فرمایا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے اس مضمون نے ''تکفیر'' کے بارے میں پھیلی ہوئی غلط بتدں کی دھند صاف کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

بعد میں مولانا کی بہت سی تحریریں پڑھنے کا موقع ملتا رہا، اور ان سے غائبانہ عقیدت و محبت پیدا ہوتی گئی۔ لیکن پاک و ہند کے تباین دارین کی وجہ سے ان کی زیارت و ملاقات کا شرف حاصل نہ ہوسکا۔ بالآخر پہلی بار مکہ مکرمہ میں ان کی زیارت ہوئی، اور اس کے نتیجے میں مراسلت کا سلسلہ قائم ہوا۔ کوئی نئی کتاب آتی تو مولانا شفقت فرما کر احقر کو ارسال فرماتے، اور مختلف مسائل پر خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ افسوس ہے کہ مولانا کے ابتدائی کچھ خطوط میرے پاس محفوظ نہ رہے لیکن بعد میں اکثر خطوط محفوظ بھی رکھے۔ اس کے بعد مولانا ایک مرتبہ پاکستان تشریف لائے اور دارالعلوم میں خطاب بھی فرمایا۔ اس وقت والد صاحب کی وفات ہو چکی تھی اور ان کے ذکر مبارک کے لئے البلاغ کا مفتی اعظم نمبر زیر ترتیب تھا۔ مولانا نے احقر کی فرمائش پر اس کے لئے مضمون لکھنے کا وعدہ فرمایا، اور ہندوستان جا کر مضمون بھیجا جو مفتی اعظم نمبر کی زینت بنا۔

مولانا نے اگرچہ ''الفرقان'' کی ادارت اپنے فاضل صاحبزادے جناب مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سنبھلی کے سپرد کر دی تھی لیکن وقت کی تقریباً اہم ضرورت پر ان کی تحریریں الفرقان میں شائع ہوتی رہتی تھیں۔ اسی دوران سعودی عرب میں علمائے دیو بند کے خلاف پروپیگنڈا کرنے والوں نے وہاں یہ تأثر پھیلانا شروع کیا کہ علمائے دیو بند، علمائے نجد کے سرخیل شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں معاندانہ رائے رکھتے

ہیں اور ان کے بارے میں توہین آمیز رویہ اختیار کرتے رہے ہیں۔ مولانا نے اس تاثر کے ازالے کے لئے ''الفرقان'' میں ایک سلسلہ مضامین شروع کیا جس میں شیخ محمد بن عبدالوہاب اور علمائے دیوبند کے درمیان وجوہ مماثلت شرح وبسط کے ساتھ بیان کی گئی تھیں اور شرک و بدعت کی تردید میں دونوں کے درمیان جو قدر مشترک تھی، اس پر زور دیا گیا۔ اگرچہ یہ مضمون بھی مولانا کی عام عادت کے مطابق مدلل اور مفید تھا، لیکن اس کی چند قسطیں پڑھنے کے بعد مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں وہ تصویر کے صرف ایک رخ ہی پر ختم نہ ہو جائے اور علمائے دیوبند کو شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بعض نظریات سے جو واقعی اختلاف رہا ہے اس کے تذکرے سے خالی نہ رہ جائے، چنانچہ میں نے حضرت مولانا کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں اپنے اس طالب علمانہ اندیشے کا اظہار کرتے ہوئے یہ درخواست کی کہ مضمون کا تاثر یہ ہرگز نہ ہونا چاہئے کہ علمائے دیوبند اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کے نظریات میں کوئی اختلاف ہی نہ تھا۔ اس کے بجائے جس حد تک اور جتنا اختلاف تھا اس کا اظہار کرتے ہوئے یہ درخواست کی کہ مضمون کا تاثر یہ ہرگز نہ ہونا چاہئے کہ علمائے دیوبند اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کے نظریات میں کوئی اختلاف ہی نہ تھا۔ اس کے بجائے جس حد تک اور جتنا اختلاف تھا، اس کا اظہار بھی ریکارڈ درست رکھنے کے لئے ضروری ہے، جس کے بغیر یہ سلسلہ مضامین ادھورا بھی رہے گا اور اس سے مزید غلط فہمیاں پیدا ہوں گی۔

میں نے لکھنے کو تو یہ خط لکھ دیا لیکن بار بار احساس ہو رہا تھا کہ مولانا کے مقام بلند کے آگے میری حیثیت ان کے ایک ادنیٰ شاگرد کی بھی نہیں ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ جسارت کر کے میں نے اپنی حدود سے تجاوز کیا ہو، لیکن میرے خط کے جواب میں مولانا کا جو گرامی نامہ آیا، اس میں انہوں نے اپنی بڑائی کی انتہا کر دی۔ میری گذارش پر کسی ناگواری کا اظہار تو کجا، میری اتنی ہمت افزائی فرمائی کہ میں پانی پانی ہو گیا۔

مولانا کے آخری ایام حیات کا ایک بڑا تالیفی کارنامہ مولانا کی کتاب ''ایرانی انقلاب'' ہے۔ اس موضوع پر انہوں نے ''الفرقان'' میں ایک سلسلہ مضامین سپرد قلم کیا تھا جو بعد میں کتابی شکل میں شائع ہوا.........شیعہ عقائد کے بارے میں علمائے اہل سنت کی طرف سے بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، لیکن مولانا نے اس کتاب میں ایک نئے اسلوب سے ان مباحث پر گفتگو کی ہے، اور بہت سی ایسی معلومات فراہم کی ہیں جو پردہ

اخفا میں تھیں۔میں نے اس کتاب کے بارے میں اپنے تأثرات بھی حضرت مولانا کی خدمت میں ارسال کئے۔خود میں نے اس سے جس طرح استفادہ کیا تھا،اس کا تذکرہ کیا،لیکن ساتھ ہی کچھ طالب علمانہ گذارشات مسئلہ تکفیر کے سلسلے میں پیش کیں۔''(10)

۷۔مولانا محمد عاشق الٰہی برنیؒ،مدینہ منورہ کی رائے۔

مولا محمد عاشق الٰہی برنیؒ مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی تصنیفی خدمات کے حوالے سے اپنے تأثرات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''حضرت مولانا کا انداز بیان سیدھا سادہ،عوامی زبان میں،مضمون بھی اسی انداز میں لکھتے تھے۔جو کتابیں تالیف فرمائیں خصوصاً معارف الحدیث وہ تو سادہ وسلیس اردو ادب کا شاہکار ہے۔یہ کتاب الحمدللہ بہت زیادہ مقبول ہوئی۔آئندہ آنے والے مئولفین کو سبق دے دیا کہ عوام کی رعایت کریں اور مشکل وپیچیدہ زبان کی بجائے سادہ زبان اختیار کریں۔

معارف الحدیث کے علاوہ اسلام کیا ہے؟،دین وشریعت،قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟،کلمہ طیبہ کی حقیقت،نماز کی حقیقت،برکات رمضان،آپ حج کیسے کریں؟وغیرہ کتابیں تالیف فرمائیں۔جن میں سادہ زبان اختیار فرمائی۔ان کتابوں کا ایشیا اور یورپ وافریقہ کی متعدد زبانوں میں ترجمہ ہوگیا ہے۔بریلوی مناظروں کو چھوڑ کر صرف دعوت واصلاح کا کام اختیار فرمالیا تھا جو تحریری بھی تھا اور تبلیغی بھی۔لیکن جذبہ احقاق حق نے پھر کروٹ لی اور شیعیت کے خلاف اقدام کرنے کی ضرورت محسوس فرمائی۔یوں تو آپ برسہا برس سے لکھنو میں قیام پذیر تھے جسے شیعیت کا مرکز کہا جاتا ہے لیکن ان کی طرف توجہ نہیں فرمائی پھر جب ایران میں شیعی انقلاب آیا اور خمینی کو امام بنایا گیا اور مملکت ایران میں شیعی حکومت بن گئی (اگرچہ نام اسلامی حکومت رکھ لیا) اور ہندوستان میں بھی شیعہ زور پکڑنے لگے اور اپنے مسلک کی تبلیغ کرنے لگے اور یہ سمجھا جانے لگا کہ اب تو پاکستان اور مسلمانوں کے دوسرے ممالک میں شیعیت کا راج ہو جائے گا،تو حضرت کو اس پر توجہ کرنی پڑی۔بات یہ ہے کہ شیعیت یہودیوں کا ایک بہت بڑا خنجر ہے جو انہوں نے اسلام کی کمر میں گھونپا ہے۔علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب ''مفتاح الجنۃ''میں لکھا ہے کہ یہودیوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ اسلام بڑھتا جارہا

ہے، اس کی اشاعت، پھیلاؤ اور ترقی کو کس طرح روکا جائے۔ ان میں سے بعض افراد نے رائے دی کہ ان کے نبی کو کچھ برے الفاظ میں یاد کیا جائے تا کہ اعتقاد گھٹ جائے اور بددل ہو جائیں۔ اس کے جواب میں ایک رائے دینے والا بولا کہ ایسا نہیں کیا جا سکتا۔ ہم لوگ دوسرے ہی دن قتل کر دیئے جائیں گے۔ بس ایسا کرو کہ ان میں جو بڑے بڑے مسلمان ہیں ان میں عیب نکالے جائیں اور ان پر اعتراض کیا جائے۔ چنانچہ مشورہ سے یہ بات طے ہوگئی اور حضرات صحابہؓ کو عموماً اور حضرات شیخین ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو خصوصاً برا کہنے اور ان پر اعتراض کرنے کا پروگرام بنا لیا گیا۔ عیب کرنے کو بھی ہنر چاہیے۔ کہاں سے شروع کریں اور کیا بات اٹھائیں، غور کرنے سے وہ لوگ اس نتیجہ پہ پہنچے کہ حضرت ابو بکر نے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کو میراث نہیں دی اور یہ کہ خلافت بلا فصل کے حق دار رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی اور داماد حضرت علیؓ کو خلافت نہیں دی لہذا یہ لوگ خلافت کے غاصب ہیں۔ شروع میں تو اتنی ہی بات تھی کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے میراث نہیں دی اور خلافت غصب کر لی۔ اس کے بعد شدہ شدہ شیعیت یہاں تک پہنچ گئی کہ دو تین حضرات کو چھوڑ کر سب صحابہؓ کو کافر کہا جانے لگا۔ پھر جب یہ بات سامنے آئی کہ قرآن میں تو حضرات صحابہؓ کی تعریفیں آئی ہیں اور ان کے بارے میں رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ فرمایا گیا ہے، تو یہ عقیدہ بنا لیا گیا کہ قرآن کریم میں تحریف کی گئی ہے۔ حد یہ کہ اللہ تعالیٰ کو بدا ہو گیا تھا (العیاذ اللہ) شیعوں کے یہ عقائد تو عام طور سے مسلمان نہیں جانتے تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ نے تحفۂ اثنا عشریہ میں شیعیت کا تعارف کرایا اور ان کے فرقوں اور عقائد کی نشاندہی کی۔ ان کے بعد حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے شیعیت کا تعارف کرانے اور ان کے عقائد واشگاف کرنے اور امت مسلمہ کو ان سے واقف کرانے کا بیڑا اٹھایا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے، خوب کام کیا اور بڑا کام کیا۔ پس جب ایرانی انقلاب سامنے آیا جو سراسر شیعی انقلاب تھا تو جہاں شیعیت کا صحیح تعارف کرانے میں بہت سے علمائے پاکستان نے حصہ لیا، حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے ہندوستان میں اس کا بیڑا اٹھایا اور ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت کے نام سے اپنی مشہور کتاب لکھی۔ اس کتاب میں شیعیت کی اصل تصویر کھینچ دی اور خمینی کے معتقدات کا اس کی اپنی تصانیف کے آئینہ میں

تعارف کرادیا۔شیعوں کو ناگوار تو بہت ہوا لیکن اہل حق ہمیشہ ظاہر کرتے رہے ہیں۔حضرت مئولف نے کسی کی ناگواری کی کچھ پرواہ نہ کی اورالحمدللہ کتاب بارہا چھپتی رہی اوران شاءاللہ چھپتی رہےگی اور دنیا بھر میں اس کے تراجم ہوئے۔''(11)

۸۔مولانا نور عالم خلیل امینی کی رائے۔

مولانا نور عالم امینی، مولانا نعمانیؒ کی شخصیت اوران کی دینی خدمات کے بارے میں خوبصورت تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''شخصیت کے تشکیلی عناصر۔

سیر وسوانح کا طالب علم یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ جامع صفات وکمالات عالم اور دین کے مختلف میدانوں میں سرگرم کارداعی ومفکر آسانی سے اور چندروز میں پیدانہیں ہو جاتا۔ اس کی تشکیل وتعمیر میں مختلف عناصر باہم گھل مل کر اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔وقت کا عنصر،محنت،توفیق الہیٰ،خاندان،ماحول،تعلیم گاہ،اساتذہ کی دعا ہائے نیم شبی،والدین کی آہ سحر گاہی،سیاسی واجتماعی صورت حال،سازگاراور معتدل یا سخت فضا اور امید افزا یا جگر خراش حالات،علماء وصلحاء کی صحبت،علوم جو اس نے حاصل کئے،وہ پٹڑی جس پر اس کی زندگی کی گاڑی متحرک رہی،وہ اہم اسٹیشن جو اس کی زندگی کو کراس کرتے رہے،وہ غم والم یا خواب وآرزو جو اس کے فکرونظر کے آشیانے میں جنم لیتے رہے،وہ رفقاء جوراہ عمل اور سفرحیات میں اس کے ساتھ رہے،وہ بڑے اور ذہین لوگ جن سے اس کو شعوری ولاشعوری استفادے کا موقع ملا،وہ مصائب جنہوں نے اس کی مخفی صلاحیتوں کے سوتے جگا دیئے اور وہ مطلوبہ معیار پر سرگرم عمل ہوگئیں،اس کے ملک میں اٹھنے والے سیاسی طوفان اوراس کے وطن کی مذہبی وگروہی کش مکشیں ، یہ سب کچھ مل جل کر کسی شخصیت کو تراشتے ہیں۔قدرتاً مولانا نعمانیؒ کی تعمیر میں بھی ان سارے عناصر نے اپنا کردار ادا کیا تھا۔وہ ایک نسبتاً خوش حال گھرانے میں پیدا ہوئے۔ان کے گھر کا ماحول مائل بہ بدعت ہونے کے باوجود دینی تھا۔ان کے والد اپنے خاص عقیدے کے ساتھ بھی صالح اور عبادت گزار تھے،کثرت عبادت کی وجہ سے ہی صوفی ان کے نام کا سابقہ بنا ہوا تھا اور وہ صوفی احمد حسین کے نام سے معروف تھے..........انہوں نے اسلام و جاہلیت کے مابین جاری معرکوں کی نئی سمتوں ،نئی حسیت اور نئے رویوں کا بغور مشاہدہ کیا،مغربی تہذیب کی شیشہ سازی،مکر بازی اور سحر

کاری دیکھی اور دوسری طرف نسل نو کی اسلامی تہذیب کے حوالے سے ''بیزاری'' کی حد تک پہنچی ہوئی ''بے اعتمادی'' دیکھی۔ انگریزی سامراج کے ہاتھوں ہندو مسلم دشمنی کے کاشت کردہ بیج کو تناور درخت بن کر برگ و بار لاتے ہوئے دیکھا۔ سیاسی تحریکات کی ہمہ ہمی، ملک کی آزادی اور پھر اس کی تقسیم، اور تقسیم کے دوران، اور اس کے بعد کے دل فگار فسادات دیکھے۔ خون مسلم کی ارزانی دیکھی، خواتین مسلم کی بے آبروئی دیکھی، میراث حقیقی کی پامالی دیکھی، نبوت محمدی پر قادیانیت کی ناکام یلغار دیکھی اور عقیدہ صحیحہ پر بدعتوں اور خرافات کی شبخوں بازی دیکھی۔ عقل نو کا مطالعہ کیا تو پایا کہ اس کو اسلامی تعلیمات کے سلسلے میں آسودگی اور یکسوئی نہیں۔ دوسری طرف یہ دیکھا کہ اس ملک میں سیکولرازم کے پردے میں اسلام پر، اس کی تعلیمات وعقائد پر، تہذیب اسلام پر، اور اسلامی شناخت پر، منظم، بھرپور اور پیہم حملے کی منصوبہ بند تیاری ہے۔ سیکولرازم جس کو اکثریت کا بڑا حصہ یکسر مسترد کر چکا ہے اور ایک چھوٹا سا طبقہ اس کو ''ہندو ازم'' کے معنی میں لینے اور ہندو مذہب کی ساری دیو مالائی تہذیب وثقافت وتعلیمات کو ملک کے تمام باشندوں پر تھوپ دینے کو ہی اصل سیکولرازم کہتا ہے۔ جس کو کبھی وہ قومی دھارا کا نام دیتا ہے رہتا ہے.......... انہوں نے یہ سب کچھ صلاحیت و ذہانت کی نگاہ سے دیکھا، قلب حساس سے مشاہدہ کیا، غیرت مومن سے مطالعہ کیا، ایمان و یقین سے تجزیہ کیا اور اپنی خداداد صلاحیتوں اور حاصل کردہ لیاقتوں سے دین وملت کی بہتری کے لئے زندگی بھر سرگرم عمل رہنے کے لئے کمر کس لی۔ انہوں نے جو کچھ کیا وہ خدا کی توفیق اور اس کے نتیجے میں حسن انتخاب وعمل کی بہترین مثال ہے۔ وہ صحیح معنی میں وقت کے مطلوبہ ''اسلامی سپاہی'' تھے۔'' (12)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی مختلف باطل فتنوں کے خلاف مسلسل جدوجہد پہ روشنی ڈالتے ہوئے ان کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں اور لکھتے ہیں۔

''انہوں نے داخلی اور خارجی دونوں طرح کے فتنوں کا خوب خوب مقابلہ کیا، خارجی فتنوں میں آریہ سماج کی شدھی سنگھٹن تحریک کا فتنہ پیش پیش تھا اور داخلی فتنوں میں قادیانیت تو تھی ہی جس کے مبلغ ومناظر فرنگی شیشہ گروں سے ''نفس'' مانگ کر لاتے اور وارثان میراث خلیل ومحمد ﷺ سے ان کا سرمایہ دین وایمان چھین لینے کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ دوسری طرف بریلوی شرک و بدعت نے اس وقت کے خاص

حالات میں سر اٹھا رکھا تھا۔ مولانا نے ان سارے فتنوں کا زبان وقلم دونوں سے مقابلہ کیا۔ بریلویوں سے بطور خاص متعدد مناظرے کئے۔ ہر مناظرے میں انہیں منہ کی کھانی پڑی یا مولانا کے مقابلے سے راہ فرار اختیار کرنے ہی میں انہیں عافیت نظر آئی۔ قادیانیوں اور آریہ سماجیوں کی بھی اچھی طرح خبر لی ان باطل فرقوں اور قبوریوں کا مولانا نے جس طرح مقابلہ کیا۔ حق یہ ہے کہ اس کی بنا پر علمائے دیوبند میں اس سلسلے میں وہ صف اول کے علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ بدعت کے سلسلے میں مولانا کا نام شاید مولانا گنگوہی (متوفی ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) اور مولانا تھانوی (متوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) کے بعد علمائے دیوبند میں سب سے زیادہ روشن ہے۔'' (13)

ماہنامہ معارف نے آپ کی تصنیف معارف الحدیث پہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''مولانا منظور نعمانیؒ نے عقیدہ وکلام اور فقہ وتصوف کے موضوعات پر کثرت سے تحریریں سپرد قلم کیں۔ لیکن علم حدیث میں ان کی معارف الحدیث کو خاص مقام حاصل ہے۔ اس سلسلے کی سات جلدوں میں انہوں نے کتاب الایمان سے کتاب المعاشرۃ تک مستند احادیث کے انتخاب، تشریح اور توضیح کی نہایت مفید علمی ودینی خدمت انجام دی۔ زیر نظر کتاب اس سلسلے کی آٹھویں اور آخری جلد ہے، جو ان کے انتقال کے چار سال بعد شائع ہوئی ہے۔ اس میں کتاب العلم، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، کتاب الفتن اور کتاب الفضائل کی احادیث شامل ہیں۔ مباحث کو سہل وسادہ اور منطقی اسلوب میں پیش کرنے کا مولانا کو خاص ملکہ تھا۔ اس مجموعہ کی بھی سب سے نمایاں خوبی یہی ہے۔ خاص طور پہ نبی کریم ﷺ کے مرض وفات، نزول حضرت عیسیٰ، ظہور مہدی، فضائل خلفائے راشدینؓ اور کتاب الفتن کی احادیث شریفہ میں ان کا انداز بیان بڑا مئوثر ہے۔ اہل قرآن، منکرین سنت، اہل تشیع کے رد میں ان کی طبعی مناظرانہ صلاحیت بھی جا بجا نظر آتی ہے۔ لیکن اصل روح یعنی حضور اکرم ﷺ سے ایمانی تعلق اور حصول ہدایت پوری کتاب میں جاری وساری ہے۔ مولانا مرحوم کی علالت اور پھر انتقال کی وجہ سے چند ابواب تشنہ رہ گئے تھے۔ ان کی تکمیل ان کے خویش مولانا زکریا سنبھلی نے بخوبی کر دی۔ مولانا مرحوم کے صاحبزادے مولانا عتیق الرحمٰن نے مقدمہ میں اس خوبی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ تشریح وتفہیم بنیادی طور پر فکر ولی اللہی کی روشنی میں کی گئی ہے۔'' (14)

خلاصۂ کلام

مندرجہ بالا علمائے کرام کی آراء سے یہ خلاصہ سامنے آیا کہ مولانا محمد منظور نعمانیؒ ایک ہمہ جہت شخصیت تھی۔ جس کا دل اور دماغ جذبۂ دینی سے بھرے ہوئے تھے۔ شروع دن سے انہوں نے اپنی زندگی اسلام کے لئے وقف رکھی تھی اور ساری زندگی اسی جدو جہد کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ درس وتدریس، تحریر وتقریر، انفرادی زندگی کے معاملات ہوں یا اجتماعی زندگی کے معاملات، ہر سطح پہ ان کی زندگی دین کی خدمت کے لئے وقف نظر آتی ہے۔ اُن کی تحریر اُن کی تقریر سے بڑھ کر تھی اور تقریر تحریر سے بڑھ کر۔ انہوں نے بولا تو خوب بولا اور انہوں نے لکھا تو خوب لکھا۔ ملکی مسائل ہوں یا معاشرتی مسائل، دینی مسائل ہوں یا سماجی حالات، علمی وفنی گفتگو ہو یا فقہی مسائل، ہر طرح سے ان کی علمی صلاحیتیں قابل مثال تھیں۔ مولانا موصوف کی صلاحیتوں سے اسلامی تعلیمات کے فروغ میں مدد ملی ہے اور ان کی تصانیف نے عام لوگوں کو دینی علوم کو سمجھنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان کے رسالے نے اہل علم طبقہ کو فن اور علم کی گھتیوں کو سلجھانے اور امت مسلمہ کے حالات کو بدلنے کا شعور دیا۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی ان ہی صلاحیتوں اور ان کی قابلیت کی وجہ سے ملک اور بیرون ملک پذیرائی ملی اور عام اور خواص ان کو اچھے الفاظ سے یاد کرتے ہیں نیز ان کی، کی ہوئی کاوشیں ان کے لئے تا قیامت صدقہ جاریہ کی صورت میں اجر وثواب کا باعث بنتی رہیں گی۔

﴿-----☆-----﴾

﴿حوالہ جات: باب ششم﴾

1۔ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، اشاعت خاص (بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)، اپریل ۱۹۹۸ء تا اگست ۱۹۹۸ء، ص ۹۹

2۔ ایضاً، ص ۹۹ تا ۱۰۱

3۔ ایضاً، ص ۹۹ تا ۱۰۱

4۔ ایضاً، ص ۴۰ تا ۴۱

5۔ ایضاً، ص ۴۶

6۔ ایضاً، ۷۸ تا ۷۹

7۔ ایضاً، ص ۸۴

8۔ ایضاً، ص ۸۴ تا ۸۵

9۔ ایضاً، ص ۱۴۲ تا ۱۴۳

10۔ ایضاً، ص ۲۹۹ تا ۳۰۴

11۔ ایضاً، ص ۱۲۴ تا ۱۲۶

12۔ ایضاً، ص ۱۴۹

13۔ ایضاً، ص ۱۴۹

14۔ معارف، اعظم گڑھ، مارچ ۲۰۰۲ء، جلد ۱۶۹، ص ۲۳۶ تا ۲۳۷

﴿-----☆-----﴾

اختتامیہ

گذشتہ چھ ابواب میں مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی ''علمی ودینی خدمات'' کا تحقیقی جائزہ لیا گیا، جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا آبائی وطن سنبھل تھا۔ آپ کی تاریخ پیدائش میونسپل بورڈ کے کاغذات کے مطابق 18 جنوری 1906 (مطابق ۲۲ ذی قعدہ ۱۳۲۳ھ) بعض جگہ ان کی اپنی تحریر کے مطابق پیدائش کا مہینہ شوال ۱۳۲۳ھ ہے۔ (جس کی مطابقت جنوری ۱۹۰۶ء کے بجائے دسمبر ۱۹۰۵ء سے ہوتی ہے) سنبھل کے بارے میں تو تاریخی طور پر ثابت ہے کہ ہندوستان میں ترکان احرار کی ابتدائی آمد ہوئی تو ان کی ایک بڑی تعداد نے سنبھل اور اس کے قرب وجوار کو وطن بنالیا۔ مولانا نعمانیؒ کا گھرانہ، بلکہ سنبھل کا وہ پورا محلّہ دیپا سرائے (جس میں یہ گھرانہ آباد ہے) انہی ترکان احرار کی یادگار ہے۔ آپ کے والد ماجد دین اور دنیا ہر لحاظ سے نہایت خوش قسمت لوگوں میں سے تھے۔ صلاح وتقویٰ اور تعلق باللہ کی دولت سے مالا مال ہونے کی بنا پر ''صوفی'' نام کا جزء بن گیا تھا۔ یعنی صوفی احمد حسین یا صوفی جی کہلاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیاوی رفاہیت کے ساتھ عزت ووجاہت بھی، باوجود بالکل سادہ، صوفیانہ ودرویشانہ رہن سہن کے، اتنی عطا فرمائی تھی کہ کوئی بڑے سے بڑا آدمی جوان کے محلے میں قدم رکھتا، لازم تھا کہ ان کے دروازے پر تھوڑی دیر ضرور بیٹھے۔ اولاد کے معاملے میں بھی اللہ نے انہیں بہت خوش قسمت کیا تھا۔ مجموعی طور پر ان کے چھ بیٹے اور تین بیٹیاں ہوئیں۔ مولانا نعمانیؒ ان میں سے چوتھے نمبر پہ تھے۔ آپ کے اوپر دو بھائی شیخ غلام امام صاحب اور مولوی محمد حسن صاحب اور ایک بہن تھی۔ ان کی پہلی بیوی کے انتقال کے بعد صوفی احمد حسین صاحب نے عقد ثانی فرمایا تو ان دوسری اہلیہ کے بطن سے سب سے پہلے آپ کو وجود ملا۔ آپ کے بعد تین بھائی اور دو بہنیں علی الترتیب یوں تھے۔ حاجی محمود حسین صاحب، حلیمہ بی بی، مولوی حکیم محمد احسن صاحب، ساجدہ خاتون اور محمد عارف تھے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے والد نے ان کو دینی تعلیم دلانے کا فیصلہ کیا۔ وہ مخلص اور نیک نیت، عملی زندگی میں بڑے پکے دیندار، شریعت کے نہایت پابند تھے۔ دنیا کا کام بھی خوب کرتے تھے اور اس میں بہت کامیاب تھے، لیکن دین اور آخرت کی فکر دنیا کی فکر پر غالب تھی اسی لئے وہ اپنی اولاد کو صرف دینی تعلیم دلانا چاہتے تھے اور پوری وسعت اور استطاعت کے باوجود اپنے کسی بچہ کو خالص دنیاوی تعلیم یعنی انگریزی تعلیم دلانے کے بالکل روادار نہیں تھے۔ اسی واسطے انہوں نے مولانا نعمانیؒ کو ناظرہ قرآن شریف اور تھوڑی سی اردو تعلیم کے بعد فارسی اور پھر عربی پر لگا دیا۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی ابتدائی تعلیم مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی کی شاگردی میں پوری ہوئی۔ انہوں نے

مولانا کو میزان و منشعب ، پنج گنج اور نحو میر ختم کرادی۔ آدھے سال میں انہوں نے علم الصیغہ اور ہدایۃ النحو تک پہنچا دیا۔ اس کے بعد چار سال میں تمام متوسطات پوری کر لیں۔ سب سے زیادہ کتابیں منطق و فلسفہ کی پڑ ما اور اپنے ساتھیوں میں ایک ممتاز طالب علم کے طور پہ ابھرے۔ ایک سال سے کچھ ہی زیادہ مدت میں صرف میں فصول اکبری اور نحو میں کافیہ اور منطق میں مرقات تک کی کتابیں پڑھ لینے کے بعد سنبھل کے مشہور درسی عالم حضرت مولانا کریم بخش صاحب (۱۳۶۱ھ) کی نگرانی اور خدمت میں دے کر مئو (ضلع اعظم گڑھ) بھیج دیا گیا۔ جہاں کے ایک مدرسہ میں مولانا موصوف صدر مدرس تھے۔ تین سال اس مدرسہ میں زیر تعلیم رہے۔ درسی متوسطات قریب قریب پوری ہو گئیں۔ میر زاہد رسالہ مع حواشی غلام یحیٰی، شرح ہدایۃ الحکمۃ للمیبذی، حسامی، شرح عقائد نسفی، دیوان متنبی تک کی درسی کتابیں ان تین سالوں میں اسی مدرسہ میں پڑ ما۔

مولانا کریم بخش صاحب مرحوم وطن عزیز سنبھل ہی کے ایک مدرسے میں صدر مدرس ہو کر وہیں رہ گئے۔ مولانا نعمانیؒ بھی اس سال وہیں رہے اور سال میں صرف معقول کی بقیہ درسی (اور بعض غیر درسی بھی) کتابیں پڑ ما یعنی حمد اللہ، قاضی مبارک، بحر العلوم، شرح سلم، میر زاہد، ملا جلال، اس کا حاشیہ بحر العلوم، صدرہ، شمس بازغہ، خیالی، میر زاہد امور عامہ، توضیح تلویح، اس کے علاوہ دینیات میں اس سال جلالین کے صرف ابتدائی چند پارے بھی پڑھے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ ۲۳ شوال ۱۳۴۳ھ کو دار العلوم دیو بند میں حاضر ہوئے (جب کہ ان کی عمر ۱۹ سال تھی) ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مدرسہ الشرع سنبھل سے معقولات کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے دیو بند پہنچے تھے۔ امتحان داخلہ دینے کے لئے جن کتابوں کے نام درج ہیں ان میں قاضی مبارک، امور عامہ، صدرہ، توضیح وغیرہ شامل ہیں۔ ممتحن نے ان کتابوں میں کامیابی کے نمبرات دے کر انہیں مشکوٰۃ شریف کی جماعت میں داخل کیا۔ پورے سال وہ انہماک کے ساتھ تعلیم حاصل کرتے رہے اور امتحان میں امتیازی نمبروں سے اوّل پوزیشن حاصل کی۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا دار العلوم میں طالب علمی کا دور دو سال ۱۳۴۳ھ تا ۱۳۴۵ھ تک رہا۔ یہ مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی صدارت تدریس کا آخری دور تھا۔ ان سے انہوں نے استفادہ کیا اور ان کے خاص شاگردوں میں شمار ہوئے۔ تعلیمی سال کے خاتمے پر جب معمول کے مطابق سالانہ امتحان ہوا تو مولانا نے امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔

جب مولانا محمد منظور نعمانیؒ شوال ۴۳ھ میں ایک طالب علم کی حیثیت سے دار العلوم دیو بند میں داخل ہوئے اس سال مشکوٰۃ اور ہدایہ اخیرین وغیرہ وہ کتابیں پڑ ما جن کا دورۂ حدیث سے پہلے پڑھنا ضروری تھا۔

مشکوٰۃ شریف مولانا سراج احمد رشیدیؒ سے پڑھی۔ مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ سے مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے

اجازت حدیث حاصل کی ۔دارالعلوم کے اس وقت کے اکابر واساتذہ میں ایک امتیازی فضیلت مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ کی یہ بھی تھی کہ ان کی سند سب سے عالی تھی۔ان کو صحاح ستہ وغیرہ کتب حدیث کی اجازت حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل تھی اور وہ حدیث میں براہ راست حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔اگرچہ مشہور یہ بھی ہے کہ حضرت گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور ان سے بھی اجازت تھی۔مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ کے علو سند کے اس امتیاز کی وجہ سے دورۂ حدیث کے بہت سے طلبہ ان سے حدیث کی خصوصی سند اور اجازت بھی لیتے تھے۔اس طرح مولانا نعمانیؒ کو بھی یہ سعادت حاصل ہوئی۔رجب ۱۳۴۵ھ میں جب دورۂ حدیث کی اکثر کتابیں ختم ہو چکی تھیں، تو مفتی صاحب سے اجازت وسند کی درخواست کی۔مفتی عزیز الرحمٰنؒ نے شیوخ حدیث کے طریقہ پر صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، موطا امام مالک، موطا امام محمد، اور امام طحاوی کی شرح معانی الآثار کے اوائل سنے اور ان سب کتابوں کی اور ان کے ساتھ حصن حصین کی بھی اجازت مرحمت فرمائی۔

دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ میں ایک مولانا سید حسن دیوبندی مرحوم تھے۔بڑے صالح عالم دین تھے۔حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت اور اصلاح وتربیت کا تعلق تھا، سے بھی مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے پڑھا۔

اس زمانے میں جب مولانا محمد منظور نعمانیؒ دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے دارالعلوم کے جو طلباء اپنی اصلاح کے لئے کسی صاحب ارشاد شیخ سے تعلق قائم کرنا چاہتے تھے، وہ یا تو دیوبند ہی میں حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مجددی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق قائم کر لیتے تھے یا پھر حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تھانہ بھون جایا کرتے تھے۔بعض طلباء سہارنپور جاجا کر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے بھی بیعت ہوتے تھے۔لیکن دارالعلوم دیوبند میں جب مولانا کا آخری سال دورۂ حدیث کا تھا، اس سال کے شروع ہی میں حضرت سہارنپوری مدینہ طیبہ ہجرت فرما گئے تھے اور کچھ ہی عرصہ کے بعد وہیں وصال ہو گیا۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ طالب علمی کے زمانہ میں خاص کر دارالعلوم کی طالب علمی کے دو سالوں میں صرف طالب علم تھے اور اول وآخر دلچسپی بس درس ومطالعہ سے تھی۔جب سال کا اختتام قریب آیا جس کے بعد دارالعلوم میں قیام کا خاتمہ تھا تو بیعت کے حوالے سے سوچا۔لہذا انہوں نے محسوس کیا کہ زندہ اکابر میں سب سے زیادہ عقیدت و محبت مولانا انور شاہ کشمیریؒ سے ہے۔اس لئے ان سے ہی بیعت کی درخواست کرنی چاہئے ۔مولانا نعمانیؒ نے درخواست پیش کی لیکن مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے دوسرے اکابر کی طرف رجوع کرنے کے لئے کہہ دیا۔البتہ اصرار کے بعد بیعت کرلیا اور پھر ان کا جلد ہی وصال ہو گیا۔

غیر رسمی استفادہ کے حوالے سے مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے جن شخصیات سے استفادہ کیا ان میں ایک مولانا

حسین علی صاحب تھے جو فہم قرآن کے حوالے سے منفرد طریقہ کے حامل تھے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ جب دارالعلوم میں زیر تعلیم تھے ان دو سالوں میں، مولانا حسین احمد مدنیؒ کا مستقل قیام سلہٹ میں رہتا تھا، لیکن دیوبند بار بار تشریف لانا ہوتا تھا۔ چنانچہ ہر دفعہ طلبہ اور مدرسین کے اصرار سے آپ نے تقریر بھی فرمائی۔ اس زمانہ کی آپ کی تقریریں معلومات سے معمور ہوتی تھیں۔ خاص طور سے طلباء ان سے بہت فائدہ اٹھاتے تھے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی زندگی سخت جدوجہد، جفاکشی اور مشقتوں سے پڑتھی۔ آواز اس قدر زوردار تھی کہ جب لاؤڈ اسپیکر عام نہیں ہوئے تھے، دس دس ہزار کے مجمع تک ان کی آواز آسانی سے پہنچ جاتی تھی۔ پھر معذوریاں آئیں تو وہ جسمانی حد تک محدود رہیں۔ دل و دماغ آخر تک جوان رہے۔ یاداشت بلا کی تھی۔ برسوں پہلے کہی باتیں انہیں الفاظ میں سنادیا کرتے تھے جن الفاظ میں خود کہی یا سنی تھیں۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے اپنے تمام اعمال وافعال کو عبادت بنادیا تھا۔ ان کے یہاں نہ تو اوراد و وظائف کی کثرت ملتی ہے نہ نوافل کی۔ ان کے معمولات میں کوئی ایسا عمل نظر نہیں آتا جو عام آدمی کے لئے مشکل یا دشوار ہو۔ انہوں نے اپنے عمل سے دین کے ''یسر'' ہونے کو ثابت کر دکھایا۔ جب تک صحت رہی گھر کا سودا سلف لانے میں کبھی نہ ہچکچائے۔ اپنی ڈاک خود نمٹاتے اور زکوٰۃ وذاتی رقوم کے ایک ایک پیسے کا حساب خود رکھتے۔ وقت کی قدر ان کے یہاں جیسی تھی وہ بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ ایک منٹ بھی ضائع کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ بلا وجہ لوگوں سے ملاقات انہیں پسند نہ تھی۔ کسی دینی فائدے کے لئے لوگ بیٹھیں تو بہت مبارک ورنہ کسی کا بیٹھنا انہیں اچھا نہ لگتا۔ اسی وجہ سے ان کے پاس حواریوں کا جمگھٹ بھی نہ لگ سکا۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی طبیعت میں احتیاط اور احساس ذمہ داری ہر معاملہ میں تھا۔ خطوط لکھاتے تو الفاظ انتہائی نپے تلے ہوتے۔ اگر کاتب سننے میں غلطی کے باعث یا اپنی فہم کے مطابق جانے انجانے میں الفاظ کی ترتیب میں ردوبدل کر دیتا تو جب دستخط کرنے کے لئے خط پر نظر ڈالتے تو وہاں آکر فوراً رک جاتے اور اس کی اصلاح کراتے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کو جرات کے وصف سے بھی اللہ تعالیٰ نے پوری طرح آراستہ کیا تھا۔ کیسے بھی حالات ہوں ان کو کبھی خوف زدہ یا پریشان نہیں دیکھا۔ ۴۷ء کے سخت مسلم مخالف حالات اور فرقہ وارانہ فضا میں انہوں نے جرأت کے نمونے پیش کئے۔ اپنی کتاب ''انسانیت زندہ ہے'' میں انہوں نے چار اہم واقعات نقل کئے ہیں، وہ پڑھنے کے لائق ہیں۔ فتنوں کے رد کے سلسلے میں مخالفین نے بار ہا انہیں جان سے مارنے کی دھمکیاں دیں لیکن وہ ان سے خوف زدہ نہیں ہوئے۔ مناظروں کے دور میں اس طرح کی دھمکیوں کے جواب میں انہوں نے لکھا۔

''او صداقت کے دشمن! محمد منظور نعمانیؒ فانی ہے اس کو فنا کیا جا سکتا ہے مگر خدا کا مقدس

دین غیر فانی ہے اس کی خدمت بھی غیر فانی ہے اس کو کوئی نہیں مٹا سکتا۔ تاریخ عالم شاہد ہے کہ جس نے اس کو مٹانے کا ارادہ کیا تو خود صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔ اگر بالفرض مجھے اس سلسلے میں موت آئی تو موت ہی میرے کام کے بقا و دوام کی ضامن ہوگی۔''

مولانا محمد منظور نعمانیؒ فرض نمازیں ہمیشہ باجماعت ہی پڑھتے تھے اور جماعت کو نماز کی پابندی کا بہترین نسخہ بتاتے تھے۔ فرماتے تھے کہ جو جماعت کی پابندی کرنا چاہتا ہے وہ تکبیر تحریمہ میں پہنچنے کی عادت ڈالے۔ ممکن ہے کبھی تکبیر تحریمہ چھوٹ جائے لیکن ان شاء اللہ جماعت اسے ضرور ملے گی اور جو نماز کی پابندی کرنا چاہتا ہے وہ جماعت کی پابندی کا خیال کرے۔ اس طرح ہوسکتا ہے کہ کسی وقت اس کی جماعت چھوٹ جائے لیکن ان شاء اللہ اس کی نماز نہیں چھوٹے گی۔ ان کا ذاتی عمل یہ تھا کہ جب معذوری کی وجہ سے مسجد جانے کے قابل نہ رہے تو بھی اپنی امکانی کوشش سے ہر نماز جماعت سے ہی ادا کی۔ جماعت کی خاطر نماز کو مؤخر یا مقدم بھی فرما دیتے اور کبھی جمع بین الصلاتین بھی کرتے۔ گھر میں کوئی بڑا نہ ہوتا تو گھر کے کسی بچے ہی کو شریک کر لیتے لیکن باجماعت ہی ادا کرتے۔ جب امامت فرماتے تھے تو مقتدیوں کا بے حد خیال کرتے تھے اور اکثر مختصر ہی نماز پڑھاتے تھے۔

ان کی اکثر نفل نمازیں بہت طویل ہوتیں تھیں۔ کسی بھی آیت یا دعائیہ کلمہ کو بار بار پڑھتے۔ ایسا لگتا تھا کہ جب تک دل کی کوئی خاص کیفیت نہ ہو جائے وہ اس سے آگے بڑھنا ہی نہیں چاہتے ہوں۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ زکوٰۃ کا پورا حساب رکھتے تھے۔ اپنی پیشگی زکوٰۃ ادا کرتے تھے اور ماہ مبارک آنے پر ایک ایک پیسے کا حساب لگا کر حساب بیباق کر دیتے۔ بہت سے عقیدت مند حضرات ان کے ذریعے اپنی زکوٰۃ کی ادائیگی کراتے تھے وہ اس کا مکمل حساب الگ رکھتے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ ذاتی زندگی میں دعا سے خاص لگاؤ رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے ''معارف الحدیث'' کی جلدوں میں جلد پنجم (جو کتاب الاذکار و الدعوات پر مشتمل ہے) سے انہیں زیادہ تعلق نظر آتا ہے۔ عام طور سے معارف کی اس جلد اور اپنی کتاب ''نماز کی حقیقت'' پڑھنے کے لئے بار بار توجہ دلاتے۔ ہر مشکل مسئلے اور پریشانی کا حل ان کے یہاں دعا اور نماز تھی۔ بیماریوں یا کسی بھی قسم کی تکالیف کے لئے ہمیشہ کوئی دعا پڑھنے کے لئے بتاتے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ معاشرت و معاملات میں اللہ کے احکام اور شریعت رسول کی کامل تابعداری کرتے تھے، بلکہ اس کے تحت آنے والے زندگی کے ہر پہلو کو انہوں نے احکام شریعت کے مطابق ڈھال لیا تھا۔ اہل قرابت، ہمسایہ، کمزور و حاجت مندوں کا انہیں بے حد خیال تھا۔ مدد کا بھی ان کا عجیب طریقہ تھا۔ وہ انتہائی خاموشی سے تو ہوتی ہی لیکن اس کی بھی کوشش کی جاتی کہ جس کی مدد کی جارہی ہے وہ اس کا عادی نہ ہو جائے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ اولاد کے بارے میں کافی سخت تھے۔ غالباً ان کی تربیت کے لئے سختی کو ضروری سمجھتے تھے۔ چاہتے تھے کہ اولاد زندگی کے ہر شعبے میں آداب اور شریعت کی پوری پابندی کرے اور وہ ظاہری طور پر بھی

شریعت کے پورے پابند نظر آئیں۔ اس لئے ان کے شرعی لباس کا بھی خیال رکھتے تھے اور اس میں کافی سختی بھی کیا کرتے تھے۔ ہمیشہ، پاجامہ پہناتے۔ پاجامہ ٹخنے سے نیچے کبھی نہیں ہوتا تھا۔ انہیں بچوں کا دوستوں میں بیٹھنا، کھیل کود میں وقت صرف کرنا بہت ناپسند تھا۔ خاص طور پر ترک نماز تو بالکل ہی برداشت نہیں کرتے تھے۔ بچوں کی غلطیوں پر وہ غصہ ہوتے اور غصہ میں ان کی اچھی مرمت بھی کر دیتے تھے۔ بالکل غصے کے بعد ان کا عمل واقعی بیان کرنے کے قابل ہے۔ جب بھی زیادہ غصہ آتا تو اس کے فوراً بعد رہائشی مکان سے متصل مسجد چلے جاتے اور وضو فرماتے۔ اکثر وضو کے بعد نفل پڑھتے اور دعا و استغفار کرتے۔

معاشرتی زندگی میں اسراف اور فضول رسم و رواج کے مولانا نعمانیؒ سخت خلاف تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے بیٹیوں کی شادیاں بہت سادہ انداز میں کیں۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ اپنے گھر کے کام خود کرنے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے۔ اپنے گھر کے ہر طرح کے کام کے لئے وہ بازار جاسکتے تھے۔ گوشت لانا ہو، سبزی ترکاری لانا ہو، کپڑا خریدنا ہو۔ غرض جو بھی گھر کی ضرورت ہو وہ بے تکلف اسے انجام دیتے تھے الا یہ کہ کوئی اور اسے انجام دینے کے لئے موجود ہو۔ اس مزاج نے انہیں عمر کے اس آخری دور کے سوا جس میں معذورانہ مجبوری کی صورت پیدا ہوگئی تھی خدام سے ہمیشہ بے نیاز رکھا۔

ہر بڑے میں یہ صفت بھی پائی جاتی ہے کہ وہ چھوٹوں کو نوازتے اور ان کی قدر و حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ مولانا نعمانیؒ موصوف میں یہ وصف بدرجہ اتم موجود تھی۔

> مولانا محمد منظور نعمانیؒ کو اللہ تعالیٰ نے قوت حافظہ اور ذکاوت و ذہانت کی دولت سے بھی نوازا تھا۔ مولانا نعمانیؒ نے کتابیں محنت سے پڑھا اور پڑھائیں۔ اپنے اساتذہ بالخصوص علامہ کشمیری کے تلمذ و تعلق نے ان کے اندر علمی رسوخ و کمال پیدا کر دیا تھا جو آئندہ ترقی کرتا رہا۔ ان کی تاحدت سے یہ حقیقت بالکل عیاں ہے۔ الخصوص ان کی کتاب معارف الحدیث خاص طور سے کتاب الایمان میں مشکل مقامات کو جس طرح حل کر دیا ہے اور آسان بنا دیا ہے وہ طلبہ و علماء سب کے لئے یکساں قابل مطالعہ و استفادہ ہے۔
>
> مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی ساری زندگی کے رفیق حضرت مولانا علی میاںؒ نے ان کے علمی رسوخ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا: علمی رسوخ بہت اونچی چیز ہے اور ایک خاص امتیاز ہے۔ میں اللہ کے گھر میں بیٹھ کر شہادت دیتا ہوں کہ مولانا کو علم حدیث میں، تفسیر میں، علم کلام میں اور فرق محرفہ اور منحرفہ کے بارے میں جو وسیع معلومات تھیں ان سے جو غیر معمولی واقفیت تھی اور ان کی کمزوریوں اور ان سے پیدا ہونے والے خطرات کا

جتنا صحیح اندازہ ان کو تھا، وہ ہندوستان کے مشاہیر علماء کو بھی حاصل نہیں ۔''

مولانا محمد منظور نعمانیؒ زبردست مناظر تھے ۔ وہ فرق باطلہ اور فرق منحرفہ کی کتابوں سے بہت گہری واقفیت رکھتے تھے اور ان کی بہت سی عبارتوں تک کے حافظ تھے ۔ وہ اس طرح عبارت زبانی سناتے کہ جیسے دیکھ کر پڑھ رہے ہوں ۔ اس درجہ مولانا کا استحضار اور حافظہ قوی تھا کہ اس میں مولانا کا کوئی شریک نہیں ۔'

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی ہر مجلس بڑی علم آموز، معلومات افزا ہوتی تھی ۔ ان کی مجلس میں لا یعنی باتوں کا گذر نہیں تھا ۔ ان کا حافظہ غیر معمولی تھا ۔ بات سنتے ہی مسئلہ کی پوری وضاحت فرما دیتے ۔ پیری اور معذوری کے عالم میں بھی ان کا حافظہ جوان اور تازہ تھا ۔ ساٹھ ستر سال پرانے واقعات اس طرح تفصیل اور تیقن کے ساتھ سناتے تھے گویا یہ ابھی کل کے واقعات ہوں ۔ ماضی کے اوراق پلٹتے تو تاریخ کا دفتر کھل جاتا ۔ اپنے اساتذہ و اکابر کے علم و فضل ، اخلاص وللّٰہیت، تواضع و بے نفسی کے واقعات بہت مزے لے لے کر سناتے ۔ تحریک آزادی، تحریک خلافت، لیگ و کانگریس کی کشمکش، جمعیۃ العلماء اور خاکسار تحریک کے بارے میں بہت سی وہ معلومات دیتے جو مدوّن تاریخ کے اوراق میں اب تک محفوظ نہ ہوسکیں ۔ مولانا نعمانیؒ کے بیان کردہ واقعات وحقائق قلمبند کر لئے گئے ہوتے تو تاریخ و سوانح کا بڑا قیمتی اور نادر ذخیرہ ہوتا لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہوسکا اور بے شمار واقعات وحقائق مولانا کے سینے میں دفن ہو کر چلے گئے ۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے عمر کا خاصہ طویل حصہ جسمانی معذوریوں میں گذارا ۔ ۱۹۷۴ء میں جب وہ مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے تھے ۔ دیوبند میں رکشا سے گرنے کی وجہ سے ان کی کولہے کی ہڈی کھسک گئی ۔ اس کے بعد موصوف تقریباً صاحب فراش ہی رہے ۔ آخری چند سال تو اس طرح گذرے کہ اٹھنا بیٹھنا کروٹ لینا سب کچھ دوسروں کے ہاتھوں ہوا کرتا تھا ۔ شدید تکلیفوں سے دوچار رہے ۔ سماعت، بصارت، گویائی سب بری طرح متاثر ہوئیں لیکن یادداشت اور دماغ برابر کام کرتے رہے ۔ ان تکلیفوں اور معذوریوں میں مولانا نعمانیؒ کا صبر وشکر قابل رشک تھا ۔ کبھی حرف شکایت زبان پر لاتے نہیں سنا ۔ زبان ذکر سے تر رہتی تھی اور اللہ کے بے پایاں انعامات یاد کر کے سراپا سپاس رہتے تھے ۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ تواضع کا نمونہ تھے ۔ کسی جنازے کی نماز میں کوئی دوسرا صاحب علم موجود ہوتا تو خود پیچھے رہنے کی کوشش کرتے ۔ مگر دوستوں (اور یہ لفظ ان کے یہاں بڑا وسیع تھا) میں کسی کا انتقال ہو جاتا تو نہلانے کے لئے خود آگے بڑھتے اور قبر میں بھی اسے اپنے ہاتھوں سے سلانا چاہتے تھے ۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ خانقاہ رائے پور کے ساتھ تصوف کا تعلق رکھتے تھے ۔ اس سلسلے میں شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے وہ بیعت ہوئے ۔ اکابر دیوبند اور سلسلہ ولی اللہی کے مشائخ سے مولانا نعمانیؒ کو عقیدت تھی اور ان کے واقعات کو اکثر بیان کرتے تھے ۔ ایک مرتبہ دارالعلوم کے طلباء سے بات چیت کرتے ہوئے کہا ۔

''ہمارے اکابر کو بنسبت بعض دیگر ممالک کے علماء کے جو ممتاز کامیابی ملی اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ وہ علمی اعتبار سے ان سے بہتر تھے، بلکہ اس کا اصل سبب ان کی للّٰہیت، زہد وتقویٰ، ذوق عبادت، سادگی واخلاص اور مجاہدہ کا مزاج جیسی صفات تھیں۔ ہمارے مدارس صرف ایک دانش گاہ نہیں تھے بلکہ وہ دعوت واحیائے دین کی جدو جہد کے مراکز تھے اور یہاں کی زندگی کا عمومی نقشہ وہی تھا جو ایک ایسی اعلیٰ مقصد کی زندگی کا ہونا چاہئے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ حکمت ولی اللہی کو دین کی تفہیم وتشریح کا ایک کامیاب ترین انداز سمجھتے تھے۔ اکثر کہا کرتے تھے۔

> ''جتنا مطالعہ اور علم بڑھتا جاتا ہے عمومی طور پر حضرت شاہؒ صاحب کی حکمت کی گہرائی عیاں ہو جاتی ہے''۔ ان کی خواہش تھی کہ کم از کم حجۃ اللہ البالغہ مدارس میں پڑھائی جائے، فرماتے تھے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی زندگی کے حالات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کی زندگی کی سب سے نمایاں خصوصیت سراپا مقصدیت اور اس کے مطابق مشغولیت تھی۔ عمر کا کوئی لمحہ انہیں ضائع کرتے اور کسی ایسے کام میں صرف کرتے نہ پایا جس کے بارے میں خیال کیا جاسکے کہ وہ آخرت میں کام آنے والا نہ تھا۔ ہمہ تن کام ہی کے اس ذوق ومزاج نے انہیں اپنے وقت کے معاملہ میں بے حد حساس بنا دیا تھا۔ طبعاً وہ خشک نہ تھے، اس کو تمام قریبی تعلق والے جانتے ہیں۔ لیکن بے ضرورت ایک منٹ بھی کسی کو دینا انہیں اپنے وقت کا ضیاع معلوم ہوتا تھا۔ چنانچہ ان کے یہاں مجلس نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی عادت تھی کہ تبسم ان کے لبوں پر ہمیشہ سجا رہتا کہ ان کی فطرت بھی تھی اور بوجہ طلق کی تعمیل حکم نبوی بھی۔ کیا اساتذہ، کیا طلبہ اور کیا دیگر کارکنان۔ وہ ہر ایک سے خوش دل ملتے۔ خوش بیاں رہتے اور خوش فکر نظر آتے۔ ملاقات ہوتی تو سلام کا انتظار نہ کرتے خود پہل کر لیتے، اگر چہ وابستگان دامن نعمانیؒ اس کا موقعہ ان کو کم دیتے۔ سلام کے جواب میں پیار بھرے انداز میں اور محبت آمیز حرکات وسکنات سے حال واحوال پوچھتے، پھر سلسلہ کلام دراز کرتے۔ ہنس ہنس کر، پیار پیار میں اور سوجھ بوجھ سے سب کچھ کہہ جاتے۔ ان کے کتھن میں نصیحت بھی ہوتی، سرزنش بھی، افادہ علمی بھی ہوتا، فیض رسانی بھی۔ موقع ومحل کی بات بھی ہوتی اور حقیقت جاودانی بھی، محبت و شفقت کا اظہار بھی ہوتا اور تعلق و یگانگت بھی۔ ان کو ایسے مواقع پر بھی طنز وتعریض اور استہزاء وتمسخر سے ہمیشہ گریزاں پایا۔ وہ نہ شرمندہ کرتے اور نہ خود شرمسار ہوتے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ معاملات میں رائے قائم کرنے سے پہلے مختلف لوگوں سے تبادلہ خیال کرتے اور غور وفکر کے بعد جو رائے قائم کر لیتے اس کو صاف طور پر پیش کرتے تھے۔ کسی کی رعایت کی بنیاد پر چشم پوشی یا مداہنت ان کی عادت نہیں تھی۔

انہیں اپنی رائے پیش کرنے کا بڑا سلیقہ تھا۔ مجلس کے آداب اور تمام اراکین مجلس کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ اپنی رائے پیش کرتے تھے۔ بڑے محتاط الفاظ استعمال فرماتے تھے۔ لب ولہجہ سے تواضع اور انکسار جھلکتا تھا۔ بسا اوقات تأثر کی شدت میں آواز بھرا جاتی تھی۔ کبھی آنکھیں بھی نم ہو جاتی تھیں۔ اور اگر وہ کسی کے بارے میں یہ سمجھ لیتے تھے کہ وہ کسی وجہ سے ان کی بات پر سنجیدگی سے غور نہیں کر پائیں گے تو وہ ان سے تنہائی میں ملتے، اپنی رائے پیش کرتے دوسرے کے موقف کو سمجھنے کی کوشش کرتے اور عام طور پر یہ ہوتا کہ دوسرے کو اپنی رائے پر مطمئن کر لیتے یا دوسرے کی رائے قبول کر کے خود مطمئن ہو جاتے۔ اسی لئے دار العلوم کے معاملات میں ان کے اخلاص ودیانت، غیر جانبداری اور اصابت رائے کو دیکھتے ہوئے اراکین شوری کا بیشتر ان سے اتفاق رائے رہتا تھا۔

ان میں ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ اپنی رائے کو کبھی اپنی ذات کا مسئلہ نہیں بناتے تھے۔ اگر اپنی رائے کی کمزوری واضح ہو جاتی تو اس کو برملا واپس لے لیتے تھے اور اگر کمزوری بھی واضح نہ ہوتی تو مجلس کے ضابطہ کے مطابق کثرت رائے کا احترام کرتے۔ کبھی انہیں اپنی بات کی پچ کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

اصابت رائے میں ان کا خصوصی مقام تھا اور مجلس ان کی رائے کو بڑی اہمیت دیتی تھی۔ بارہا ایسا ہوا مجلس میں اختلاف رائے ہوا تو مسئلہ مولانا نعمانیؒ صاحب کے سپرد کر دیا گیا اور انہوں نے جو رائے پیش کی اسی کو فریقین نے قبول کر لیا۔

دوران تدریس مولانا منظور نعمانیؒ درج ذیل طریقہ کار مدنظر رکھتے۔

۱۔ کلاس میں پہنچنے کے بعد کچھ دیر سکوت فرماتے، استاذ سے درس کے کلام وبیان کے دوران ہی کسی مناسب وبرمحل موقع پر سلسلہ کلام اور زمام تدریس اپنے مشاق ہاتھوں میں لے لیتے۔

۲۔ باقاعدہ استاذ فن ومعلم کتاب طلباء کے ہم سبق وہم درس بن جاتے۔

۳۔ طلباء کو اس انداز سے سمجھاتے کہ وہ اپنے اندر آسانی سے فنی سوجھ بوجھ پیدا کر لیتے۔

۴۔ ان کا چہرہ دوران تدریس تصنع وبناوٹ سے عاری ہوتا تھا۔

۵۔ وقت کی ہمیشہ سختی سے پابندی کرتے۔

۶۔ مسند درس سنبھالتے، کسی ایک طالب علم کو متن کتاب پڑھنے کا حکم دیتے۔ متن کی تشریح وتعبیر کرتے۔ دوران تدریس کتاب بار بار عینک چہرے سے اتارتے اور لگاتے رہتے۔ اس دوران بالعموم داہنی آنکھ پرنم ہو جاتی اور کبھی کبھی آنسو کے موتی چہرہ مبارک پر ڈھلک جاتے۔ بسا اوقات رقت شدید ہو جاتی اور درجہ میں بالعموم ماتمی فضا سی چھا

جاتی۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا یہ طریقہ تدریس طلباء کو نہ صرف علمی سمجھ بوجھ عطا کرتا تھا بلکہ ان کے اخلاقیات کی تربیت میں بھی اہم کردار ادا کرتا۔ عام طور پہ طلباء ان کے درس سے دیگر اساتذہ کے مقابلے میں زیادہ محظوظ ہوتے اور زیادہ سیکھتے۔ اس کا اظہار ان کے مختلف تلامذہ نے بھی کیا ہے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی مناظرانہ جدوجہد کے حوالے سے میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس زمانے میں ہندوستان میں انگریز نے ''لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی'' کے تحت پورے ہندوستان کو فرقوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ قادیانیت تو خالصتاً تاج برطانیہ کی پیداوار تھی، لہذا انگریز کی کوشش یہ تھی کہ ہندوستانی قوم جو کہ صدیوں سے اخوت اور یکجہتی سے رہ رہی تھی، تمام مذاہب کے ماننے والے ایک دوسرے کے ساتھ شیر وشکر ہو کر رہ رہے تھے، ان کی اس یکجہتی کو ختم کیا جائے۔ لہذا انہوں نے تمام مذاہب کو ایک دوسرے سے لڑایا۔ ہندوؤں کو مسلمانوں کا مخالف بنایا اور مسلمانوں کو ہندوؤں کا۔ کیونکہ اس وقت ہندوستان میں یہ دو بڑے مذاہب کے ماننے والے تھے۔ اس طرح ہندو مسلم نفرت پیدا کی گئی اور اس کے ساتھ ساتھ مزید تقسیم کا عمل مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لئے کیا گیا۔ کیونکہ انگریز کو یہ خدشہ تھا کہ مسلمانوں نے ساڑھے آٹھ سو سال ہندوستان پہ حکومت کی ہے اور ان کے اندر یہ صلاحیت ہے کہ یہ دوبارہ بھی حکومت لے سکتے ہیں لہذا انہیں کسی طرح کمزور کیا جائے، تو اس نے مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی یہ تدبیر کی، کہ ان میں فرقے پیدا کیے۔ اس کے لئے علماء ومشائخ کو خریدا گیا۔ انہیں شیخ المشائخ، شمس العلماء کے خطابات دیئے گئے۔ ان کے وظیفے مقرر کئے گئے اور اس طرح باقاعدہ مکاتب فکر پیدا کئے گئے۔ جن کی بنیادی فکر دوسرے مکتبہ کے ساتھ نفرت، تعصب اور اسے باطل قرار دینے پہ مشتمل تھی۔

دیوبند اور بریلی دو ایسے مراکز معرض وجود میں آگئے جن کی تاریخ مناظروں سے بھری ہوئی ہے۔ دوسری طرف مزید ایسے ادارے بنے جو مزید مخالفت در مخالفت کا باعث بنے اور ایسے فکری انتشار میں مبتلا ہوئے کہ مسلمان جماعت کا شیرازہ بکھر گیا۔ آزادی کی جدوجہد ہو یا تقسیم کے حالات، مسلمان علماء اور اہل سیاست کسی بات پہ متفق نہ ہو سکے۔ فرقے، جماعتیں، مسالک، ہر ایک نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنالی اور اپنے آپ کو عقل کل، جماعت حقہ اور باقی سب کو باطلہ اور فتنے سے تعبیر کر کے کیل کانٹے سے لیس ہو کر میدان مناظرہ اور تکفیر میں سرگرم ہو گئے۔

اور اپنے آپ کو مجاہد اسلام قرار دیا گیا اور اس ساری جدوجہد کو دو طرفہ جہاد افضل قرار دیا گیا لیکن شعوری و غیر شعوری طور پہ انگریز کے اس مکارانہ ایجنڈے کو پروان چڑھایا گیا۔ انگریز چلا گیا لیکن وہ نفرت آج نصف صدی کے بعد بھی ہمارے معاشروں میں موجود ہے۔ مسجدیں محفوظ نہیں، ایک فرقہ دوسرے کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں، لاکھوں انسان قتل ہو چکے ہیں، بغض، حسد، نفرت، تعصب مدارس میں سکھائے اور پڑھائے جاتے ہیں۔ مناظروں کی تربیت دی جاتی ہے اور اس طرح سے مختلف مکتبہ فکر سے نکلنے والے علماء معاشرے کو تقسیم در تقسیم

لڑی۔اور پھر یکا یک مولانا مودودی کے مضامین پڑھتے ہی، مناظروں کو چھوڑ دیا اور جماعت اسلامی میں آ گئے۔یا اس کی بنیاد رکھ دی، اور پھر کچھ عرصہ خوب محنت کر کے اور کئی بڑے اکابر کو اس سے متعارف کروانے کے بعد خود نکل گئے۔اور پھر الفرقان میں قلمی جہاد میں شامل ہو گئے۔مولانا نعمانیؒ کی یہ بتدریج تبدیلی ذہن وعمل ان کی شخصیت میں عدم اعتماد یا استقامت کی کمی کو ظاہر کرتے ہیں یا پھر شاید ان کی لحہ بہ لحہ تبدیل ہونے والی فطرت کا اظہار ہے۔آئندہ صفحات میں ان کی شخصیت کے دیگر پہلو بھی اس کی غمازی کریں گے کہ مولانا نے اب تبلیغی جماعت میں شمولیت اختیار کر لی، اور ساتھ ساتھ الفرقان میں کام کرتے رہے۔تبلیغی جماعت میں ان کی شمولیت ان کی شخصیت کی ایک اور جست ہے جو انہوں نے دین کی محبت اور اس کے لئے کام کرنے کے لئے لگائی۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی صحافتی خدمات میں سب سے اہم الفرقان کا اجراء ہے۔جب اس کا اجراء کیا تو اس وقت ان کے پاس سچے جذبے اور للّٰہیت کے سوا کوئی خاص سرمایہ نہ تھا۔وہ مسلسل اس کو شائع کرنے کی سکت نہیں رکھتے تھے، لیکن دینی جذبے نے انہیں مایوس نہیں ہونے دیا اور وہ مسلسل جدو جہد میں لگے رہے۔الفرقان کے اجراء کا اس وقت بنیادی مقصد یہ ٹھہرا تھا، کہ بریلویت کے خلاف اور ان کے مناظروں کی تفصیل عوام تک پہنچائی جائے اور اس طرح عقائد کی اصلاح کی کوششوں کو بھر پور کیا جائے۔اس وقت الفرقان کے مضامین کا دائرہ مخصوص فرقوں کے حوالے سے مبنی مضامین تک محدود تھا۔پھر رفتہ رفتہ مولانا کی سوچ وفکر میں تبدیلی رونما ہوتی رہی۔وہ دائرہ اجتماعیت کی طرف بڑھتا رہا۔اس طرح الفرقان میں امت مسلمہ کی اجتماعی فلاح و بہبود، معاشرتی ترقی، علمی مسائل، ہندوستان کی تاریخ اور اکابرین ملت کے افکار زیر بحث آنے لگے۔مولانا نے اپنے افکار کی وسعت کے ساتھ ساتھ الفرقان کی تحریروں کو بھی وسعت بخشی اور اس طرح الفرقان اہل علم وعوام میں مقبولیت حاصل کرتا گیا، مولانا کی فکر کا ترجمان یہ رسالہ نصف صدی تک معاشرتی خدمت میں لگا رہا، اور اس نے علمائے کرام کے دل جیت لئے۔الفرقان کے مضامین حوالہ کے طور پہ آج بھی محفوظ ہیں۔ان میں شائع شدہ مولانا کی تحریریں اور مقالے اہل علم کے لئے آج بھی رہنمائی رکھتے ہیں۔

مولانا کا قلم بڑا رواں، جہاں دیدہ، تصنع سے پاک، عام فہم اور سادہ ہوتا ہے۔قدرت نے انہیں مشکل ترین مضامین کو آسان زبان میں پیش کرنے کا بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا۔زبان ایسی میٹھی اور اپنائیت لئے ہوئے کہ ایک معمولی پڑھا لکھا لکھاتی بھی خوب محظوظ ہوتا ہے۔سجع اور قافیہ آرائی سے پیدا ہونے والی غرابت اور تعقید (گراوٹ) سے ان کی تحریر پاک تھی۔تالیف کے میدان میں رب کائنات نے آپ کو خصوصی قبولیت کا درجہ عطا فرمایا۔عام فہم زبان میں علمی مسائل کو امت کے سامنے اس انداز میں پیش کیا کہ بڑے بڑے شبہات دور ہو گئے۔اسلام کیا ہے؟ آپ کی وہ عظیم تالیف ہے جس نے اتنی مقبولیت حاصل کی کہ دنیا کی اکثر زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے۔اس کتاب کو خالی الذہن پڑھنے والا شخص اسلام کی حقانیت کی تصدیق کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کے دور میں

اس کتاب نے پوری دنیا کے سامنے اسلام کی اصل تصویر پیش کی۔

فن حدیث پر مولانا کی ایک درسی کتاب الفیۃ الحدیث بھی ہے جو دارالعلوم دیو بند کی مجلس شوریٰ اور وہاں کے سابق مہتمم حضرت قاری محمد طیبؒ صاحب کی فرمائش پر لکھی گئی تھی۔ جس میں ایک ہزار حدیثیں جمع کی گئی ہیں۔ اسی لئے اس کا نام الفیۃ الحدیث ہے۔ اس میں بھی احادیث کے انتخاب اور ان کی ترتیب سے فن حدیث میں مولانا کے غیر معمولی مقام اور مسلکی رواداری کے رویئے کا صاف اظہار ہوتا ہے۔ یہ کتاب دارالعلوم دیو بند اور اس کے نہج پر بہت سے مدارس میں شامل درس اور مشکوٰۃ المصابیح سے پہلے پڑھائی جاتی ہے۔

مولانا مرحوم کی ان تاحدت کا مقصود اصلی صرف ایک تھا کہ اسلام اور اس کے جاں نثار خادموں اور عظیم علمبرداروں کو ان کے صحیح رنگ وروپ میں پیش کیا جائے۔ انہوں نے قرآن وحدیث کو اپنی تمام تاحدت کی بنیاد بنایا کہ یہی دونوں اصل کسوٹی ہیں، جن پر کھرے کھوٹے کو پرکھا جاسکتا ہے اور جن سے معاندین ومخالفین بھی انکار کرنے کی جرات نہیں کر سکتے۔ دوسرے تمام مآخذ ومصادر کو مولانا مرحوم نے استعمال ضرور کیا ہے مگر ان کو معیار حق وباطل نہیں بنایا۔ وہ صرف معلومات، مشاہدات اور واقعات فراہم کرنے کے وسائل وذرائع ہیں۔ تصوف اور صوفیائے کرام پر ان کی تحریریں ان کے اسی طریقہ کار کو واضح کرتی ہیں۔ اسلامی تصوف ان کے نزدیک شریعت ودین اسلامی کی روح کے سوا اور کچھ نہیں۔ ان کی بعض تعبیرات وتشریحات سے اختلاف کیا جاسکتا ہے مگر روح احسانی کے وجود وکارفرمائی سے انکار ناممکن ہے۔ تصوف اور صوفیہ نئی اصطلاح اور مصلحین کا نیا طبقہ ہو سکتے ہیں مگر ان کی بنیاد واساس قرآن وحدیث پر تھی۔ مولانا نعمانیؒ تصوف کے غیر اسلامی تجاوزات پر نقد وتنقید کرنے سے بھی نہیں چوکتے، جو ایک قائل تصوف کے ایمانی واحسانی صلابت کی دلیل محکم ہے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے مختلف جرائد ورسائل میں بکھرے مضامین میں ان کی علمی قابلیت، عصری مسائل سے واقفیت اور دینی تعلیمات کے پرچار اور اصلاح معاشرہ کے حوالے سے ان کے جذبۂ صادقہ کا اظہار ہوتا ہے۔

مولانا مرحوم تالیف وتصنیف کے ذریعہ اسلام اور اس کی صحیح تعلیمات پیش کرنا چاہتے تھے اور ان کا مخاطب زیادہ تر کم تعلیم یافتہ یا جدید تعلیم یافتہ طبقہ تھا، جو دینی مبادیات سے بالعموم ناواقف ہوتا ہے یا معمولی شد بد رکھتا ہے۔ یہ تو ان کی تاحدت کا مثبت اور بنیادی پہلو تھا۔ اس مقصد سے انہوں نے مذکورہ بالا دونوں کتابوں کے علاوہ بہت سی چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں۔ ان میں ''نماز کی حقیقت''، ''کلمہ طیبہ کی حقیقت''، ''قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟، تصوف کیا ہے؟، حج کیسے کریں وغیرہ شامل ہیں۔ افادیت اور اثر انگیزی کے اعتبار سے ان تاحدت نعمانیؒ نے اپنے اصل مخاطبین کے روح وقلب کو گرمایا، خواص کو بھی بہت فائدہ پہنچایا۔ اتنی وضاحت، صراحت اور سلاست کے ساتھ قلم نعمانیؒ کے سوا اور کون رقم کرسکتا تھا؟

تاحدت نعمانیؒ کا دوسرا پہلو یہ رہا کہ مسلم اور غیر مسلم طبقات کے انحرافات اور ان کی اسلام دشمنی کو بھی اجاگر

لڑی۔اور پھر یکا یک مولانا مودودی کے مضامین پڑھتے ہی، مناظروں کو چھوڑ دیا اور جماعت اسلامی میں آ گئے۔یا اس کی بنیاد رکھ دی، اور پھر کچھ عرصہ خوب محنت کر کے اور کئی بڑے اکابر کو اس سے متعارف کروانے کے بعد خود نکل گئے۔اور پھر الفرقان میں قلمی جہاد میں شامل ہو گئے۔مولانا نعمانیؒ کی یہ بتدریج تبدیلی ذہن وعمل ان کی شخصیت میں عدم اعتماد یا استقامت کی کمی کو ظاہر کرتے ہیں یا پھر شاید ان کی لحہ بہ لحہ تبدیل ہونے والی فطرت کا اظہار ہے۔آئندہ صفحات میں ان کی شخصیت کے دیگر پہلو بھی اس کی غمازی کریں گے کہ مولانا نے اب تبلیغی جماعت میں شمولیت اختیار کر لی، اور ساتھ ساتھ الفرقان میں کام کرتے رہے۔تبلیغی جماعت میں ان کی شمولیت ان کی شخصیت کی ایک اور جست ہے جو انہوں نے دین کی محبت اور اس کے لئے کام کرنے کے لئے لگائی۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی صحافتی خدمات میں سب سے اہم الفرقان کا اجراء ہے۔جب اس کا اجراء کیا تو اس وقت ان کے پاس سچے جذبے اور للّٰہیت کے سوا کوئی خاص سرمایہ نہ تھا۔وہ مسلسل اس کو شائع کرنے کی سکت نہیں رکھتے تھے، لیکن دینی جذبے نے انہیں مایوس نہیں ہونے دیا اور وہ مسلسل جدوجہد میں لگے رہے۔الفرقان کے اجراء کا اس وقت بنیادی مقصد یہ ٹھہرا تھا، کہ بریلویت کے خلاف اور ان کے مناظروں کی تفصیل عوام تک پہنچائی جائے اور اس طرح عقائد کی اصلاح کی کوششوں کو بھر پور کیا جائے۔اس وقت الفرقان کے مضامین کا دائرہ مخصوص فرقوں کے حوالے سے مبنی مضامین تک محدود تھا۔پھر رفتہ رفتہ مولانا کی سوچ وفکر میں تبدیلی رونما ہوتی رہی۔وہ دائرہ اجتماعیت کی طرف بڑھتا رہا۔اس طرح الفرقان میں امت مسلمہ کی اجتماعی فلاح و بہبود، معاشرتی ترقی، علمی مسائل، ہندوستان کی تاریخ اور اکابرین ملت کے افکار زیر بحث آنے لگے۔مولانا نے اپنے افکار کی وسعت کے ساتھ ساتھ الفرقان کی تحریروں کو بھی وسعت بخشی اور اس طرح الفرقان اہل علم وعوام میں مقبولیت حاصل کرتا گیا، مولانا کی فکر کا ترجمان یہ رسالہ نصف صدی تک معاشرتی خدمت میں لگا رہا، اور اس نے علمائے کرام کے دل جیت لئے۔الفرقان کے مضامین حوالہ کے طور پہ آج بھی محفوظ ہیں۔ان میں شائع شدہ مولانا کی تحریریں اور مقالے اہل علم کے لئے آج بھی رہنمائی رکھتے ہیں۔

مولانا کا قلم بڑا رواں، جہاں دیدہ، تصنع سے پاک، عام فہم اور سادہ ہوتا ہے۔قدرت نے انہیں مشکل ترین مضامین کو آسان زبان میں پیش کرنے کا بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا۔زبان ایسی میٹھی اور اپنائیت لئے ہوئے کہ ایک معمولی پڑھا لکھا لکھاتی بھی خوب محظوظ ہوتا ہے۔سجع اور قافیہ آرائی سے پیدا ہونے والی غرابت اور تعقید (گراوٹ) سے ان کی تحریر پاک تھی۔تالیف کے میدان میں رب کائنات نے آپ کو خصوصی قبولیت کا درجہ عطا فرمایا۔عام فہم زبان میں علمی مسائل کو امت کے سامنے اس انداز میں پیش کیا کہ بڑے بڑے شبہات دور ہو گئے۔اسلام کیا ہے؟ آپ کی وہ عظیم تالیف ہے جس نے اتنی مقبولیت حاصل کی کہ دنیا کی اکثر زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے۔اس کتاب کو خالی الذہن پڑھنے والا شخص اسلام کی حقانیت کی تصدیق کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کے دور میں

اس کتاب نے پوری دنیا کے سامنے اسلام کی اصل تصویر پیش کی۔

فن حدیث پر مولانا کی ایک درسی کتاب الفیۃ الحدیث بھی ہے جو دارالعلوم دیو بند کی مجلس شوریٰ اور وہاں کے سابق مہتمم حضرت قاری محمد طیبؒ صاحب کی فرمائش پر لکھی گئی تھی۔ جس میں ایک ہزار حدیثیں جمع کی گئی ہیں۔ اسی لئے اس کا نام الفیۃ الحدیث ہے۔ اس میں بھی احادیث کے انتخاب اور ان کی ترتیب سے فن حدیث میں مولانا کے غیر معمولی مقام اور مسلکی رواداری کے رویئے کا صاف اظہار ہوتا ہے۔ یہ کتاب دارالعلوم دیو بند اور اس کے نہج پر بہت سے مدارس میں شامل درس اور مشکوٰۃ المصابیح سے پہلے پڑھائی جاتی ہے۔

مولانا مرحوم کی ان تا حدت کا مقصود اصلی صرف ایک تھا کہ اسلام اور اس کے جاں نثار خادموں اور عظیم علمبرداروں کو ان کے صحیح رنگ وروپ میں پیش کیا جائے۔ انہوں نے قرآن وحدیث کو اپنی تمام تا حدت کی بنیاد بنایا کہ یہی دونوں اصل کسوٹی ہیں، جن پر کھرے کھوٹے کو پرکھا جا سکتا ہے اور جن سے معاندین ومخالفین بھی انکار کرنے کی جرات نہیں کر سکتے۔ دوسرے تمام ماخذ ومصادر کو مولانا مرحوم نے استعمال ضرور کیا ہے مگر ان کو معیار حق و باطل نہیں بنایا۔ وہ صرف معلومات، مشاہدات اور واقعات فراہم کرنے کے وسائل و ذرائع ہیں۔ تصوف اور صوفیائے کرام پر ان کی تحریریں ان کے اسی طریقہ کار کو واضح کرتی ہیں۔ اسلامی تصوف ان کے نزدیک شریعت و دین اسلامی کی روح کے سوا اور کچھ نہیں۔ ان کی بعض تعبیرات وتشریحات سے اختلاف کیا جا سکتا ہے مگر روح احسانی کے وجود و کارفرمائی سے انکار ناممکن ہے۔ تصوف اور صوفیہ نئی اصطلاح اور مصلحین کا نیا طبقہ ہو سکتے ہیں مگر ان کی بنیاد واساس قرآن وحدیث پر تھی۔ مولانا نعمانیؒ تصوف کے غیر اسلامی تجاوزات پر نقد وتنقید کرنے سے بھی نہیں چوکتے، جو ایک قائل تصوف کے ایمانی واحسانی صلابت کی دلیل محکم ہے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے مختلف جرائد ورسائل میں بکھرے مضامین میں ان کی علمی قابلیت، عصری مسائل سے واقفیت اور دینی تعلیمات کے پرچار اور اصلاح معاشرہ کے حوالے سے ان کے جذبۂ صادقہ کا اظہار ہوتا ہے۔

مولانا مرحوم تالیف وتصنیف کے ذریعہ اسلام اور اس کی صحیح تعلیمات پیش کرنا چاہتے تھے اور ان کا مخاطب زیادہ تر کم تعلیم یافتہ یا جدید تعلیم یافتہ طبقہ تھا، جو دینی مبادیات سے بالعموم ناواقف ہوتا ہے یا معمولی شد بد رکھتا ہے۔ یہ تو ان کی تا حدت کا مثبت اور بنیادی پہلو تھا۔ اس مقصد سے انہوں نے مذکورہ بالا دونوں کتابوں کے علاوہ بہت سی چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں۔ ان میں ''نماز کی حقیقت''، ''کلمہ طیبہ کی حقیقت''، ''قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟، تصوف کیا ہے؟، حج کیسے کریں وغیرہ شامل ہیں۔ افادیت اور اثر انگیزی کے اعتبار سے ان تا حدت نعمانیؒ نے اپنے اصل مخاطبین کے روح وقلب کو گرمایا، خواص کو بھی بہت فائدہ پہنچایا۔ اتنی وضاحت، صراحت اور سلاست کے ساتھ قلم نعمانیؒ کے سوا اور کون رقم کر سکتا تھا؟

تا حدت نعمانیؒ کا دوسرا پہلو یہ رہا کہ مسلم اور غیر مسلم طبقات کے انحرافات اور ان کی اسلام دشمنی کو بھی اجاگر

کیا جائے تا کہ عوام و خواص دونوں ان کے مکر وفریب سے واقف اور ان کی چالوں سے محفوظ رہیں۔ یہاں مولانا نعمانیؒ ''متکلم'' اسلام بن جاتے ہیں۔ ابتدأ میں انہوں نے بریلوی مکتب فکر کی مبادیات و اساسیات سے خوب خوب بحث کی اور ان کے دجل وفریب اور تحریفات کو واضح کیا۔ ان کے دو اہداف قادیانیت اور شیعیت رہے۔ جو اوّل الذکر سے زیادہ خطرناک ہی نہیں بلکہ اسلام اور مسلمانوں کو ملیا میٹ کرنے کی سوچی سمجھی سازشیں ہیں۔ قادیانیت پر ان کی کتابیں اور اس سے کہیں بڑھ کر ''ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت'' ان کو بے نقاب کرتی ہے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے عقیدہ و کلام اور فقہ و تصوف کے موضوعات پر کثرت سے تحریریں سپرد قلم کیں۔ لیکن علم حدیث میں ان کی معارف الحدیث کو خاص مقام حاصل ہے۔ اس سلسلے کی سات جلدوں میں انہوں نے کتاب الایمان سے کتاب المعاشرہ تک مستند احادیث کے انتخاب، تشریح اور توضیح کی نہایت مفید علمی و دینی خدمت انجام دی۔ اس سلسلے کی آٹھویں اور آخری جلد ان کے انتقال کے چار سال بعد شائع ہوئی ہے۔ اس میں کتاب العلم، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، کتاب الفتن اور کتاب الفضائل کی احادیث شامل ہیں۔ مباحث کو سہل و سادہ اور منطق اسلوب میں پیش کرنے کا مولانا کو خاص ملکہ تھا۔ اس مجموعہ کی بھی سب سے نمایاں خوبی یہی ہے۔ خاص طور پہ نبی کریم ﷺ کے مرض وفات، نزول حضرت عیسیٰؑ، ظہور مہدی، فضائل خلفائے راشدین اور کتاب الفتن کی احادیث شریفہ میں ان کا انداز بیان بڑا موثر ہے۔ اہل قرآن، منکرین سنت، اہل تشیع کے رد میں ان کی طبعی مناظرانہ صلاحیت بھی جا بجا نظر آتی ہے۔ لیکن اصل روح یعنی حضور اکرم ﷺ سے ایمانی تعلق اور حصول ہدایت پوری کتاب میں جاری و ساری ہے۔

''مولانا محمد منظور نعمانیؒ ۹۲ برس کی عمر میں ۴ مئی ۱۹۹۷ء کو لکھنؤ میں انتقال کر گئے۔''(1)

''۲۷ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ (۵ مئی ۹ بجے صبح دار العلوم ندوۃ العلماء میں مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی نے نماز جنازہ پڑھائی۔''(2)

حوالہ جات: اختتامیہ

1۔ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، اشاعت خاص (بیاد مولانا محمد منظور نعمانیؒ)، اپریل ۱۹۹۸ء تا اگست ۱۹۹۸ء، ص ۶۹

2۔ ایضاً، ص ۹۸

Appreciation of Moulana Inam-ul-Haq Qasmi at the literature of Moulana Nomani and his efforts and services for Madaris and Movements is included.

Analysis of Professor Muhammad Yaseen Mazhar Siddiqui, Chairman Idara Uloom-e-Islamia, Muslim University, Aligarh at religious and intellectual services of Moulana Muhammad Manzoor Nomani through Al-Furqan also included.

Moulana Muhammad Ashiq Elahi Burni's comments on literary services of Moulana Muhammad Manzoor append for the readers.

Moulana Noor Alam Amini in his analysis about personality and religious services of Moulana Muhammad Manzoor Nomani wrote:

Moulana's style of communication was very simple, in easy language, he also wrote the articles in same style. His books specially Marif-ul-Hadith is a masterpiece of Urdu literature. This book was very legendary and made lesson to the later to facilitate and concession to the people and besides hard and complex language, used the simple language. Moulana Noor Alam also appreciated the continuous efforts of Moulana Nomani against false mischievous things.

These details can be read from Chapter six. In the end of chapter Summary and references incorporated.

The End: The summary of entire thesis from Chapter One to Chapter six included.

Books: List of Books of Moulana Muhammad Manzoor Nomani and Moulana Syed Abul Hassan Nadvi reads. Later on the list of books from which extracted the thesis in alphabetical order included.

Part his some important letters included from which his thoughts his true passion, intellectual wisdom will be assessed. These letters already published in Al-Furqan therefore, only extracts of these letters are hereby included. From his hundreds letters only eight letters have been chosen.

The Fifth Part named as Prime period of Monthly Al-Furqan and its First Phase, When Moulana Muhammad Manzoor Nomani started the issuance of Al-Furqan he had only sincerity and zeal, he was in financial constraints but he was not dishearted and made Trust in Almighty Allah and continued his struggle. Moulana started the publication of Al-Furqan in financial constraints but had no financial motivation or business from this and had only one aim gratification of Almighty Allah, therefore, Moulana Muhammad Manzoor Nomani himself said:

"Al-Furqan never a source of income, besides the first twenty years I faced hurdles, financial obstacles but for continuation of publication I am ever thankful to Almighty Allah. Later on due to change of thoughts of Al-Furqan the reasons of the same have been discussed and Prime time of Al-Furqan also described. In the last summary of entire Chapter and references included.

CHAPTER (VI): ANALYSIS OF INTELLECTUAL & RELIGIOUS SERVICES OF MOULANA MUHAMMAD MANZOOR NOMANI IN THE LIGHT OF SCHOLARS OF HIS ERA.

In this Chapter the reviews and analysis of some following renowned religious scholars included:-

Moulana Syed Abul Hassan Nadvi's opinion about intellectual status and technical skills of Moulana Muhammad Manzoor Nomani and its best transformation is included.

Moulana Habib-ur-Rehman review at personality of Moulana Nomani and his religious services in the history of India is included.

Analysis of review of Moulana Abu Bakar Ghazipuri at Religious and intellectual work of Moulana Nomani has been included.

CHAPTER (V): This Chapter consists of Five Parts:

The extra ordinary part of Religious services of Moulana Muhammad Manzoor Nomani is his struggle as Journalist. He used his pen for preaching of Islamic Education, his journalism overcame to his life and the effect of his struggle can easily be observed in subcontinent and overseas countries. His journalist life is an important milestone in collective religious struggle. He made his thoughts strong through journalism struggle and presented the History of Islam, Politics, Society, Fiqah, Hadith before the people in very easy words. He pointed out the collective problems of Islami Ummah and described the solution in the light of Islamic verdicts. Besides this, he also strongly replied the false movements. His journalist life played an important role in correctness of Faith of Muslims.

The most important work of his journalist life is issuance of Al-Furqan therefore the First Part contains the details of issuance of Al-Furqan and review of six renowned Islamic Scholars there on.

The Second Part consists of objectives of issuance of Al-Furqan and thereafter how the people warmly welcomed of the same.

The pen of Moulana Muhammad Manzoor Nomani representing his thoughts and ideologies, his articles, research reports, reviews and letters describes his thoughts. If we want to analyse the intellectual wisdom, Research Struggle and worries of Moulana for Ummah his books, write-ups and articles are satisfactory for the same especially Al-Furqan is the parameter of his intellectual status and evolution. The evolution of thoughts of Moulana and intellectual wisdom fully transpired from Al-Furqan, therefore only four other write-ups included in third part.

Fourth part has the heading Selective Letters of Founder of Al-Furqan, according to the thoughts Moulana Muhammad Manzoor Nomani have multi dimensional personality, his life transpires that he dedicated himself for Religious education to the society, his write-ups, debates, teaching even in disable condition through his letters he made efforts for preaching. In this

Moulana Hussain Ahmed Madni, Hazrat Moulana Syed Attaullah Shah Bukhari etc.

The Third Part has the heading of "Personality of Moulana Muhammad Manzoor Nomani in his Literature". In this part, after reviewing of some of renowned books of Moulana Muhammad Manzoor Nomani his literary, technical, political and thinking characteristics have been discussed. An article "Directive of Shariah at Gold Teeth" also included in this Part. The following books have been reviewed in this Part:

1. What is Tasawwuf.
2. Essentials of Namaz.
3. What is Islam.
4. Saying of Hazrat Moulana Ilyas.
5. Essentials of Kalma Tayyaba.
6. Tehdiss-e-Naimat
7. Darss-e-Quran.
8. Buwariq-ul-Ghaieb
9. Decisive Preaching.
10. Shariah Order at Gold Teeth.
11. Basic Reasons of weak Muslim World and its Solution in Quran.

The Fourth Part of this Chapter included the list of books written by Moulana Muhammad Manzoor Nomani.

The Fifth Part contains extracts of articles written by different intellectuals about Moulana Muhammad Manzoor Nomani and published in different periodicals.

The illustration of Moulana Muhammad Manzoor Nomani and his articles published in important periodicals of India and Pakistan and still continue even after his death. Various Editions of his books and articles already published. The periodicals in which his articles have been published frequently are Al-Balagh, Albayinat, Tarjuman-e-Islam, Maurif Azam Gharh, Fahm-e-Din, Daily Islam etc.

In last the summary of entire Chapter and references included.

deliver the message of Allah to all humanity, similarly the Prophet (peace be upon him) said بلغوا عنی ولو ایة (you deliver to the people although it is only one Quranic verse). Following to these directions of Almighty Allah and proclamation of Prophet (peace be upon him), Moulana Muhammad Manzoor Nomani actively involved in struggle of reforms and preaching to Muslims therefore, the Fourth Part described his these efforts.

The flood of Qadiyanies and Ariyan society highlights the preaching skills of Moulana Muhammad Manzoor Nomani and he got success in the field but sooner Moulana Muhammad Manzoor Nomani felt that processions had a temporary and limited effect therefore, to carry out the mission of true and false on country wide base he issued a monthly in the name of Al-Furqan. The fifth part discussed these efforts of Moulana Muhammad Manzoor Nomani.

In last the summary of entire Chapter and references included.

CHAPTER (IV): <u>LITERATURE OF MOULANA MUHAMMAD MANZOOR NOMANI.</u>

First Part of this Chapter contained the reviews and analysis of Islamic Scholars and other intellectuals at the literature and following books of Moualana Muhammad Manzoor Nomani:

1. What is Islam.
2. Religion & Shariah
3. What says Quran to you.
4. How perform Hajj.
5. Easy Hajj.
6. Maurif-ul-Hadith.
7. Iran's Revolution, Imam Khamini and Shiaism

Part two of this chapter contains the extract from articles and reviews about founders and intellectual of Dar-ul-Uloom Deu Bund and published in various periodicals e.g. Monthly Al-Balagh, Monthly Banneyat, Monthly Al-Furqan and others from which some of personalities are Hazrat Moulaza Mufti Muhammad Shafi, Hazrat Moulana Muhammad Yousuf Binnori, Hazrat

The Method of teaching of Moulana Muhammad Manzoor Nomani was very interesting, Mounala came in class at right time, held the chair and ordered to any student to read the extract of book, in this part his style of teaching and its effect has been discussed. In last the summary of entire Chapter and references included.

CHAPTER (III): PREACHING & REFORMS SERVICES OF MOULANA MUHAMMAD MANZOOR NOMANI.

In 1345 Hijrah when Moulana Muhammad Manzoor Nomani completed his studies from Daru-ul-Uloom Deu Bund the Islam in India was facing some severe mischievous including internal and external. In these circumstances he performed his active role to eliminate these mischievous things. Therefore, in First Part of this Chapter elaborate. His efforts and struggle to eliminate these mischievous steps taken by Moulana for reforms of Muslims and its effects on Muslims community have been discussed in detail.

In the Second Part the letters of Moulana Muhammad Manzoor Nomani are discussed. The correspondence of Moulana have a huge quantum and from these some letters relate to intellectual verses, Moderation, worries of Judgment day, reforms, and reforms in custom and letters to intellectuals have been included in the thesis for interest and benefit of public.

The Third Part contains the detail and reasons of joining and separation of Moulana Muhammad Manzoor Nomani from Jamat-e-Islami. Moulana Muhammad Manzoor Nomani admired from the extraordinary wisdom, powerful literature of Moulana Moudoodi and also inspired with the thoughts and explanation of Moulana Moudoodi, however, after 21 months of Foundation of Jamat-e-Islami in Al-Furqan Moulana Muhammad Manzoor Nomani announced his separation from the activities and responsibilities of Jamat. This Part discussed the details of the same.

We have a lot of Quranic verses and Hadith about الامر بالمعروف و النہی عن المنکر where in the Almighty directed the Holy Prophet (peace be upon him) to

The purified personality of Hazrat Moulana Muhammad Mazoor Nomani has the specific characteristics of Taqwah and purification, religious wisdom and practical implementation of Shariah in the existing society.
In last the summary of entire Chapter and references included.

CHAPTER (II): EDUCATIONAL SERVICES OF MOULANA MUHAMMAD MANZOOR NOMANI.

In the Second Chapter the educational services of Moulana Muhammad Manzoor Nomani have been reviewed.

The chapter consists of two parts. From the Ayyat Mubarka and Hadith it has been revealed as to get education of Qurant and Hadith is necessary for every Muslim, similarly the teaching of this education to others also the favorite act near Almighty Allah and Prophet (peace be upon him). Thus, after completion of education in 1345 Hijrah from Dar-ul-Uloom Deu Band Moulana Muhammad Manzoor Nomani had opted the profession of teaching for publication and promotion of the education of Prophet (peace be upon him) and rendered the services of full time teaching at his native land in Madrassah Muhammadia and after that served three years at Madrassah in Mohallah Chillah.

The opportunities of Part time teaching were awarded to Hazrat Moulana Muhammad Manzoor Nomani many times therefore he served the renowned institute of Nadw-tul-Ulema and he taught the books of different categories but he had a special affection towards Hadith accordingly along with Muslim Sharif and Tirmizi Sharif he was awarded the position of Sheikh-ul-Hadith and thought the Bukhari Sharif. Hazrat Moulana Muhammad Mazoor Nomani was a reformer and preacher also therefore, his teaching was not only full of references and evidences, but also contained the Preaching, he ever made efforts to induct the students in the Method of teaching therefore, he preferred that every student should get the chance to read the books.

Band, his educational performance, from whom he received education and the books that he studied the entire details are included in the Second Part.

The Third Part included the details of his teachers, about their life, educational and practical charms. The short notes about the life of his renowned teachers specially Hazrat Moulana Anwar Shah Kashmiri, Hazrat Moulana Shabbir Ahmed Usmani, Hazrat Moulana Mufti Aziz-ur-Rehman, Hazrat Moulana Ghulam Rasool Hazarvi. Moreover, the vow and Khilafat from Moulana Anwar Shah Kashmiri and Moulalan Abdul Qadir Raipuri also included in this Part.

The Fourth Part contains the personal and domestic life of Moulana Muhammad Manzoor Nomani, how he lived with the family members and how he implemented the direction of Almighty Allah قوا انفسکم و اهلیکم نارا and he trained the family members, The Part discussed how he had the dignity of guests, grocery of home purchased himself and ever tried to meet the necessities himself, fulfill the desires of relatives, neighbors, poor and needy peoples confidentially, arranged the marriages of young persons, after feeling mistake at his part rendered apology even from his youngers etc.

In the Fifth Part the behavior of Moulana Muhammad Manzoor has been discussed alongwith his reform versus for different occasions like marriage, travelling, trade, financial matters, preaching also collected in the benefit of people.

The Sixth Part discussed his some characteristics. Actually he had some extra ordinary characteristics, made great impacts to the heart and brain and definitely these characteristics have the worth to follow. Here, only the names of his some characteristics reproduced i.e. sincerity, privacy of others, obedience of Almighty Allah and complete following of directions of Shariah of Prophet (peace be upon him) in the matters of life and society etc.

ABSTRACT

RELIGIOUS & INTELLECTUAL SERVICES OF MOULANA MUHAMMAD MANZOOR NOMANI

My thesis consists of Six Chapters, Alhamolillah research at six chapters has been completed. The details of research work of completed chapters are as under:

CHAPTER (I): LIFE OF MOULANA MUHAMMAD MANZOOR NOMANI.

This First Chapter of my thesis consists of six parts:

The First part contains the birth of Moulana Muhammad Manzoor Nomani. Moulana Muhammad Manzoor was born in a religious and prosperous family. His father was an Agricultural Landlord and also has a wide business network. The worries of judgment day_overcame to his thoughts and accordingly belonged to the people most prayful to their Almighty Allah الذاكرين الله كثيرا۔ He decided the religious education and to transform his son as a servant of Religion, besides this the then British Collector of District Muradabad offered him for regular education and the post of Naib Tehsildar after completion of Intermediate within five years. However, his father admitted his son in a Religious Madrassah.

In the Second Part, the education of Moulana Muhammad Manzoor is discussed. The Primary education was obtained by him from three Madrassas of Sumbhal and the books of Logic, Philosophy, and Linguistic education completed from Moulana Mufti Muhammad Naeem Ludhyanvi.

In 1343 Hijrah he was admitted in Dar-ul-Uloom Deu Band for completion of religious education, Fiqah, Hadith and elaboration of Quran. The effect of this admission impacted over his family specially his father. His father mets his teachers and well impressed. The two years education in Deu

﴿کتابیات﴾

تصانیف مولانا محمد منظور نعمانیؒ۔

۱۔ آپ حج کیسے کریں؟، ناشر مکتبہ الفرقان لک، لکھنو انڈیا، س۔ن

۲۔ اسلام کیا ہے؟، ناشر کتب خانہ الفرقان، لکھنو انڈیا، دسمبر، ۱۹۵۰، صفر ۱۳۷۰ھ۔

۳۔ الفرقان وفیات نمبر، ناشر مکتبہ الفرقان ل، کھنو انڈیا، دسمبر، ۱۹۷۸ء

۴۔ بوارق الغیب، ناشر مکتبہ الفرقان، لکھنو انڈیا، اکتوبر، ۱۹۷۹ء

۵۔ تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی اور بریلوی حضرات، ا، اپریل، ۱۹۹۵ء

۶۔ تحدیث نعمت، الفرقان بک ڈپو، لکھنو، جولائی، ۱۹۹۷ء

۷۔ تصوف کیا ہے؟، کتب خانہ الفرقان، لکھنو انڈیا، مئی، ۱۹۵۳ء

۸۔ تذکرہ شاہ عبدالرحیم وابوالرضا دھلوی مع ضمیمہ اہل قبور کی زندوں سے ہم کلامی۔
مولانا نسیم احمد فریدی + مولانا محمد منظور نعمانی الفرقان بکڈ پو لکھنو۔فروری ۱۹۹۲ء

۹۔ ترکان احرار، لفرقان بک ڈپو، لکھنو، س۔ن

۱۰۔ ترکی پاک ہند کی تحریروں میں، لفرقان بک ڈپو، لکھنو، س۔ن

۱۱۔ جماعت اسلامی اپنے لٹریچر کے آئینہ میں۔لفرقان بک ڈپو، لکھنو، س۔ن

۱۲۔ جماعت اسلامی کے نظریاتی وانکار، لفرقان بک ڈپو، لکھنو، س۔ن

۱۳۔ خاکسار تحریک، دفتر الفرقان، بریلی انڈیا، جون، ۱۹۴۱ء

۱۴۔ دارالمصنفین کی تاریخی خدمات، کتب خانہ الفرقان، لکھنو، س۔ن

۱۵۔ درس قرآن، ترتیب وتحقیق مولانا عتیق الرحمن، الفرقان بکڈ پو لکھنو، ستمبر، ۲۰۰۴ء

۱۶۔ دین وشریعت، کتب خانہ الفرقان، لکھنو۔جولائی ۱۹۵۹ء

۱۷۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف پروپگنڈہ۔مکتبہ الفرقان، لکھنو، اگست، ۱۹۷۹ء

۱۸۔ کلمہ طیبہ کی حقیقت، مکتبہ اسلام لکھنو، انڈیا، اگست، ۱۹۵۲ء

۱۹۔ مسلمانان عالم کی کمزوری کے بنیادی اسباب اوران کا قرآنی حل، مکتبہ الفرقان لکھنو۔ستمبر، ۱۹۴۸ء

۲۰۔ معارف الحدیث، کتب خانہ الفرقان، لکھنو، انڈیا۔ اگست ۱۹۵۴ء

۲۱۔ ملفوظات حضرت مولانا الیاس، کتب خانہ الفرقان، لکھنو۔اکتوبر، ۱۹۵۰ء

۲۲۔ نصرت دین اوراصلاح مسلمین کی ایک کوشش، دفتر الفرقان، بریلی، جولائی ۱۹۴۵ء

۲۳۔ نماز کی حقیقت، دفتر الفرقان لکھنو، فروری، ۱۹۵۱ء

مولانا سید ابوالحسن ندویؒ کی کتب کی فہرست جو کہ زیر مطالعہ آئیں۔

۱۔ اپنے گھر سے بیت اللہ تک، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد، کراچی، اکتوبر ۱۹۸۹ء، ربیع الآخر ۱۴۰۲ھ

۲۔ اسلام ایک تغیر بذیر دنیا میں، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد، کراچی، ناشر فضل ربی ندوی، جنوری، ۱۹۷۷ء

۳۔ اسلام کا تعارف، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد، کراچی، ناشر فضل ربی ندوی، جولائی ۱۹۹۰ء، محرم الحرام ۱۴۱۱ھ۔

۴۔ اسلام کے قلعے (مدارس دینیہ عربیہ) اور علماء ربانی کی ذمہ داریاں، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد، کراچی ، ناشر فضل ربی ندوی، جولائی ۱۹۹۰ء محرم الحرام ۱۴۱۱ھ

۵۔ اسلامی بیداری کی لہر پر ایک نظر، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۴۰۹ھ۔

۶۔ اسلام میں عورت کا درجہ اوراس کے حقوق وفرائض، مجلس نشریات اسلام، کراچی، مئی، ۱۹۹۹ء

۷۔ اسمائے حسنی، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۴۱۲ھ

۸۔ امت اسلامیہ کا مستقبل خلیجی جنگ کے بعد، مجلس نشریات اسلام، کراچی، مئی، ۱۹۹۱ء

۹۔ انسانیت کی سب سے اہم ضرورت، ادارہ علوم اشاعت اسلامیہ، چہلیک ملتان شہر، (س۔ن)

۱۰۔ انسانیت کے محسن اعظم اور شریف ومتمدن دنیا کا اخلاقی فرض، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، محرم ۱۴۱۰ھ

۱۱۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، نواں ایڈیشن، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۷۶ء

۱۲۔ ایک اہم دینی دعوت، مجلس نشریات اسلام، کراچی، (س۔ن)

۱۳۔ ایمان کا دعویٰ اور حقیقت، عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ، چہلیک ملتان شہر، س۔ن

۱۴۔ آدمیت سے بغاوت، ناشر عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ، ملتان شہر، نومبر، ۱۹۹۷ء

۱۵۔ بصائر، مجلس نشریات اسلام، کراچی، س۔ن

۱۶۔ پاجا سراغ زندگی، مجلس نشریات اسلام، کراچی، س۔ن

۱۷۔ پرانے چراغ، مجلس نشریات اسلام، کراچی، س۔ن

۱۸۔ پندرہویں صدی ہجری ماضی وحال کے آئینہ میں، مجلس نشریات اسلام، کراچی، نومبر، ۱۹۸۰ء

۱۹۔ پیام انسانیت، ادارہ نشریات، رحیم یار خان، س۔ن

۲۰۔ تحفہ پاکستان، مجلس نشریات اسلام، کراچی س۔ن

۲۱۔ تحفہ مشرق، مجلس نشریات اسلام، کراچی، س۔ن

۲۲۔ تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۸۵ء

۲۳۔ تعمیر انسانیت، مجلس نشریات اسلام، کراچی، س۔ن

۲۴۔ جب ایمان کی بہار آئی، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۔ جنوری، ۱۹۷۷ء

۲۵۔ حالات کا نیا رخ اور علمائے دین کی ذمہ داری، انجمن اشاعت قرآن عظیم، کراچی، س۔ن

۲۶۔ حدیث پاکستان، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۷۹ء

۲۷۔ حدیث کا بنیادی کردار، مجلس نشریات اسلام، کراچی، س۔ن

۲۸۔ حضرت مولانا الیاس صاحب اور ان کی دینی دعوت، مکتبہ رشیدیہ، ساہیوال، س۔ن

۲۹۔ حیات عبدالحیٔ (ناظم ندوۃ العلماء) مجلس نشریات اسلام، کراچی، س۔ن

۳۰۔ خلفائے اربعہ، مجلس نشریات اسلام، کراچی، س۔ن

۳۱ خواتین اور دین کی خدمت، مجلس نشریات اسلام، کراچی، س۔ن

۳۲۔ عالم عربی کا المیہ، مجلس نشریات اسلام، کراچی، بار سوم، ۱۹۸۰ء

۳۳۔ مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں، مکتبہ رشیدیہ، ساہیوال، دسمبر، ۱۹۷۲ء

۳۴۔ نیا طوفان اور اس کا مقابلہ، ادارہ اسلامیات، لاہور، س۔ن

(الف)

۱۔ القرآن الحکیم

۲۔ الانور، سوانح انور شاہ کشمیری، عبدالرحمٰن کوندو، ندوۃ المصنفین دہلی، اپریل، ۱۹۷۹ء

۳۔ البلاغ مفتی اعظم نمبر، مرتبہ محمد تقی عثمانی، مکتبہ دارالعلوم کراچی، جمادی الثانی تا شعبان، ۱۳۹۹ء

۴۔ اکابر علماء دیوبند، محمد اکبر شاہ، بخاری، حافظ، ادارہ اسلامیات لاہور، طباعت جدید، جنوری، ۱۹۹۹ء

۵۔ انوار عثمانی، انوار الحسن انور شیر کوٹی،، پروفیسر، مکتبہ اسلامیہ، مئی، ۱۹۹۶ء

۶۔ احسن السوانح، یکے از خدام، جامعہ اشرفیہ، لاہور، جمادی الاخریٰ، ۱۳۹۴ء

۷۔ احاطہ دارالعلوم دیوبند میں بیتے ہوئے دن، سید مناظر احسن، گیلانی، مولانا، ترتیب مولانا اعجاز احمد اعظمی، مکتبہ حمادیہ، شاہ فیصل کالونی، کراچی، س۔ن

۸۔ العلم والعلماء، ابن عبدالبر اندلسیؒ، علامہ، مترجم عبدالرزاق، ملیح آبادی، ادارہ اسلامیات، لاہور، پہلی بار، ۱۹۷۷ء

۹۔ الجامع الصحیح البخاری، محمد بن اسماعیل، البخاری،، قدیمی کتب خانہ، کراچی، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۳۸۱ھ، ۱۹۶۱ء۔

۱۰۔ الاستاد المودودی وشیء من حیاتہ وافکارہ، تالیف علامہ سید محمد یوسف بنوری، مترجم مولانا فاروق حسن زئی (مودودی صاحب کے افکار ونظریات) المکتبۃ البنوریۃ، کراچی، رجب، ۱۴۲۱ھ۔

۱۱۔ اصلاحیات از مولانا سید ابوالحسن علی، ندوی، مفکر اسلام، ناشر فضل ربی ندوی مجلس نشریات اسلام، کراچی، ذیقعدہ، ۱۳۷۵ء

(ب)

۱۳۔ برصغیر میں مسلم قومیت کا ارتقاء، محمد الیاس، فارانی، ایم اے، ادارہ مطبوعات پاکستان، کراچی، ۱۹۶۸ء

۱۴۔ برکات غفوریہ، سید، حشمت علی، المدنی، ایچ۔ایم سعید کمپنی، کراچی، (س۔ن)۔

۱۵۔ بکھرے موتی، محمد یونس پالن پوری، مولانا، اشاعت اول، ربیع الاول، ۱۴۲۴ء مکتبہ شیخ سعید احمد خان، کراچی۔

۱۶۔ بیس بڑے مسلمان، عبدالرشید ارشد، مکتبہ رشیدیہ، لاہور، ستمبر، ۱۹۷۷ء۔

۱۷۔ بیسوی صدی کے رسول نمبر، محمد اقبال جاوید، پروفیسر، فروغ ادب اکادمی، گوجرانوالہ، ۱۹۹۹ء۔

۱۸۔ بینات بیاد حضرت مولانا محمد یوسف، لدھیانوی، جامعۃ العلوم الاسلامیہ، ناشر ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر، دسمبر تا فروری، ۲۰۰۱ء

(پ)

۱۹۔ پاکستان انقلاب سے پہلے اور انقلاب کے بعد، اشرف عطاء، جامعہ کراچی، س، ن۔

۲۰۔ پاک و ہند کے نامور علماء و مشائخ ،محمد اکبر شاہ، بخاری، سید، حافظ، قاری، ادارہ اسلامیات، لاہور، اگست ۲۰۰۶ء،

۲۱۔ پچاس مثالی شخصیات ،محمد اکبر شاہ، بخاری، سید، حافظ، قاری، ادارہ اسلامیات، لاہور، س۔ن

(ت)

۲۲۔ تاریخ پاک و ہند عہد قدیم سے ۱۹۶۵ء تک، سراج السلام، پروفیسر، سید، غضنفر اکیڈمی پاکستان، ستمبر، ۲۰۰۳ء

۲۳۔ تاریخ تحریک پاکستان (حصہ اول) ڈاکٹر عبدالسلام خورشید + ڈاکٹر روشن آراء راؤ، ناشر محمد جمیل، جالبی، اسلام آباد، طبع الاول ۱۹۹۳ء۔

۲۴۔ تاریخ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سملک ھلساڑ گجرات ،فضل الرحمٰن، اعظمی، مولانا، ۱۴۰۵ھ

۲۵۔ تاریخ جامع ہند، محمد حبیب + خلیق احمد نظامی، ناشر تخلیقات لاہور، ۱۹۷۰ء

۲۶۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند، قاری محمد طیب، دارالاشاعت کراچی، اشاعت اول، محرم، ۱۳۸۵ھ

۲۷۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند نمبر، محبوب رضوی، ماہنامہ الرشید، ساہیوال، جلد ۸، شمارہ نمبر ۴؍۵، مارچ، اپریل، ۱۹۸۱ء

۲۸۔ تاریخ و تذکرہ خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ، تالیف محمد نذیر، رانجھا، ناشر محمد ریاض درانی، لاہور، جون، ۲۰۰۳ء

۲۹۔ تبلیغی تقریریں (ٹائٹل پھٹ جانے کی وجہ سے اس کی دیگر معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ یہ کتاب مجلس علمی لائبریری کراچی میں موجود ہے۔)

۳۰۔ تجلیات ربانی، ترجمہ و تلخیص مکتوبات مجدد الف ثانی، مترجم نسیم احمد فریدی، ناشر کتب خانہ الفرقان لکھنؤ انڈیا، جنوری ۱۹۸۹ء۔

۳۱۔ تجلیات عثمانی، پروفیسر محمد انور، ادارہ نشر المعارف، ملتان، دسمبر، ۱۹۵۷ء

۳۲۔ تحدیث نعمت، محمد منظور نعمانی، مولانا، (ترتیب عتیق الرحمٰن سنبھلی) آپ بیتی، لاہور، قریشی پبلشرز، ۱۹۹۷ء،

۳۳۔ تذکرۃ الصالحین، (مرتبین) عبدالحفیظ، پیر جی، سعید احمد، ڈاکٹر، المکتبۃ العزیزیۃ، لاہور، اشاعت اول، جولائی ۲۰۰۳ء

۳۴۔ تذکرہ حضرت جی۔ مرتبین، محمد منظور نعمانی و عتیق الرحمٰن سنبھلی، مکتبہ خلیل لاہور، اکتوبر، ۱۹۹۸ء

۳۵۔ تذکرہ رحمانیہ، قاری محمد عبدالحلیم، انصاری، اشاعت نو، مکتبہ نفیس، لاہور، ۱۹۸۰ء

۳۶۔ تذکرہ شاہ اسماعیل شہید، مولانا نسیم احمد فریدی، امروہوی، ناشر محمد حسان نعمانی، کتب خانہ الفرقان لکھنؤ انڈیا، ۱۹۷۷ء

۳۷۔ تذکرہ علمائے حق اور ان کے کارنامے، سید محمد میاں، مولانا، حصہ اول، دلی پرنٹنگ پریس، دہلی، ۱۳۶۵ھ

۳۸۔ تذکرہ مشائخ دیوبند، از مولانا عزیز الرحمٰن، ناشر قرآن محل، کراچی، ۱۹۶۴ء

۳۹۔ تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا محمد میاں، صدیقی، مکتبہ عثمانیہ، لاہور۔ جولائی، ۱۹۷۷ء۔

۴۰۔ ترجمہ قرآن حکیم کامل، مرتب سید شبیر احمد، مولانا، ناشر قرآن آسان تحریک، لاہور، اگست، ۲۰۰۴ء

۴۱۔ تعارف ماہنامہ الفرقان عالمی فلسفہ ومذہب کے تناظر میں، حمید نسیم، ناشر فضلی سنز لمیٹڈ، کراچی، طبع دوم، جلد اول، ۱۹۹۴ء۔

۴۲۔ تفسیر عثمانی، مولانا شبیر احمد، عثمانی، جلد اول، طبع اول، دار الاشاعت، کراچی، ۲۰۰۰ء

۴۳۔ تفسیر مظہری (اردو)، ثناء اللہ، عثمانی، مجددی، علامہ، قاضی، پانی پتی، تشریحی ترجمہ مولانا سید عبدالدائم الجلالی، جلد دوم دار الاشاعت، کراچی، طبع اول، ذوالحجہ، ۱۴۱۱ھ

۴۴۔ تفہیم البخاری ترجمہ وشرح صحیح البخاری، مترجم وشارح مولانا ظہور الباری، اعظمی، جلد اول، ناشر دار الاشاعت، کراچی، طبع اول، ۱۹۸۵ء۔

۴۵۔ تفہیم القرآن، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، اشاعت بیسویں، جلد پنجم، جولائی، ۱۹۹۱ء

۴۶۔ تقدس انوار، از عبدالرحمٰن، کوندونا، ناشر جامعہ احسن العلوم، کراچی، س، ن۔

(ج)

۴۷۔ جمال یوسف، مولانا عبدالقیوم حقانی، جامعہ ابوہریرہ، چارسدہ، س۔ن

۴۸۔ جمعیت علماء ہند، پروین روزینہ، ناشر قومی ادارہ تحقیق تاریخ وثقافت، اسلام آباد، جلد دوم، طبع اول، ۱۳۶۱ھ

(چ)

۴۹ چالیس بڑے مسلمان، سید حافظ محمد اکبر شاہ، بخاری، جلد اول، ادارۃ القرآن، کراچی، نومبر، ۲۰۰۱ء۔

(ح)

۵۰۔ حضرت حکیم الامت اوران کے خلفاء کی سیاسی خدمات محمد اشرف، رانا، ادارہ تالیفات اشرفیہ، بہاولنگر، ذوالحجہ، ۱۴۱۹ھ

۵۱۔ حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی ایک مطالعہ، ناشر محمد ریاض، درانی، دسمبر، ۲۰۰۴ء، لاہور

۵۲۔ حضرت مولانا الیاس اوران کی دینی دعوت سید ابوالحسن علی، ندویؒ، مفکر اسلام، مولانا، ناشر فضل ربی ندوی مجلس نشریات اسلام، کراچی

۵۳۔ حکیم الاسلام دار العلوم دیوبند کی ایک مظلوم شخصیت، تالیف محمد اسعد صدیقی، ناشر ادارہ انوار القرآن، دیوبند، یوپی

۵۴۔ حیات مرغوب احمد، لاجپوری، ڈیوزبری، ناشر نذیر احمد ناتا، ۱۹۹۴ء

۵۵۔ حیات صدر المدرسین، محمد ابراہیم، فانی، مولانا (زروبی)، مؤتمر المصنفین، دار العلوم اکوڑہ خٹک، پشاور، صفر المظفر ۱۴۱۱ھ، ستمبر ۱۹۹۰ء

۵۶۔ حیات عبد الرحیم، مولانا مرغوب احمد، لاجپوری، ناشر مکتبۃ المرغوب، گجرات، انڈیا، اکتوبر، ۲۰۰۲ء

۵۷۔ حیات عمران، از پروفیسر مسعود الرحمٰن خان، مکتبۂ دین و دانش، بھوپال، س۔ن

(د)

۵۸۔ دار العلوم دیوبند میں بیتے ہوئے دن، گیلانی، سید مناظر احسن، مولانا، مکتبہ رشیدیہ، کراچی، اپریل ۲۰۰۹ء،

(ر)

۵۹۔ روداد جماعت اسلامی، مرتبہ سید ابو الاعلیٰ مودودی، ناشر دفتر ترجمان القرآن، پٹھان کوٹ، شوال، ۱۳۶۱ھ

۶۰۔ ریاست رامپور (تاریخی و معاشرتی پس منظر)، سید اصغر علی، شادانی، تنظیم احباب، لاہور۔ ۲۰۰۶ء

(س)

۶۱۔ سراغ زندگی، مولانا عبد القیوم حقانی، القاسم اکیڈمی، اشاعت اول، نوشہرہ، نومبر، ۲۰۰۱ء

۶۲۔ سوانح حضرت مولانا حسین احمد مدنی، مولانا عبد القیوم حقانی، طباعت اول، القاسم اکیڈمی نوشہرہ، دسمبر، ۲۰۰۴ء

۶۳۔ سوانح حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مکتبہ اسلام لکھنو ۱۳۸۳ھ

۶۴۔ سوانح حیات قاضی احسان احمد شجاع آبادی، از محمد نور الحق قریشی، ناشر مکتبہ احسان، ملتان، اپریل، ۱۹۷۲ء

۶۵۔ سوانح شاہ عبد الرحیم رائے پوری، از مفتی عبد الخالق، آزاد، ناشر محبوب الرحمٰن انور ملکی، دار الکتب، لاہور، س۔ن

۶۶۔ سہ ماہی الزبیر تحریک آزادی نمبر، از محمد سرفراز خان، ناشر اردو اکیڈمی، بہاول پور، جلد دوم، ۱۹۷۰ء

۶۷۔ سیارہ ڈائجسٹ، رسول نمبر عبادت نبوی، از محمد منظور نعمانی، جلد اول، ناشر شعبہ ادارت، لاہور، جلد نمبر 20، شمارہ نمبر، نومبر 5، ۱۹۷۳ء

۶۸۔ سید قاسم محمود، ناشر محمد فیصل، آٹھواں ایڈیشن، جلد دوم، اکتوبر، ۲۰۰۵ء، لاہور

۶۹۔ سیرت ثنائی سوانح حیات ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری، مرتبہ مولانا عبد المجید خادم، سوہدروی، ناشر مکتبہ قدوسیہ، لاہور، اشاعت اول، ۱۹۰۹ء

۷۰۔ سیرۃ النبیؐ علامہ شبلی نعمانی، علامہ سید سلیمان ندوی، ناشر دار الاشاعت، طبع اول جلد اول، کراچی، مئی، ۱۹۸۵ء

(ش)

۷۱۔ شاہ جی، ازنذیر مجیدی، لائل پوری، باراول، ،ناشر چوہدری جان محمد، جدید بکڈ پو، لاہور، ۱۹٦۵ء

۷۲۔ شخصیات وتاثرات، مولانا محمد یوسف، لدھیانوی، مکتبہ لدھیانوی، کراچی، جون، ۱۹۹۵ء

۷۳۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، تاریخی وسوانحی مطالعہ، ازمولانا سید فرید، الوحیدی، ناشر مکتبہ محمودیہ، لاہور، مارچ ۱۹۹۵ء

۷۴۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ ایک سیاسی مطالعہ، مرتبہ ڈاکٹر ابوسلیمان، شاہ جہان پوری، ناشر مجلس یادگار شیخ الاسلام، کراچی، ۱۹۹۳ء

(ص)

۷۵۔ صحبتے با اہل دل، مرتبہ مولانا سید ابوالحسن علی، ندوی، ناشر فضل ربی ندوی، مجلس نشریات اسلام، کراچی، جون، ۱۹۷۰ء

(ع)

۷٦۔ علماء دیوبند عہد ساز شخصیات، مولانا محمد مجاہد، الحسینی، اشاعت اول، سیرت مرکز، فیصل آباد، ۲۰۰۴ء

۷۷۔ علمائے حق اوران کے مجاہدانہ کارنامے، حصہ اول، مرتبہ مولانا سید محمد میاں، حصہ اول، مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی، ۱۳٦۵ء

(ف)

۷۸۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، مرتب، محمد ظفیر الدین ،مولانا، ناشر دارالاشاعت، طبع اول، جلداول، کراچی، مئی، ۱۹۸٦ء

۷۹۔ فیض الغنی، پروفیسر محمد یعقوب، شاہق، ناشر محمد ریاض خان، سدابہار پبلکیشن، لاہور، س۔ن

(ک)

۸۰۔ کاروان آخرت، مولانا سمیع الحق، مئوتمر المصنفین، پشاور، محرم، ۱۴۰۹ھ

۸۱۔ کاروان تھانوی، حافظ محمد اکبر، شاہ بخاری، ادارۃ المعارف، کراچی، دسمبر، ۱۹۹۷ء

۸۲۔ کاروان زندگی، مولانا سید ابوالحسن علی، ندوی، ناشر فضل ربی، جلداول، مجلس نشریات اسلام، کراچی، جولائی، ۱۹۸۴ء

۸۳۔ کلیات شیخ الہند، ڈاکٹر ابوسلمان، شاہ جہانپوری، مجلس یادگار شیخ الاسلام، کراچی، ۱۹۹۴ء

(م)

۸۴۔ ماہ فضل وکمال، سوانح حضرت مولانا فضل محمد، ازشاہ ابن مسعود، قریشی، القاسم اکیڈمی، لاہور، طبع اول، مئی، ۱۹۹۵

۸۵۔ ماہنامہ الرشید مدنی واقبال نمبر جلد نمبر 6 شمارہ نمبر 10,11 ستمبر، اکتوبر ۱۹۷۸ء ناشر شعبہ تبلیغ جامعہ رشیدیہ ساہیوال۔

۸٦۔ ماہنامہ الفرقان، جلد نمبر ٦، شمارہ نمبر 7,8,9 مدیر محمد منظور، نعمانی، نظیر آباد لکھنو،

۸۷۔ ماہنامہ الفرقان، اپریل، مئی، جون، ۱۹۷۴ء ، مدیر خلیل الرحمن، سجاوندی، جلد نمبر 42، نظیر آباد، لکھنو

۸۸۔ ماہنامہ الفرقان بیاد مولانا محمد منظور نعمانی، اپریل ۱۹۹۸ء تا اگست ب۔ ۱۹۹۸ء ناشر دفتر الفرقان لکھنوء

۸۹۔ ماہنامہ الفرقان بیاد مولانا محمد یوسف، مرتب عتیق الرحمن سنبھلی، جولائی۔ اگست، ستمبر، ۱۹۶۵ء، ناشر دفتر الفرقان لکھنو،

۹۰۔ ماہنامہ الفرقان بیادگار نسیم احمد فریدیؒ، مرتبہ خلیل الرحمن، سجاوندی، ناشر دفتر الفرقان لکھنو، جلد نمبر 57، شمارنمبر 5 تا 8 مئی تا اگست، ۱۹۸۹ء

۹۱۔ ماہنامہ الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر، مرتبہ محمد منظور نعمانی، دوسرا ایڈیشن، ناشر دفتر الفرقان، بریلی انڈیا، ربیع الاول، ۱۳۶۰ھ

۹۲۔ ماہنامہ بینات بیاد مولانا محمد جمیل خان، ناشر مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق سکندر، جلد نمبر 68، شمارنمبر 9 تا 12، نومبر، ۲۰۰۵ء تا ۲۰۰۶ء

۹۳۔ ماہنامہ بیسنات بیاد حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری، جامعۃ العلوم الاسلامیہ، کراچی، جنوری، فروری ۱۹۷۸ء

۹۴۔ ماہنامہ بینات بیاد مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، جامعۃ العلوم الاسلامیہ، مدیر ڈاکٹر عبد الرزاق سکندر، دسمبر تا فروری، ۲۰۰۱ء

۹۵۔ ماہنامہ تعمیر افکار، بیاد علامہ محمد طاسین، جلد نمبر 7، شمارنمبر 6,7,8، جون تا اگست، ۲۰۰۶ء، ناشر حافظ حقانی میاں قادری، زوار اکیڈمی، کراچی

۹۶۔ ماہنامہ حق چاریار بیاد حضرت مولانا مظہر حسینؒ، مرتب حافظ زاہد حسین، رشیدی، ناشر دفتر ماہنامہ حق چاریار، لاہور

۹۷۔ مثالی استاذ، محمد حنیف عبد المجید، ناشر بیت العلم ٹرسٹ، اشاعت دوم، حصہ اول، کراچی، ۲۰۰۸ء

۹۸۔ مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ، از ڈاکٹر ابو سلمان، شاہ جہاں پوری، ناشر محمد ریاض دوائی، لاہور، مئی، ۲۰۰۲ء

۹۹۔ مرد باصفا حضرت صوفی محمد اقبال، مرتب محمد سہیل مہاجر مدنی، ناشر مکتبہ حضرت شاہ زبیر، کراچی، ۲۰۰۲ء

۱۰۰۔ مشاہیر عالم اوران کا سفر آخرت، مرتب مولانا محمد ازہر، ناشر ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ۱۴۲۲ھ

۱۰۱۔ مشاہیر علماء ، ڈاکٹر فیوض الرحمن، فرنٹیئر پبلشنگ کمپنی، جلد اول، جلد سوم، لاہور

۱۰۲۔ معارف القرآن، مولانا محمد شفیع، ادارۃ المعارف، طبع جدید، اکتوبر ، کراچی، ۱۹۹۰ء

۱۰۳۔ معاصرین اقبال، ڈاکٹر فیوض الرحمن نیشنل بک سروس، بار اول، ناشر محمد عارف، لاہور، ۱۹۹۰ء

۱۰۴۔ معماران پاکستان، منشی عبد الرحمن خان، شیخ اکیڈمی، لاہور، بار اول، نومبر، ۱۹۷۶ء

۱۰۵۔ مقالات یوسفی شخصیات وتاثرات، از مولانا محمد یوسف، لدھیانوی، مکتبہ لدھیانوی، کراچی، اشاعت اول، جلد اول، ۱۹۹۵ء، جلد دوم، مارچ ۲۰۰۱

۱۰۶۔ مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی، از مولانا نسیم احمد، فریدی، امروہوی، ناشر الفرقان بکڈپو لکھنو، پانچواں ایڈیشن، ۱۹۹۰ء

۱۰۷۔ ملت اسلام کی محسن شخصیات، مولانا محمد اسلم، انصاری، دارالاشاعت، کراچی، ۲۰۰۱ء
۱۰۸۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمات تصوف کا جائزہ، از محمد امجد تھانوی، کلیہ تعارف اسلامیہ، جامعہ کراچی، ستمبر، ۱۹۹۹ء
۱۰۹۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تصانیف کا تجزیہ اور اردو کے دینی ادب کے پس منظر میں ان کی اہمیت، مقالہ نگار محمد مبین، شعبہ اردو، کراچی یونیورسٹی، اپریل، ۱۹۸۸ء
۱۱۰۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی حیات وافکار کے چند پہلو، ترتیب وتدوین سفیر اختر، ناشر ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء

(ن)

۱۱۱۔ نقش دوام، انظر شاہ مسعودی، المکتبۃ البنوری، کراچی، س ۔ ن
۱۱۲۔ نقش وسوانح علامہ انور شاہ کشمیری، از انظر شاہ مسعودی، المکتبۃ البنوریۃ، کراچی، ذی الحج، ۱۳۹۸ھ
۱۱۳۔ نقوش رفتگان، محمد تقی، عثمانی، مفتی، ادارۃ المعاف، کراچی، اگست، ۱۹۹۸ء

(ہ)

۱۱۴۔ ہندوستان پس منظر و پیش منظر، محمد تقی، سید، ناشر انجمن ترقی اردو پاکستان، ستمبر، ۱۹۶۸ء
۱۱۵۔ ہندوستان میں وہابی تحریک، قیام الدین احمد، ڈاکٹر، مترجم پروفیسر محمد مسلم، عظیم آبادی، نفیس اکیڈمی، کراچی، جون، ۱۹۶۸
116. Al-Abrashi,Atiya.Education in islam translated to ismail kashmiri.pub.the supreme council for islam affairs,Cairo,Egypt,1967